ISSN
Online: 2709-3492
Print: 2709-3484
www.alulum.net

ششماہی

العلوم

مجلّہ علوم اسلامیہ (AUJIS)

جلد ۱، شمارہ ۲ (جولائی۔دسمبر ۲۰۲۰ء)

الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ

انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ بھیرہ، ضلع سرگودھا، پاکستان

العلوم

AL-'ULŪM (AUJIS) 1 (2) (July-December 2020)

بسم الله الرحمن الرحيم

ششماہی

العلوم

مجلّہ علوم اسلامیہ

جلد:۱ شمارہ: ۲

جولائی۔ دسمبر ۲۰۲۰

آئی ایس ایس این: پرنٹ: ۲۷۰۹-۳۴۹۲

آئی ایس ایس این: آن لائن: ۲۷۰۹-۳۴۸۴

الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ

انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ، بھیرہ، سرگودھا، پاکستان

قیمت اندرون ملک: 1000، بیرون ملک: 50ڈالر

Ph: +92-48-6690569/333-4441957

E-mail: editoralulum@gmail.com, Website: www.alulum.net

مجلس ادارت

سرپرست اعلیٰ : **پیر محمد امین الحسنات شاہ،** چیئرمین انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ، بھیرہ، ضلع سرگودھا، پاکستان

مدیر اعلیٰ : **ڈاکٹر ابوالحسن محمد شاہ الازہری،** چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ، بھیرہ

مدیر انتظامی : **ڈاکٹر محمد اجمل فاروق**

مدیر : **ڈاکٹر سید محمد عبدالرحمن شاہ،** ممبر بورڈ آف اسٹڈیز، الکرم انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ، بھیرہ

نائب مدیران : **ڈاکٹر نجم الدین کوکب ہاشمی** (اردو)

محمد نعیم الدین الازھری (عربی)

محمد عمر ربانی (انگلش)

محمد ابوبکر صدیق، سجاد حسین (ٹیکنیکل)

مجلس مشاورت

بین الاقوامی

پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم (مصر)

پروفیسر ڈاکٹر نبیل فولی (ترکی)

ڈاکٹر مشرف حسین الازھری (انگلینڈ)

ڈاکٹر خوشتر نورانی (امریکہ)

ڈاکٹر محمد مدثر علی (قطر)

ڈاکٹر بصیر عبدالمغیث (مراکش)

پروفیسر سید لخت حسنین شاہ (انگلینڈ)

ڈاکٹر محمد داؤد صوفی (انڈیا)

قومی

پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق

پروفیسر ڈاکٹر زکیا ہاشمی

پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب

پروفیسر ڈاکٹر محمد اعجاز

ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

ڈاکٹر عاطف اسلم راؤ

ڈاکٹر حافظ حفاظت اللہ

العلوم کا تعارف اور تحقیقی میدان

عصر حاضر میں مذہب اور علوم اسلامیہ کی اہمیت اور انسانی فکر کے ساتھ اس کا تعلق بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت سے دینی و سماجی، سیاسی اور روحانی مسائل ایک عام آدمی کی پہنچ سے دور ہیں۔ ایک عام آدمی کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات و اشکالات اور انسانیت کی مشکلوں کا یقینی حل وحی خداوندی اور شریعت مطہرہ میں مضمر ہے۔ اس صورتحال میں انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ بھیرہ نے ایک تحقیقی مجلہ **العلوم** شروع کیا ہے جس کا مقصد محققین کو ایسا میدان مہیا کرنا جس میں وہ جدید پیش آمدہ مسائل کا جامع حل، وقت کے تقاضوں کے مطابق، دینی اور فقہی افکار کی روشنی میں پیش کر سکیں۔

العلوم میں شائع ہونے والے مقالات کی جہتیں ؛ قرآن ، حدیث، سیرت، اسلامی تہذیب و تمدن ، علم الکلام، تصوف، فلسفہ، انسانی حقوق، اقلیتوں کے حقوق، سائنس اور مذہب، اسلامی معاشیات و عمرانیات، سیاسیات و اخلاقیات، ثقافت و تمدن، مذہبی نفسیات، تقابل ادیان و افکار، استشراق، اسلام اور جدید مغربی تہذیب و تمدن، بین المذاہب مکالمہ و بین المذاہب ہم آہنگی، وغیرہ، کے موضوعات پر مقالات اور دیگر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ و تعارف) وغیرہ سے متعلق ہو سکتے ہیں۔

العلوم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ علماء کے تحقیقاتی دائرہ کار کو دین کے فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی مسائل کے حل کے لیے پرکھے۔ مجلہ کا دوسرا بنیادی مقصد عالمی سطح پر دین کی اہمیت کو سمجھنا ہے تا کہ مختلف قسم کے تنقیدی اور تحلیلی مناہج استعمال کرتے ہوئے مذہبی تعلیمات اور ان کے مظاہر کو جانا اور سمجھا جا سکے۔

مزید یہ کہ **العلوم** معاشرے کے معاصر مسائل کو سماجی، سیاسی، معاشی فریم ورک میں سائنسی طریقے سے بیان کرنا چاہتا ہے تا کہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہچانے کے لئے ان مسائل کا مناسب حل تلاش کیا جا سکے۔

یہ تحقیقی مجلہ مقامی اور بین الاقوامی محققین کے درمیان رابطے کا کردار ادا کرنا چاہتا ہے تا کہ اس وقت انسانیت کو درپیش گوناں گوں مسائل کا مذہبی اور علمی بنیادوں پر پائیدار و جامع حل تلاش کیا جا سکے۔

العلوم کی ادارتی پالیسی

العلوم اسلامی علوم وفنون سے وابستہ خالصتاً تحقیقی مجلہ ہے، جو علم و تحقیق کے حوالے سے نمایاں نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مقالات کے متعلق ادارتی پالیسی حسب ذیل ہے:

- العلوم کی اشاعت کے سلسلہ میں ہائیر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے جملہ قواعد وضوابط لاگو ہوں گے۔
- العلوم ششماہی مجلہ ہے یعنی سال میں دو مرتبہ (جون اور دسمبر میں) شائع ہوتا ہے۔

- **العلوم** میں اشاعت کی غرض سے بھیجے گئے مقالات کا تجزیہ دو منظور شدہ ماہرین سے کروایا جاتا ہے۔ جس میں ایک تجزیہ کار ملکی اور ایک غیر ملکی ہوتے ہیں۔
- **العلوم** میں مقالہ کی اشاعت کے حوالے سے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہو گا۔
- مجلس ادارت کو ارسال کیے گئے مقالات میں ضروری ترمیم، تنسیخ اور تلخیص کا حق حاصل ہو گا۔ ادارہ مقالہ نگاروں کو تجزیہ کاروں کی رائے نیز مقالہ میں مطلوب کسی تبدیلی سے متعلق آگاہ کرنے کا پابند ہو گا۔
- **العلوم** میں اشاعت کے لئے بھیجے گئے مقالہ جات اسلام اور پاکستان کی نظریاتی حدود کے موافق اور مسلمہ اُصولوں کے مطابق ہونے چاہیں۔
- ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مقالہ میں دی گئی رائے کی ذمہ داری **العلوم**، مجلس ادارت یا انجمن تعلیم المسلمین بھیرہ، پر نہیں، بلکہ مقالہ نگار پر ہو گی۔ البتہ **العلوم** اخلاقی اور قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے آزادی اظہارِ رائے کا حامی ہے۔
- موصول ہونے والے مقالات (شائع ہونے یا نہ ہونے) کی صورت میں واپس نہیں کیے جائیں گے۔
- تمام شائع شدہ مقالہ جات ادارے کی ملکیت ہیں البتہ محققین تحقیقی مقاصد کے لئے حوالہ کے ساتھ اقتباس کی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں۔
- Plagiarism (علمی سرقہ) کے حوالے سے **العلوم** HEC کی پالیسی پر سختی سے کاربند ہے۔

اشاعت مقالہ کے قواعد وضوابط

عمومی قواعد

- مقالہ تخلیقی اور طبع زاد ہو، کسی اور جگہ شائع شدہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اور جگہ اشاعت کے لئے دیا گیا ہو، اور کسی بھی قسم کے علمی سرقہ اور چربہ سے پاک ہو۔
- تحقیقی مقالہ **العلوم** کے تحقیقی میدان کے اندر ہونا چاہیے۔
- مقالہ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں لکھا جا سکتا ہے۔
- مقالہ تحقیق کے اصولوں کے عین مطابق اور بنیادی مصادر کے حوالوں سے مزین ہونا چاہئے۔
- املاء و انشاء اور زبان دانی کے بنیادی رموز اور قواعد کا التزام ضروری ہے۔
- مزید معلومات کے لیے مجلہ کی ویب سائٹ www.alulum.net وزٹ کریں۔

ترتیب وتدوین کے قواعد

- مقالہ ایم ایس ورڈ کے اے فور سائز صفحے کی ایک طرف کمپوز شدہ ہو جو بشمول حوالہ جات و حواشی پندرہ سے پچیس صفحات پر مشتمل ہو۔
- مقالہ کے شروع میں (250) الفاظ پر مبنی انگریزی زبان میں خلاصہ (Abstract) لازمی تحریر کریں جس کے ساتھ پانچ کلیدی الفاظ (Keywords) شامل ہوں۔
- مقالہ کے آخر پر حاصل بحث، نتائج اور سفارشات جامع انداز میں تحریر ہونی چاہییں۔
- کمپوزنگ کے سلسلے میں درج ذیل فانٹس کا خیال رکھا جائے:

(i) مقالہ کے متن میں فاصلہ یک سطری، اردو کے لئے فونٹ سٹائل : جمیل نوری نستعلیق، عربی عبارات اور عربی مقالے کے عمومی متن کے لئے فونٹ سٹائل "بلوٹس لینوٹائپ" ہونا چاہیے۔

(ii) قرانی آیات کے لئے فونٹ سٹائل "القلم" ہونا لازمی ہے۔(**العلوم** کی ویب سائٹ پر فونٹس پر کلک کر کے انہیں ڈاؤنلوڈ کرنے کا آپشن موجود ہے)۔

(iii) مقالے کے متن کے لیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:14، انگلش:12)

فصل یا مبحث کے لیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:16، انگلش:14)

جبکہ ذیلی فصول کے لیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:14 بولڈ، انگلش:12 بولڈ)

حواشی کیلیے فونٹ سائز:(اردو اور عربی:12، انگلش:10)

- اگر کسی مقالے میں نقشہ جات، خاکے اور فہرستیں ہوں تو وہ متن کے اندر موزوں مقام پر دی جائیں، ساتھ اس کی نمبر شماری کر دی جائے جسے آخر میں فہرست کے طور پر بھی ذکر کیا جائے۔
- مقالہ کے حواشی و حوالہ جات کے لئے شکاگو مینوئل اسٹائل (ایڈیشن 16) کو پیش نظر رکھا جائے۔
- انگریزی میں اردو اور عربی کے کلمات استعمال کرنے ہوں تو "ٹرانسلٹریشن جدول" کو پیش نظر رکھا جائے۔ جو **العلوم** کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔
- تمام حوالہ جات مقالہ کے فٹ نوٹس میں موجود ہوں۔ اور مقالہ کے آخر میں "مصادر و مراجع" کی جامع فہرست دی جائے۔

- تمام حوالہ جات مقالہ کے فٹ نوٹس میں موجود ہوں۔ اور مقالہ کے آخر میں ''مصادر و مراجع'' کی جامع فہرست دی جائے۔ جب کہ اردو اور عربی کے مقالات کے آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست رومن انگریزی میں ٹِک اینٹیکا کے فونٹ اور مکمل ٹرانسلٹریشن کے ساتھ مرتب کی جائے۔

حوالہ جات کے لیے قواعد و ضوابط

بھیجی جانے والی تحریروں میں حوالہ جات اور اقتباسات وغیرہ کے سلسلے میں **العلوم** کے طرز کو اختیار کیا جائے جو بنیادی طور پر شکاگو مینویل اسٹائل پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اُسلوب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

قرآن حکیم کے حوالے کے لیے مثال : القرآن ۳:۱۱۳(ترجمہ کے ماخذ کا بھی ذکر کیا جائے)۔

حدیث کے حوالے کے لیے مثال : محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، كتاب الذبائح والصيد، باب أكل كل ذي ناب من السباع (ریاض: دار السلام، 1417ھ)، رقم: 5530۔

مستقل کتاب کا حوالہ : ابو بکر محمد بن احمد السرخسی، **أصول السرخسي** (بيروت: دار المعرفة، ۱۹۹۷ء)، ۱:۳۵۰۔

دوبارہ حوالے کے لیے صرف مصنف کا مشہور (آخری) نام اور کتاب کا مختصر نام لکھا جائے، مثلاً: السرخسی، **أصول**، ۱ :۳۵۰۔

مدون شدہ کتاب کا حوالہ: خلیق احمد نظامی، مرتب، **شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات** (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۸ء)، ۵۲۔

مجلے کا حوالہ : محمد فیضان الرحمٰن، ''احادیث نبویہ میں وارد حیوانات کا ترجمہ: ایک ناقدانہ جائزہ''، **فکر و نظر**، اسلام آباد، 2:51 (2013)، 47۔

انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ

CH. Pellat, "Hayawan," *The Encyclopedia of Islam*, eds. B. Lewis, V. L. Menage, CH. Pellat and J. Schacht, (Leiden: E. J. Brill, 1986), 3: 307.

ویب سائٹ کا حوالہ

"McDonald's Happy Meal Toy Safety Facts," McDonald's Corporation, accessed July 19, 2008,http://www.mcdonalds.com/corp/about/factsheets.html.

آن لائن مقالے کا حوالہ

Gueorgi Kossinets and Duncan J. Watts, "Origins of Homophily in an Evolving Social Network," *American Journal of Sociology* 115 (2009): 411, accessed February 28, 2010, doi:10.1086/599247.

تحقیقی مقالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہونا چاہیے

I. **ملخص (Abstract)**

مقالہ کے ملخص کے لیے انگریزی زبان میں بالاختصار مضمون کا خلاصہ تحریر کیا جائے جو کم از کم (200-250) الفاظ پر مشتمل ہو، نیز مقالے سے متعلق موضوع کی مناسبت سے پانچ کلیدی الفاظ (keywords) شامل کیے جائیں۔

.II **تعارف (Introduction)**

تحقیق کا مقصد، طریقہ کار، امتیازی خصائص اور مقالے کا تعارف مختصراً پیش کیا جائے۔

.III **دراسہ سابقہ (Literature Review)**

تحقیقی مقالہ میں دراسہ سابقہ کا انتظام ہونا ضروری ہے۔

.IV **اسلوب تحقیق (Research Methodology)**

تحقیقی مقالہ میں اسلوب تحقیق کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔

.V **بحث و تجزیہ (Discussion& Analysis)**

مقالہ کے اس حصے میں مقالہ نگار اپنی تحقیق سے متعلقہ مواد تفصیلاً پیش کرے گا اور اس کا سیر حاصل تجزیہ پیش کرے گا، جو کہ متوازن طور پر مباحث اور ذیلی مباحث میں تقسیم ہونا چاہیے۔

.VI **نتائج (Conclusion)**

مقالہ کے اختتام میں بحث کے نتائج منطقی ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کریں۔

.VII **سفارشات (Recommendations)**

مقالہ کے اختتام میں بحث سے اخذ شدہ سفارشات منطقی ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کریں۔

.VIII **مصادر و مراجع Bibliography**

اردو اور عربی مقالات کے آخر میں (رومن انگلش میں) استعمال شدہ کتابیات کی جامع فہرست شکاگو مینوئل آف سٹائل کے مطابق دی جائے۔ جب کہ انگلش مقالات میں مصادر و مراجع کی فہرست انگلش میں دی جائے۔ (مصنف و مؤلف کے نام کو اسی ترتیب سے لکھا جائے جس ترتیب سے فٹ نوٹ میں لکھا جاتا ہے)

- تمام مقالہ جات درج ذیل ای میل ایڈریس پر مقررہ تاریخ کے اندر ارسال کیے جائیں ۔
editoralulum@gmail.com

اِداریہ

گزشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران یورپی استعمار کے سماجی، سیاسی اور معاشی بحران کا سامنا کرنے کے بعد، مسلمان نئے میلینیم میں احیاء کی طرف بڑھ رہے ہیں۔لہٰذا افکار و عمل کی جدت کو نئی مثبت جہت دینے کے لیے اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں خلافت خدائے لم یزل کا تصور، مقتدر حلقوں میں اسلامی اقدار کا احیا، مالیاتی و سماجی اداروں کی الہامی بنیادوں پر تعمیر، خاندانی نظام میں مرد و زن کا عادلانہ کردار، اسلامی بین الاقوامی قوانین پر عملداری، بین المذاہب ہم آہنگی اور اسلامی تصور دین کی جاذبیت ایسے پہلو ہیں جن پر تحقیق وقت کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں **العلوم مجلہ علوم اسلامیہ** بھی اسلام کو درپیش مذکورہ بالا جدید مسائل کا حل علماء و محققین کے متنوع افکار کی روشنی میں تلاش کرنے کے لیے میدانِ عمل میں ہے۔

جدیدیت کے نام پر مسلمانوں کو اسلامی روایات سے دور کرکے جہالت و تاریکی کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اسلام کبھی بھی جہالت و تاریکی کا سبب نہیں بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تہذیب میں کوئی تاریک دور نہیں گذرا، بلکہ جب آپ ماضی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو آپ کو نبی آخر الزمان ﷺ کا بہترین عہد بھی ملے گا۔ نتیجتاً، اسلام انسانی تہذیب میں پیدا ہونے والی تمام نیکیوں، محبت، شفقت اور ہمدردی کی جڑ تھا جس سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی عمر بھر فائدہ ہوا ہے۔

مسلمان مفکرین اور محققین کو اس بات سے بھی آگاہ رہنا چاہیے کہ جدیدیت کو اپناتے ہوئے لوگ سمجھ سکیں کہ کہاں تک جانا ہے، کہاں رکنا ہے، کیا اختیار کرنا ہے، کیا رد کرنا ہے، اور انسانی مثبت ارتقا میں کہاں تک حصہ ڈالنا ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی الہامی اصول ہمیشہ انسانی رہنمائی کے لیے پہلی صف میں رہے ہیں، جن کے ساتھ ارتقا انسانی زندگی کا مقدر رہا ہے۔ **العلوم مجلہ علوم اسلامیہ** تحقیق کے اسلامی ورثے کو اختیار کرکے الہامی حکمت عملی کا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ مجلہ محققین کے لیے سماجی، معاشی اور سیاسی تناظر میں عصری تقاضوں کے مطابق اسلامی تحقیقات کے دروازے وا کرتا ہے۔ اس لیے دوسرے ایشو میں بھی کوشش کی گئی ہے کہ تحقیقی معیار پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے، جس کا فیصلہ آپ مطالعہ کے بعد کریں گے۔

مدیر اعلی

شرکا مقالہ نگار

احمد رضا	(پی ایچ ڈی)، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ وتہذیب اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
سید عطاء اللہ بخاری	لیکچرار کیڈٹ کالج، گھوٹکی سندھ
حافظ محمد ثانی	(پی ایچ ڈی) پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ فیڈرل اردو یونی سٹی کراچی
محمد احمد نعیمی	(پی ایچ ڈی) اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونی ورسٹی، نیو دہلی، انڈیا
ماجد نواز	(پی ایچ ڈی اسکالر)، یونی ورسٹی آف کراچی، کراچی
محمد اسلم	(پی ایچ ڈی)، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد
مظہر حسین بہادرو	(پی ایچ ڈی اسکالر)، شعبہ عربی علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی لاہور
محمد عابد ندیم	(پی ایچ ڈی)، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی علوم اسلامیہ، گیریژن یونی ورسٹی لاہور
ریحانہ کنول	(ایم فل اسکالر) نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور
ارشاد اللہ	(پی ایچ ڈی اسکالر) شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، گومل یونی ورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان
اللہ دتہ	لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، ایف.جی ڈگری کالج برائے خواتین، ملتان کینٹ
محمد امجد	(پی ایچ ڈی) اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان
اسرار خان	(پی ایچ ڈی اسکالر)، فقہ اسلامی واصول فقہ، اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد
راشد مسعود	(پی ایچ ڈی اسکالر)، شعبہ عربی زبان، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد
عبید جینے ھاشمی	(پی ایچ ڈی) شعبہ دراسات دینیہ، اونابانیو یونی ورسٹی، اگولیوے، نیجیریا

فہرست مقالات

﴿اردو مقالات﴾

- ❖ قرآن کریم کے مفردات کی تصریحات: تفسیر ضیاء القرآن کا خصوصی مطالعہ 1
- ❖ ماحولیاتی آلودگی کے معاشرتی اثرات: سیرت طیبہ کی روشنی میں رہنما اصول 18
- ❖ غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں لفظ "مدینہ" (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ) 37
- ❖ طبقات "فقہائے حنفیہ" پر مؤلفات: تعارفی و تجزیاتی مطالعہ 69
- ❖ خانوادہ عثمانیہ بدایوں کی کلامی مباحث پر مشتمل چند کتب: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ 88
- ❖ برصغیر کے)منتخب (مسلم سلاطین کا طرز حکمرانی اور معاشرتی حالات: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ 107
- ❖ مغلیہ دور حکومت میں علوم دینیہ کی تدریس کا اہتمام: ایک تجزیاتی مطالعہ 136
- ❖ پاکستان میں آبی آلودگی کا حل: اسلامی تعلیمات کا تحقیقی جائزہ 167

﴿عربی مقالات﴾

- ❖ التجديد في التطور التاريخي للنقود الخلقية: دراسة تاريخية نقدية 194

﴿انگلش مقالات﴾

- ❖ Riḥlat ul baḥth ‘an al-insān: A Portrayal of Socio-Economic and Political Scenes of Nigeria 1-19

Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 1 -17

قرآن کریم کے مفردات کی تصریحات: تفسیر ضیاء القرآن کا خصوصی مطالعہ

Explanations of the lexicographic Contents of the Holy *Qur'ān*: A Special study of *Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān*

Ahmad Raza, (Ph.D)*

* Assistant Prof. Department of Islamic History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Keywords:

Al-Qur'ān, *Tafsīr*, *Mufradāt*, Lexicography, *Ziā-ul-Qur'ān*

Abstract: *Allah the Almighty revealed the al-Qur'ān in Arabic language. The basic purpose of the book is to lead people towards the path of guidance. Hence, true understanding of its meanings, ideas, and concepts is utmost important and essential for extracting guidance (hidāyah). There are a lot of lexicographic contents in the Holy Qur'ān that attracted the focus of exegetes (mufassirīn) to engage in explaining the Qur'ānic words. Actually it is the art of lexicography through which an exegete interprets the verses of Holy Qur'ān. The literature is lacking of studies focusing on how a mufassir (exegete) develops his interpretation of Holy Qur'ān. Hence, there is a vast room left in it. To add in the literature, this paper attempts to highlight how lexicographical contents of Holy Qur'ān were explored in Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān in specific.*

Raza, A. (2020). Explanations of the lexicographic Contents of the Holy Qur'ān: A Special study of Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān. *Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), 1 -17

© 2020 AUJIS. All rights reserved

1. Email: ahmad.raza@aiou.edu.pk

C

Content from this work is copyrighted by *Al-‘Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

قرآن مجید لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس لئے اس کے معانی و مفاہیم کا سمجھنا انتہائی اہمیت کے حامل امور میں سے اساسی درجہ کا امر ہے۔ اس کے لغوی مباحث جو کہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں تاحال تحقیق طلب ہیں جن سے عہدہ براہونا امت کے لیے ضروری ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن کے مصنف پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے قرآن مجید کی تعلیمات کو نہایت عمدہ، جامع اور سلیس انداز میں بیان فرمایا ہے۔ تفسیر میں آپ نے لغت سے متعلق قرآن مجید کی آیات بینات کی نہایت جامع لغوی تحقیقات کی ہیں۔ مقالہ ہذا میں تفسیر ضیاء القرآن کے اسلوب لغت کا ایک مختصر تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کے آخر میں نتائج و سفارشات مرتب کی گئی ہیں۔

لغات و معانی پر چند اہم کتب کا مختصر تعارف

سطور ذیل میں تفسیر ضیاء القرآن میں لغات و معانی کے لیے جو کتب زیر مطالعہ رہیں اُن میں سے چند اہم کتب کا مختصر تعارف مذکور ہے جو قرآن مجید کے فہم میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

كتاب العين

عربی علم لغت کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک نامور تصنیف **"کتاب العین"** ہے جو امام ابو عبد الرحمن خلیل بن احمد الفراہیدیؒ (م۱۷۸ھ) کی تصفیف ہے۔ لغات کی ابتدائی کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کتاب کا نام العین رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اپنی ادائیگی میں بہت گہرائی رکھتا ہے نیز یہ کہ حرف عین صحرا میں پانی کے منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ مصنف نے معمول سے ہٹ کر ایسی ترتیب کا انتخاب کیا ہے جو بالکل منفرد ہے۔ الفراہیدی نے ایک ایسا صوتی نظام ایجاد کیا ہے کہ جو عربی حروف تہجی کی ادائیگی کے نمونے کے مطابق ہے۔ اس نظام کے مطابق ترتیب کا آغاز گلے میں سب سے گہرائی سے ادا ہونے والے حرف عین سے اور اختتام ہونٹوں سے ادا ہونے والے حرف میم پر ہوتا ہے۔ حرف عین کی ادائیگی کی جگہ " گلے کا انتہائی اندرونی حصہ " ہے۔

المفردات فی غریب القرآن

ابوالقاسم حسن بن محمد المعروف علامہ راغب اصفہانیؒ (م ۵۰۲ھ) کی تصنیف کا پورا نام "المفردات فی تحقیق مواد لغات العرب المتعلقةبالقرآن" ہے جبکہ مطبوعہ نسخوں پر "المفردات فی غریب القرآن"کا عنوان مرقوم ہے اردو میں اسے "مفردات القرآن" سے شہرت ہے۔ مفردات القرآن کے نام سے بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن جو شہرت و دوام اس کتاب کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔ یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ہے

اس میں ہر کلمہ کے حروف اصلیہ میں اول حرف کی رعایت کی گئی ہے۔بیان کا انداز بڑا فلسفیانہ ہے جس میں پہلے ہر مادہ کے جوہری معنی متعین کیے جاتے ہیں پھر انہیں قرآنی آیات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔شرحِ الفاظ کے لیے یہ طریقہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس سے صحیح معنی تک رسائی ممکن ہوتی ہے اور تمام اشتباہ دور ہو جاتے ہیں۔بہت سے مصنفین اور ائمہ لغت نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

لسان العرب

ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الانصاری المعروف ابن منظورافریقیؒ(م ۷۱۱ھ) کی کتاب کا نام "**لسان العرب**" ہے۔علماو محققین میں یہ کتاب بہت مقبول ہے۔مؤلف الفاظ کی تشریح کے سلسلہ میں قرآنی مفردات، احادیث،اشعار و محاورات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض مقامات پر علمائے تفسیر و لغت کے اقوال بھی بطور تائید پیش کرتے ہیں۔جب کہ دیگر مقامات پر وضاحت کے لیے اختلاف قراءت کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔

لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ

یہ کتاب محمد عبدالرشید نعمانی کی تالیف ہے۔ جسے مکتبہ حسن سہیل،لاہور نے شائع کیا ہے۔ مؤلف محمد عبدالرشید نعمانی کو اس بات کا اِدعاہے کہ یہ اردو زبان میں لغاتِ قرآن پر پہلی کتاب ہے اور اس سے قبل اُردو زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

لغات القرآنی

یہ عزیز احمد کی تالیف ہے۔جس کو ادارہ لغات القرآن، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی نے شائع کیا ہے۔یہ مکمل قرآن کی لغات پر محیط نہیں ہے بلکہ صرف سورۃ الفاتحہ اور تیسویں پارہ میں مستعمل الفاظ پر مشتمل ہے۔آغاز میں ابتدائی بنیادی عربی صرف و نحو کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔

لسان القرآن

یہ کتاب مولانا محمد حنیف ندوی کی تالیف ہے ۔لسان القرآن پہلی مرتبہ 1983ء میں شائع ہوئی۔ جسے ادارہ ثقافت اِسلامیہ لاہور نے شائع کیا۔مولانا حنیف ندوی نے لسان القرآن میں قرآنی الفاظ کے معانی کے تعین کے لیے تین پیمانے مقرر کئے ہیں:۔(۱)عصر نبوت کا استحضار،(۲) عربی زبان پر کامل عبور (۳) قرآنِ حکیم سے بدرجہ غایت محبت و شغف۔اِن کے انداز سے قرآن کی لغت میں اِن کا انہاک اور مہارت فن ظاہر ہوتا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وآثار

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیت تھے۔ آپ کی شخصیت جامع الاوصاف تھی۔ آپ علم کا روشن مینار اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اخلاق حمیدہ کی عملی تصویر تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ بمطابق یکم جولائی ۱۹۱۸ء شب دوشنبہ بعد نماز تراویح بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں ہوئی[1]۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ سکول اور مدرسے کی تعلیم بھیرہ میں، اپنے والد گرامی پیر محمد شاہ کے ادارے میں حاصل کی۔ دورہ حدیث علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی سے مکمل کیا۔اس کے بعد جامعہ الازھر مصر میں مزید علوم کی تکمیل کی۔

مصر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ساڑھے تین سال تک قیام کیا اور ۱۹۵۴ء میں جامعہ الازہر اور جامعہ قاہرہ سے تعلیم مکمل کر کے وطن واپس تشریف لائے۔ وطن واپسی کے بعد آپ نے عملی طور پر اُمتِ مسلمہ کو اپنی علمی دینی تبلیغی، سماجی، معاشرتی اور روحانی خدمات پیش کیں۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ میں تادمِ زیست تعلیم اور روحانی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ قرآن مجید کی تفسیر، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور منفرد علوم و فنون پر شہرہ آفاق کتب تحریر کیں، منصبِ قضاء کو شان بخشی اور جہالت کے اندھیروں کو اپنے علوم و معارف سے کافور کیا۔ حکومت پاکستان نے ۱۹۸۰ء میں آپ کی علمی و اسلامی خدمات کے اعتراف میں **ستارہ امتیاز** کے اعزاز سے نوازا۔ مصر کے صدر حسنی مبارک نے ۱۹۹۳ء میں دنیائے اسلام کی خدمات کے صلہ میں مصر کا قومی اعزاز دیا۔ حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر نے ۱۹۹۴ء میں سیرت کے حوالے سے آپ کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں **سند امتیاز** سے نوازا۔ ءونی ورسٹی کے چانسلر ڈاکٹر احمد عمر ہاشم نے جامعہ الازہر کا سب سے بڑا اعزاز "**الدائرۃ الفخری**" آپ کو دیا۔ ۹ ذوالحج ۱۴۱۸ھ بمطابق ۷ اپریل ۱۹۹۸ء منگل اور بدھ کی درمیانی شب آپ کا وصال ہوا۔

تفسیر ضیاء القرآن

تفسیر "ضیاء القرآن" کا شمار اردو زبان کی مستند تفاسیر میں ہوتا ہے، جو پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اہم ترین علمی و دینی کاوش ہے۔ اپنی تالیف کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

1۔ پروفیسر حافظ احمد بخش، **جمال کرم** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ۱:۱۹۔

"جس میدان میں ابن جریر طبری اور ابن کثیر جیسے محدث اور مؤرخ، زمخشری اور ابن حیان اندلسی جیسے ادیب اور نکتہ سنج، رازی اور بیضاوی جیسے متکلم و فلسفی اور ابو بکر حصاص اور ابو عبد اللہ قرطبی جیسے فقیہ اور مقنّن رحمۃ اللہ علیہم قرآن کی عظمت جلال کے سامنے دم بخود اور سر بگریبان کھڑے ہوں میرے جیسے ہیچمدان، ہیچمیرز کا ادھر رخ کرنا یقینا محلِّ تعجب و حیرت ہے۔ خُدا شاہد ہے کہ کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا میں یہ کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں یا اپنے فہم و ادراک کے ناخن سے کسی پیچیدہ گرہ کو کھول سکتا ہوں یا میرے قلم میں اتنا زور ہے کہ میری نگارشات قرآن فہمی کے راستے سے ساری رکاوٹیں دور کر سکتی ہیں۔ ان تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے یہ کچھ ہو گیا۔ اس کی توجیہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ میں یہ کہوں کہ اللہ ربّ العزت نے چاہا اور یہ ہو گیا۔ اسی مسبب الاسباب نے اسباب فراہم کئے، اسی کی توفیق نے دستگیری فرمائی اُسی کی عنایات پیہم کے سہارے قدم اُٹھتے رہے اُسی کی تائید مسلسل سے میں یہاں تک پہنچا"۔[2]

تفسیر ضیاء القران کی علمی اور فنی اہمیت کے باوجود مصنف کا عجز اس کام کو مزید چار چاند لگا رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس تفسیر ضیاء القرآن کا تعارف کراتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

زمانہ ہر لحہ ارتقاء پذیر ہے، لوازمات حیات ہر لحہ تغیّر کا شکار ہیں۔ ہر صدی میں لسانی ارتقاء ہو رہا ہے۔ ہر شعبہ حیات میں نئی نئی اصلاحات متعارف ہو رہی ہیں۔ ان حالات میں زمانے سے ہم آہنگ تقاضوں کے مطابق نئی تفسیر ایک لازمی امر ہے۔ زمانہ کے بدلتے دھارے کے ساتھ قرآنی آیات کا ایک نیا روپ سامنے آرہا ہے اور حقانیت قرآن ثابت ہو رہی ہے۔۔ عہد حاضر کی معروف تفسیر ضیاء القرآن اُردو زبان میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی اس کی ۵ جلدیں فاضل مصنف کی انیس سالہ شب و روز محنت شاقہ کا ثمر سدا بہار ہیں۔"

[3]

تفسیر کے سارے محاسن کا اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کیا وہ وقت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے، ضیاء القرآن بہت ساری شرعی اور فقہی مباحث کو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اتنا عظیم کام کر کے اس انداز میں اظہار خیال کرنا یہ پیر صاحب جیسی شخصیت کا ہی طُرّہ امتیاز ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر لکھتے وقت متقدین، متأخیرین اور ہم عصر علماء کی تمام تفاسیر کے علاوہ کتب احادیث، تحقیقی رسائل میں چھپنے والے مختلف مقالات، کتب تصوف اور

2۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، 1:۸-۹۔

3۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، **ضیاء القرآن: تعارف، منہج و اسلوب**، مشمولہ (ماہنامہ ضیائے حرم، ضیاء الامت نمبر)، ۴۱۰۔

انسائیکلوپیڈیا وغیرہ اپنے پیش نظر رکھے۔ آپ نے ان تمام سے وسعت نظری کے ساتھ استفادہ کیا، لیکن بنیادی طور پر تفسیر قرطبی، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر اور تفسیر مظہری کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

تفسیر ضیاء القرآن کا منہج واُسلوب

صاحب ضیاء القرآن نے قاری کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات و اشکالات کا پوری طرح ادراک کیا ہے۔ آیات کی ضرورت کے مطابق جب قاری کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوتا ہے یا ابہام در پیش آتا ہے تو اسے بھی تفسیر میں ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر شمس تفسیر ضیاء القرآن کے منہج واسلوب کو نہایت جامعیت کے ساتھ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مقدمہ میں ضیاء القرآن کے تفسیری منہج کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جمع و تدوین اور قرآن کے مختلف ادوار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی قرأت کے اختلاف کی نوعیت کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ ترتیب قرآن کے حوالے سے حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ موقف پیش کیا ہے کہ قرآن عہد رسالت میں ہی مکمل طور پر مرتب کر دیا گیا تھا تمام صحابہؓ اس کی پیروی اور پابندی کرتے تھے۔ امام غزالی کے حوالے سے تلاوت قرآن کے ظاہری و باطنی آداب کا بیان بھی فہم القرآن کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے عبارت فہمی کے لئے رموزاو قاف نہایت اہم ہیں۔ اس لئے مقدمہ میں چودہ اہم رموز او قاف بیان کر دے گئے ہیں مقدمہ سے پہلی جلد کے آغاز و اختتام کا اندازہ بھی ہوتا ہے کم و بیش پانچ سال کی شب وروز صبر آزما محنت کا نتیجہ پہلی جلد ہے۔" 4

ضیاء القرآن کی ہر جلد میں مضامین قرآن کی توضیح کے لئے پیر صاحب نے نقشوں کا اضافہ کیا ہے۔ ہر سورت سے پہلے اس کا تعارف لکھا ہے جس میں سورہ مبارکہ کا نام، آیات و رکوعات کی تعداد، شان نزول، سورۃ کے مکی اور مدنی ہونے کی بحث نیز مضامین سورت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تفسیر اس عہد کی نہایت عمدہ اور جامع تفاسیر میں سے ایک منفرد و ممتاز مقام کی حامل ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن میں متعدد مقامات پر علم لغت کی فی زمانہ اہمیت کو نہایت جامعیت کے ساتھ زینتِ قرطاس کیا ہے اور لغوی مباحث کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لغوی مباحث کی بابت لکھتے ہیں:

3۔ ہمایوں عباس، ۴۱۱۔

"قرآن کریم کے اردو تراجم جو میری نظر سے گذرے ہیں وہ عموماً دو طرح کے ہیں ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے لیکن ان میں وہ زور بیاں مقصود ہے جو قرآن کریم کا طرہ امتیاز اور اس کی روح رواں ہے دوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے اس میں دقت یہ ہے کہ لفظ کہیں اور ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کر نے والا قاری یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں اس کا تعلق کس کلمہ یا کس جملہ سے ہے ۔میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے زورِ بیان میں بھی فرق نہ آنے پائے"[5]

تفسیر ضیاء القرآن میں خصوصا اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو قرآن پاک تو سمجھنا چاہتے ہیں لیکن اہل زبان نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس پر اس طرح دسترس حاصل نہیں کر سکتے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ استفادہ قرآن کریم کی تفسیر سے کر سکیں۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو پیر صاحب نے عربی قواعد کے حوالہ سے ذکر کی ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"علمائے لغت کے مطابق ظن ان الفاظ میں سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں ظن کا معنی شک بھی ہے اور یقین بھی۔ اور اس آیت میں ظن بمعنی یقین مستعمل ہوا ہے۔" [6]

اسی طرح ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

"لفظ تدلو ماخوذ ہے ادلاء سے اسکا معنی ہے رسی کو کنویں میں پانی نکالنے کے لئے لٹکانا۔ اس سے مراد کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا ہے۔" [7]

تفسیر لکھتے ہوئے مفسر کے پیش نظر قاری کی فہم اور سمجھ کی سطح ہوتی ہے لہذا وہ کوشش کرتا ہے کہ قاری قرآن کے کلمات تک اپنی دسترس رکھتا ہو۔ اس مقصد کے لیے مفسر علم تفسیر کے جملہ دیگر متعلقات کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تفسیر کو قاری کے لیے آسان بناتا ہے۔ یہی عمل پیر صاحب کا بھی تفسیر لکھتے ہوئے رہا ہے جو کہ مندرجہ بالا طرز کی مثالوں سے عیاں ہوتا ہے۔

5۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ۱:۱۲۔

6۔ نفس مصدر، ۱:۵۴۔

7۔ نفس مصدر، ۱:۱۳۱۔

مفرداتِ قرآنی کی تصریحات کا اہتمام

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لغت کی تحقیق پر انتہائی احسن انداز میں کام کیا ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن کے اکثر اوراق اس مجال میں آپ کے علمی کمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ سطور ذیل میں اختصار کے ساتھ چیدہ و چنیدہ مقامات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

يَسْتَحْيِي کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَسْتَحْيِيٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾[8]

(بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا اس سے کہ ذکر کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی۔)

"علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں لا يستحى اى لا يخشى وقيل لا يترک وقيل لا يمتنع[9]۔ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اگر مکھی، مکڑی، مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے ایسی مثال کو ترک نہیں فرماتا۔ سلیم الطبع لوگ تو مثال کے مفید ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عجیب خدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھروں کا ذکر ہے۔"[10]

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَابَ وَٱلْحِكْمَةَ﴾[11] (اور سکھاتا ہے اُنہیں قرآن اور سنت)۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

8۔ القرآن ۲:۲۶۔

9۔ محمد بن احمد قرطبی، الجامع لاحکام القرآن (**بیروت**: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)، ۱:۲۴۲۔

10۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ۱:۴۲۔

11۔ القرآن ۲:۱۲۹۔

"رسول اکرم ﷺ کے تین فرائض گنوائے جارہے ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے۔دوسرا یہ کہ کتاب وحکمت سکھائے۔تیسرا یہ کہ اپنے تصرف روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تا کہ حقائق ومعارف ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔حکمت کہتے ہیں ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔یہاں اس سے مراد احکام قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشاء ہے۔اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھادے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تا کہ قرآن پر اللہ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے۔اور اسی حکمت یعنی بیان قرآن کو سنت نبوی کہا جاتا ہے"۔[12]

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾[13](پابندی کرو سب نمازوں کی)۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"یہاں قرآن کے الفاظ حافظوا غور طلب ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعلہ کا صلہ علیٰ آجائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں۔یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو۔یہ نہیں کہ ایک بار نماز ادا کر لی تو ہفتہ بھر کی چھٹی مل گئی۔اسلام میں نماز کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیاں نہیں۔قرآن کریم میں اس کا حکم سو دفعہ کے قریب ہے۔حضور ﷺ نے اسے دین کا ستون فرمایا ہے۔" [14]

اَلْحَقّ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾[15]

(اس نے آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتری ہیں-)

---

[12]۔ الازہری،۱:۹۵۔

[13]۔ القرآن ۲:۲۳۸۔

[14]۔ الازہری،۱۶۵:۱۔

[15]۔ القرآن ۳:۳۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"حق سے کیا مراد ہے؟ علامہ قرطبی نے اس کا معنی الحجۃ الغالبۃ[16] لکھا ہے۔ یعنی اس کتاب میں ایسی دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن حق کا جو مفہوم علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے وہ بہت جامع اور لطیف ہے۔ لکھتے ہیں کہ کوئی قول اور فعل اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیے۔ اس انداز سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو اور اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت ہو۔"[17]

مُحْكَمَاتٌ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ﴾[18] (اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"محکم کی تعریف امام راغب نے یہ کی ہے: محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بین ہو۔ اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ وارد نہ ہو سکتا ہو اور جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو"۔[19]

أُلُوفٌ کی لغوی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾[20] (اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے۔)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

16۔ قرطبی، ۵:۴۔

17۔ الازہری، ۱:۲۰۷۔

18۔ القرآن ۳:۷۔

19۔ الازہری، ۲۰۹:۱۔

20۔ القرآن ۲:۲۴۳۔

"امام قرطبی فرماتے ہیں جمہور کا قول یہ ہے کہ الوف جمع ہے الف کی، جس کا معنی ہزار ہے۔یعنی وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔اور بعض آئمہ لغت(ابن زید) سے بھی یہ منقول ہے کہ اُلوفُ اَلِف یا اِلف کی جمع ہے[21]۔اب معنی ہو گا کہ وہ ایسی حالت میں گھروں سے نکلے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کی زندگی بسر کر رے تھے۔اس آیت سے علمائے کرام نے بھی یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کہیں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں کے لوگوں کو بھاگ کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔کیونکہ اگر تندرست بھاگ نکلے تو بیمار کی تیمارداری کون کرے گا۔نیز اس بھگدڑ سے ایسی خرابیاں پیدا ہو گی جن کا پہلے اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔نیز اگر متعدی مرض ہے تو ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے بیماری کے جراثیم صحت مند علاقوں میں منتقل ہو جائیں اور وہاں بیماری پھیل جائے۔اس حکم کی سب سے بڑی حکمت جو بحیثیت دین اسلام کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کے اس طرح لوگوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے اسباب کو وہ محیی و ممیت سمجھنے لگیں گے۔جس طرح اسلام نے وبازدہ علاقے سے بھاگنے سے منع فرمایا اسی طرح اس میں داخل ہونے سے بھی روکا۔"[22]

موجودہ زمانہ میں اس کی مثال کوروناوائرس کے متعدی ہونے کی ہے۔یہ ایک موذی وبا ہے جس سے لاکھوں انسان متاثر ہوئے ہیں۔چنانچہ جہاں یہ وبازیادہ ہے اس علاقے کے لوگوں کو وہاں سے دوسرے علاقوں میں نہیں جانا چاہیے تاکہ صحت مند لوگ بیمار نہ ہو جائیں۔اس آیت کی تفسیر یہ تصریح کرتی ہے کہ لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف سفر نہ کریں۔پیر صاحب نے بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس تصریح کو مد نظر رکھا ہے۔

بَکَّۃَ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾[23]

(بے شک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے، بڑا برکت والا اور ہدایت کا سرچشمہ ہے سب جہانوں کے لیے۔)

21۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۳۳۱:۱۔

22۔ الازہری،۱:۱۶۷۔۱۶۸۔

23۔ القرآن ۳:۹۶۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"بعض علماء نے لکھا ہے کہ مکّہ میں ایک لغت بکہ بھی آئی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ مکّہ اور بکہ ایک ہی شہر کے دو نام ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا خانہ کعبہ کی جگہ کو بکہ اور سارے شہر کو مکہ کہتے ہیں۔ محمد ابن شہاب سے مروی ہے کہ صرف خانہ کعبہ کو نہیں بلکہ ساری مسجد حرام کو بکۃ کہا جاتا ہے ا۔ور دوسرے سارے شہر کو مکہ "۔[24]

يَبْخَلُونَ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾[25]

(اور ہر گز گمان نہ کریں جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دے رکھا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے بلکہ یہ بخل بہت برا ہے ان کے لیے۔)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"لغت میں بخل کہتے ہیں اس چیز کا روک لینا جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ جو مالی حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حدیث صحیح میں اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی۔ وہ مال سانپ بن کر اس کو طوق کی طرح لپٹے گا اور یہ کہہ کہہ کر ڈستا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔" [26]

بَهِيمَةُ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾[27] (حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے بے زبان جانور)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

---

[24]۔ الازہری، ۱:۲۵۴۔

[25]۔ القرآن ۳:۱۸۰۔

[26]۔ الازہری، ۱:۳۰۱۔

[27]۔ القرآن ۵:۱۔

"بہیمۃ کا معنی علامہ راغب نے کیا ہے مالا نطق لہ[28] یعنی بے زبان۔ ترجمہ میں میں نے یہی معنی اختیار کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر چوپائے کو بہیمہ کہا جاتا ہے۔ بعض دیگر اہل علم کا خیال ہے کہ بہیمہ سے مراد چرنے والے شکاری جانور ہیں۔ مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ۔"[29]

ابن اور ولد کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾[30]

(اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسکے پیارے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں۔ پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے۔)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"عربی میں بیٹے کے لئے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ولد اور ابن لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ولد تو صرف اس لڑکے کو کہتے ہیں جو صلب سے پیدا ہوا ہو اور ابن صلبی بیٹے کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز کا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق ہو اس کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں جیسے مسافر کو ابن السبیل اور جنگجو کو ابن الحرب وغیرہ"۔[31]

اپنی اس تصریح کے بعد پیر صاحب امام رازی کا قول نقل کرتے ہیں:

---

[28]۔ امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (بیروت: مکتب اسلامی، ۱۴۳۳ھ)، ص ۱۴۹۔

[29]۔ الازہری، ۱: ۴۳۵۔

[30]۔ القرآن ۵: ۱۸۔

[31]۔ الازہری، ۱: ۴۵۶۔

یہود اور عیسائی اس معنی میں اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اس کی صلبی اولاد ہیں بلکہ اس وجہ سے کے وہ اس کے مقرب اور لاڈلے ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت و شفقت اس طرح سے ہے جیسے باپ کی بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔" [32]

أُبْسِلُوا کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾[33]

(اور چھوڑ دے جنھوں نے بنالیا ہے اپنا دین کھیل اور دل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے انھیں دنیوی زندگی نے اور نصیحت کرو قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے۔ نہیں ہے اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے یہی وہ لوگ ہیں جو ہلاک کیے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے بوجہ اس کفر کے جو وہ کرتے رہے تھے۔)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"وہ بدنصیب لوگ جنہوں نے دین کو کھیل اور دل لگی بنا رکھا ہے اور سنجیدگی اور متانت سے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ طلب حق کا شوق ہی دل میں نہیں رکھتے بلکہ الٹا مذاق کرتے ہیں انہیں اپنے حال پر رہنے دو۔ زندگی کی عیش و عشرت اور ساز و سامان نے انہیں بدمست و مدہوش کر دیا ہے۔ ان سے یہ توقع نہیں کہ یہ دعوت اسلام قبول کریں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں سمجھانا اور نصیحت کرنا ہی ترک کر دیا جائے بلکہ انہیں قرآن حکیم کی آیات پڑھ پڑھ کر سنایئے۔ شاید عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے، اور جس نے چشم ہوش نہ کھولی اور باطل کی حمایت میں سرگرم رہا تو قیامت کے دن اس کی نجات کی کوئی شکل نہ ہو گی۔ نہ تو اسے کوئی ایسا حمایتی ملے گا

---

[32]۔ فخر الدین محمد بن عمر رازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار العلم، ۱۴۳۶ھ)، ۶:۱۹۶۔

[33]۔ القرآن ۶:۷۰۔

جو زبردستی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچالے اور نہ سفارشی۔اور نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔اپنے آپ کو ہلاکت کے حوالے کر دینے کو ابسال کہتے ہیں۔ "[34]

بَصَاۗىِٕرُ کی تصریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ جَاۗءَكُمْ بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾[35]

(بیشک آئیں تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے تو جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا تو اس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"بصائر بصیرت کی جمع ہے۔جس طرح جسم کے لئے بصر (بینائی) ہے اسی طرح نفس اور روح کے لئے بصیرت ہے[36]۔اور یہاں اس سے مراد روشن دلیلیں ہیں۔اس آیت کا مقصد یہ ہوا کہ تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لئے روشن دلیلیں آگئی ہیں۔"[37]

خلاصہ بحث

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے۔یہ کلام دنیا کی نہایت فصیح و بلیغ زبان عربی میں اتارا گیا ہے۔قرآن مجید علوم و معرفت اور اسرار الٰہی کا خزانہ ہے۔شریعت اسلامیہ کا منبع و مصدر ہے۔اس کی ہر سورت، آیت ،جملہ ،لفظ اور حرف بے مثال ہے۔اس کا علم اور فہم ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔چنانچہ مفرداتِ قرآنی کی تفہیم کے لیے لغت کو پڑھنا، سمجھنا اور اس کا صحیح اطلاق کرنا اہل علم کی شان اور عظیم خدمت ہے۔یہ شان بیسویں صدی کے عظیم مفسر

---

[34]۔ الازہری،۱:۵۶۸۔

[35]۔ القرآن ۶:۱۰۵۔

[36]۔ عبداللہ بن عمر بیضاوی،أنوار التنزیل وأسرار التأویل (کراچی:قدیمی کتب خانہ،۱۹۹۹ء)،ص۱۸۶۔

[37]۔ الازہری،۱:۵۸۹۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ آپ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں مفردات کی لغوی تصریحات نہایت جانفشانی کے ساتھ بیان کرکے قرآن مجید کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

نتائج وسفارشات

- قرآن مجید کا فہم حاصل کرنے کا ایک بڑا اوراہم ذریعہ علم اللغۃ ہے۔علم تفسیر کے طلبا کے لیے علم اللغہ کا جاننا نہایت ضروری ہے،اسے ان کے نصاب میں شامل کرنا ضروری ہے۔
- قرآن مجید کے مفردات کی تصریحات میں علمائے کرام نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں مگر بعض مفسرین نے اسے اپنی تفاسیر میں اس طرح شامل نہیں کیا جس طرح ہونا چاہیے۔
- پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں صرفی نحوی تشریحات کے ساتھ ساتھ مفردات کی لغوی ومعنوی تصریحات نہایت جانفشانی کے ساتھ بیان کی ہیں۔جن کے ذریعہ عام قارئین کے لیے بھی قرآن فہمی آسان ہوگئی ہے۔
- عصر حاضر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس منہج پر تحقیقات کی ضرورت ہے۔نئے محققین کو اس میدان میں ضرور پیش رفت کرنی چاہیے تاکہ مفرداتِ قرآنی کی بہتر سے بہتر تشریحات وتعبیرات سامنے آسکیں اوراس مجال میں بھی قرآن مجید کی خدمت ہوسکے۔

Bibliography

1. *Pīr Muḥammad Karam Shah Al-Azharī, Zia Al-Qurān, Zia Al-Qurān Publications, Lāhor, 1995.*
2. *Ālūsi, Shahāb Al-Dīn Maḥmūd, Rūh Al-Mā'anī, Dār Al-Ilam, Beirūt, 1433 Ah.*
3. *Rāghib Aṣfahānī, Al-MufradātFīGharīb Al-Qurān, Maktab Islāmī, Beirūt, 5 Ah.*
4. *ʿAbdullah BinʿUmar, Biẓāwī, Tafsīr Biẓāwī, Qadīmī Kutub Khānah, Karāchi, 1999.*
5. *Dr. Muḥammad HamāyūnʿAbāṣ Shams, Zia Al-Qurān: TʿAāruf, Manhaj, Wa Asloob, Monthly Zia Al-Ḥaram, Zia Al-Umat No.*
6. *Prof. Ḥāfi Aḥmad Bakhash, Jamāl-E-Karam, Zia Al-Qurān Publisher, Lāhor.*
7. *Muḥammad Bin Aḥmad, Qurṭabī Al-Jāmi' Al-Ahkām Al-Qurān, Dār Al-Kutab Al-Ilamīyah, 1430 Ah.*
8. *Fakhar Al-Dīn Muḥammad Bin ʿUmar, Rāzī, Mafātīḥ Al-Ghāib, Dār Al-ʿIlam, Beirūt, 1436 Ah.*

Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 18 -36

ماحولیاتی آلودگی کے معاشرتی اثرات: سیرت طیبہ کی روشنی میں رہنما اصول

Social Impact of Environmental Pollution: Guiding Principles in the Light of *Sīrah*

Syed Attaullah Bukhari *[1], Hafiz Muhammad Sani, (Ph.D)**

*Lecturer Cadet College Ghotki, Sindh
**Professor, Department of Islamic Studies, Federal Urdu University, Karachi.

Keywords:

Environment, Pollution, Threat, Guiding Principle, Prophetic *Sīrah*

Abstract: *Human has suffered at a large extent from the things manufactured by the other humans like a different kind of gases, atomic radiation, smoke exempted by vehicle and heavy machinery. As much as the human is developing the more complexities are engulfing around the earth. The more it develops the harder it is to live here. Nowadays we face a verity of problems like heat strokes, environmental pollution, global warming, floods and unexpected disasters. At this situation it is essential to find a solution of subject matter. This study aims to analyze the teaching and guiding principles in the light of Sīrah. We came to know that Holy Prophet (SAWW), many centuries ago informed us several ways of action in this regard. The holly Prophet restricted from spreading the dirt and waste materials all around. He told to avoid taking bath in stagnant ponds and culminate flowing water. He said use small amount of water even that you are having ablution wuḍū' at flowing stream. Our prophet ordered to plant trees, avoid cutting them if they are intact and providing fruit or shadow even if you are in the condition of war. Anything that harms the environment is forbidden in Islam. Summarizing all the debate it is said that Prophetic teachings and Life of Prophet peace be upon him is a complete encyclopedia of environment protection and security that stresses the protection of natural resources, forest resources, alimental resources and land resources.*

Bukhari, S. A. and Sani, H. M. (2020). Social Impact of Environmental Pollution Guiding Principles in the Light of *Sīrah*. *Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *18 - 36*

© 2020 AUJIS. All rights reserved

KAUJIE Classification: H57

JEL Classification: Q50, Q52, Q53

[1]Corresponding author, Email: syedatta4@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-ʻUlūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

دین اسلام واحد آفاقی مذہب ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے کے حوالے سے بنیادی تعلیمات پائی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اسے دین فطرت قرار دیا جاتا ہے، لیکن یہ دعویٰ صرف کہنے کی حد تک کافی نہیں بلکہ مزید تحقیق طلب ہے، کیوں کہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دعوے کو عقل و نقل کی بنیاد پر مضبوط دلائل کے ساتھ دنیا پر واضح کرے کہ واقعی اس وقت اگر ادیان سماویہ یا غیر سماویہ میں کوئی دین فطرت ہے تو صرف اسلام ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کے تناظر میں محسن انسانیت، ﷺ نے "تحفظ ماحول" کو باقاعدہ تحریک کے طور پر روشناس کرایا ہے، اور انسانی صحت کو ہر طرح کی بیماریوں سے اور ماحول کو ہر طرح کی آلودگی سے بچانے کے لئے سنہرے اقوال ارشاد فرمائے ہیں۔ دور حاضر میں دنیائے انسانیت، بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی جیسے مسئلے سے دوچار ہے، ماحولیاتی آلودگی کے پیش نظر دنیا بھر میں اس کے تحفظ کے لئے قانون سازی کی جارہی ہے، ماحول کو پہلی بار عالمی ایجنڈے میں 1972ء میں اقوام متحدہ کی انسانی ماحول پر منعقد کردہ کانفرنس کے بعد شامل کیا گیا تھا۔[1]

لفظ "ماحول" مرکب ہے "ما" اور "حول" کا، "حرف "ما" موصولہ ہے یعنی "جو کچھ" اور حول "اردگرد، یا "آس پاس" کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾[2]۔

(ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ بھڑکائی، پھر آگ نے اس کا اردگرد روشن کر دیا، تو اللہ نے چھین لی ان کی روشنی اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا وہ نہیں دیکھتے۔)

برصغیر پاک وہند کے مفسرین عظام جن میں، ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ **تفسیر الحسنات** میں، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ **کنز الایمان** میں، مولانا ابوالکلام آزادؒ **ترجمان القرآن** میں، رفعت اعجاز صاحبہ نے **مفہوم القرآن** میں، اس آیت میں لفظ "ماحول" کا ترجمہ "اردگرد" "آس پاس" کیا ہے۔ جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے آس

1۔ ش۔ فرخ، **ماحولیات قانون اور ہم** (لاہور: مشعل نیو گارڈن ٹاؤن، 1995ء)، ۱۶۔

2۔ القرآن ۲:۱۷۔

پاس، اور اس کے ارد گرد جو کچھ بھی ہے وہ "ماحول" ہے۔ جب کہ عربی ماحولیاتی اصطلاح میں ڈاکٹر عباد الرحمن کے مطابق لفظ "بیئۃ" استعمال کیا جاتا ہے۔"[3]

ماحول کے لئے انگریزی زبان میں Environment کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ قدیم فرانسیسی زبان کے لفظ Environne سے انگریزی زبان میں آیا جس کے معنی "گھیرنا" ہے، جرمنی زبان میں Umwelt، ہندی زبان میں Paryavaran، ہسپانوی زبان میں Medio ambiente، جاپانی زبان میں Kankyo اور عربی زبان میں "البیئۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔"[4]

قرآن کریم میں Environment کے بجائے "الارض" کی جامع اصطلاح استعمال کی گئی ہے، کسی بھی چیز کے نیچے مکان کو ارض کہا جاتا ہے، لہذا اسی ارض میں زمین کی سطح پر انسان کے ارد گرد پھیلے ہوئے حیاتی اور غیر حیاتی اجزاء، اور ارد گرد پھیلے ہوئے دیگر اجزاء شمس و قمر، سیارے، ستارے تمام اجرام سماوی شامل ہوتے ہیں۔ ماہرین ماحولیات، ماحول کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

(1) قدرتی ماحول (Natural Environment)

(2) مادی ماحول (Materialistic Environment)

قدرتی ماحول

قدرتی ماحول کی یوں تو بہت سی تعبیرات ہیں فرخ حسین خیلی اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

> " شروع شروع میں انسان کا ماحول مکمل طور پر قدرتی اشیاء پر مبنی تھا، مثلاً: پہاڑ، جنگل، ندی، نالے، سمندر، جنگلی جانور، آندھی، طوفان وغیرہ سب قدرتی ماحول کے زمرے میں داخل ہیں"۔[5]

3۔ مولوی طلحہ ادیپوری "کثافت اور ماحولیاتی آلودگی"، جامع علوم القرآن، فروری 2018، گجرات انڈیا، ۱۳۔

4۔ ڈاکٹر ہادی رضا، **ماحول کا تحفظ اسلامی قوانین کی روشنی میں** (علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2017)، 37۔

5۔ فرح حسین خاصخیلی، **ماحولیاتی تعلیم**، 19۔

مادی ماحول

جیسے جیسے ماہ و سال گزرتے رہے انسان نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے قدرتی ماحول میں دخل اندازی شروع کیا اور آج قدرتی ماحول پوری طرح تباہی کے دہانے کھڑا ہے مثلا:

> "جنگلات ختم کر کے بستیاں آباد کیں، درخت کاٹ کر اپنے لئے فرنیچر اور مختلف کاموں میں اس کا استعمال شروع کیا، جانوروں کا شکار کر کے ان کی خرید و فروخت شروع کی، پہاڑوں کو کاٹ کر اپنے لئے راستے تیار کئے، یوں انسانی تہذیب میں ترقی کے ساتھ ساتھ قدرتی ماحول میں انسان کی مداخلت بھی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی، چنانچہ قدرتی ماحول کے ساتھ ساتھ انسان کی اپنی بنائی ہوئی اشیاء بھی ماحول میں شامل ہوتی گئیں، لہذا سڑکیں، پل، صنعتیں وغیرہ سب مادی ماحول کے زمرے میں داخل ہیں۔"[6]

لفظ آلودگی

اردو لغت میں لفظ " آلودگی" کے معنی " ناپاکی، آلائش اور، گندگی ہے، اور عربی لغت میں لفظ " آلودگی" کو تلوث" کہا جاتا ہے، جو کہ " لوث " سے ماخوذ ہے، یعنی " خراب ہونا، ملاوت والا ہونا" کہا جاتا ہے: لُوِّثَ رأْسُه وجِلْدُه ہے۔[7]

اسی طرح یہ لفظ عربی کے مختلف محاوروں میں بھی استعمال ہوتا ہے، (لوث الماء أی کدره) پانی کو (آلودہ) یعنی گدلا کر دیا۔[8]

عربی میں ماحولیاتی آلودگی کے لیے "تلويث البيئة" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے اور انگریزی زبان میں آلودگی کے لئے " Pollution" اور ماحولیاتی آلودگی کو " Environmental Pollution" کہا گیا ہے۔

6۔ نفس مصدر۔

7۔ محمد بن احمد ازہری، تہذیب اللغة (بیروت :دار احياء التراث العربی، 2001م)، ۱۴:۲۸۳۔

8۔ زین الدین ابو عبد اللہ رازی، مختار الصحاح (بیروت: المکتبة العصرية، 1999)، ۲۸۶:۱۔

ماحولیاتی آلودگی کے انسانی معاشرے پر اثرات

I.P.C.C. نے جو کہ عالمی موحولیاتی تبدیلی پر عالمی ادارہ ہے، جس نے آلودگی کے متعلق رپورٹ جاری کی ہے گرین ہاؤس گیسوں (وہ گیس جن کے اخراج سے زمین کا درجہ حرارت غیر فطری طریقہ سے بڑھتا ہے) کے غیر معمولی اخراج سے زمین پر پچھلے 30 سالوں میں گذشتہ 1400 سالوں میں سب سے گرم سال تھے۔ اس کے نتیجہ میں موسمی غیر معمولی تبدیلیاں دیکھنے میں آرہی ہیں۔ سمندروں کی سطح پر درجۂ حرارت بڑھ رہا ہے، سمندروں کی تیزابیت نارمل سے %26 بڑھ چکی ہے، آرکٹک گلیشیر پر برفانی چادر %3.5 ہر دس سال کی شرح سے گھٹ رہی ہے، جس کے نتیجہ میں پانی کی کمی، فصلوں کی گھٹتی پیداوار، جانوروں، کیڑے مکوڑوں وغیرہ کی نابودگی اور سمندری ساحل کے آس پاس کے ملکوں اور آبادیوں کے زیرِ آب آنے کے خطرات اور امکانات بڑھ رہے ہیں[9]۔ ڈاکٹر رفیع الدین ناصر تحریر کرتے ہیں:

> "ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے نباتات، حیوانات، چھوٹے جانوروں، کیڑے مکوڑوں، پانی کے جانداروں کے ساتھ ساتھ ماحول پر بھی بہت خراب اثر ڈالا ہے جس کے نتیجے میں آدھے سے زیادہ قسم کے حیوانات اور نباتات ختم ہو چکے ہیں۔ اور جو موجود ہیں ان کا مستقبل بھی پریشانیوں سے گھرا ہوا ہے۔ ہوا، مٹی، پانی، آسمان میں، پیڑ پودوں میں، تمام کیمیائی اشیا میں نامناسب اجزاء مل گئے ہیں جس سے وہ اب اتنے فائدہ مند نہیں رہ گئے ہیں، جتنے کہ وہ پہلے ہوا کرتے تھے"[10]۔

ڈاکٹر جاوید احمد ماحولیاتی آلودگی کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> "جیسے جیسے معاشرے میں آبادی بڑھتی گئی اور لوگوں نے اپنی آسانی کے لئے نئی نئی تعمیرات شروع کردیں تو ایسے میں آبادی کے پھیلاؤ کے سبب آمدورفت کے لیے سواریوں کی ضرورت پیش آئی جس سے ایندھن کی کھپت کے اضافے نے ہوا کی آلودگی کو مزید بڑھادیا۔ اسی طرح نئے نئے اسکول، تعلیم گاہیں، اسپتال وغیرہ بھی بنانے پڑے جو کہ آج کے معاشرے کی اہم ضرورت ہیں۔ سائنسی انکشافات اور ایجادات کے غلط استعمال کی بدولت ان غیر ضروری چیزوں کو استعمال کرنے کا سماج عادی ہو گیا جن کے بغیر بھی کام چل سکتا تھا۔ روزگار کی عدم دستیابی اور شہری سہولتوں کی غیر مساوی تقسیم نے دیہی آبادی کو للچایا چنانچہ بڑے شہروں میں ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس

9۔ ڈاکٹر محمد اجمل فاروقی، " انسانیت کے حقیقی مسائل " ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، سہارن پور، (فروری 2015)، ۱۸۔

10۔ ڈاکٹر ناصر الدین، "ماحول اور موسمی تبدیلی" ماہنامہ اردو دنیا، (نومبر 2018)، ۶۳۔

منتقلی نے شہری منصوبہ بندی کو متاثر کیا۔ جھگی جھونپڑیاں تقریباً ہر بڑے شہر کا حصّہ بن گئیں جہاں نہ صرف مختلف بیماریوں، وباؤں کو پھیلنے پھولنے کا موقعہ ملا بلکہ جرائم اور سماجی خرابیوں کو بھی ایک اچھی پناہ گاہ ہاتھ آئی۔"[11]۔

تحفظ ماحول کا اسلامی نقطہ نظر

اسلام کی عالمگیر تعلیمات حفظان صحت اور حفظان ماحول پر مبنی نظر آتی ہیں، قران کریم میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾[12]

اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔ اور ہر قسم کی ناپاکی کو چھوڑ دیں۔ دراصل آپ ﷺ کے ذریعے تما انسانیت کو یہ حکم دیا جارہا ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر ناصر الدین اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

" جسم پر پہنایا جانے والا لباس پاک صاف ہو، اس میں کسی قسم کی نجاست نہ ہو، دھلا ہوا ہو، اس میں کسی طرح کی بدبو نہ ہو، اس میں کوئی عیب دار داغ نہ ہو، ان کپڑوں میں مکمل ظاہری اور باطنی نفاست اور طہارت کا خیال رکھا جائے، وہ گردوغبار اور کسی بھی قسم کی گندگی سے آلودہ نہ ہوں"[13]۔

تحفظ ماحول اور لفظ "فساد" کی جامعیت

بہت سے الفاظ کا محدود استعمال اکثر ان کی جامعیت ہماری نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے، ایسا ہی ایک لفظ " فساد" بھی ہے، جس کا مفہوم، عام معنوں میں جھگڑا، قتل وغارت گری تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ بارہا اور مختلف انداز میں آیا ہے، عربی لغت میں فساد کے معنی کچھ اس طرح بیان ہوئے ہیں:

"فَسَد الشيءُ: بَطَلَ واضْمَحَلّ، وَيكون بمعنَى تَغَيَّر"[14] (کسی چیز کا مضمحل ہو جانا، اس کا اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہنا۔)

11۔ ڈاکٹر جاوید احمد، **ماحول اور انسان** (نئی دہلی: گنج مطبع، 2005)، ۱۳۔

12۔ القرآن ۷۴:۴-۵۔

13۔ ڈاکٹر ابوالحسن الازہری، "اسلام کا نظام طہارت و نظافت" ماہنامہ دختران اسلام، لاہور، (مارچ 2016)، ۱۵۔

14۔ محمد بن عبد الرزاق الزبیدی، **تاج العروس** (بیروت: دار الهدایه، س ن)، ۸:۴۹۶۔

لحم فاسد اس گوشت کو کہتے ہیں جو گل سڑ کر بدبودار ہو گیا ہو اور کسی کام کا نہ رہا ہو۔ لفظ فساد قرآن کریم میں وسیع تر معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾[15]

(خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کی اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔)

اس آیت کے معانی کی وسعت اور عالمگیریت کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سعود عالم قاسمی فرماتے ہیں:

" اس آیت کا اہم مصداق ماحول بھی ہے جس کے لئے خاص طور پر زمین کے ساتھ ساتھ بحر یعنی دریا و سمندر کا تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی ماحول میں آلودگی کی فکر و خیال اور اعمال کی گندگی، بد اخلاقی اور کج روی کی وجہ سے بھی ہے اور قدرت کے عطیات کے غلط استعمال اور استحصال اور ان میں انسانی کثافتوں کی آمیزش کی وجہ سے بھی ہے۔"[16]

زمین پر فساد پھیلانے کی ممانعت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کے زمین پر فساد پھیلانے کو سخت ناپسند فرمایا ہے، اور فساد پھیلانے والوں کو سخت عذاب کا مستحق قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾[17]

(زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے-)

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

" ہر قسم کی فساد انگیزی سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ چشموں کو بند کرنا۔ نہروں کو توڑ پھوڑ دینا، باغات کو اکھاڑ دینا، کھیتوں کو اجاڑ دینا، کارخانوں کو برباد کر دینا۔ تجارت و صنعت میں دھوکہ بازی کرنا، حکومت وقت کے خلاف بلاوجہ سازشیں کرنا غرضیکہ ہر قسم کی تخریبی کاروائی جس سے ملک کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی متاثر ہو یا اس کے سیاسی استحکام کو نقصان پہنچے"۔[18]

15۔ القرآن ۳۰: ۴۱۔

16۔ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، **عصر حاضر میں اسوہ رسول ﷺ کی معنویت** (لاہور: مکتبہ جمال، 2008ء)، ۴۷۔

17۔ القرآن ۷:۵۶۔

18۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ۲:۳۹۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الفَسَادَ﴾[19]

(اور جب وہ تمہارے پاس سے دور ہوتے ہیں تو ان کی ساری بھاگ دوڑ اس لئے ہوتی ہے کہ زمین میں فساد مچائیں اور کھیتی اور نسل کو تباہ کریں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔)

تحفظِ ماحول اور سیرت النبی ﷺ کی جامعیت

کسی بھی انسان کا ارد گرد ماحول کی بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جن میں گھر، آبادیاں، بستیاں، مساجد، سڑکیں، عوامی پارکس، صنعتیں، دکانیں، مارکیٹس وغیرہ اور اسی سے خارج ہونے والی نقصان دہ ذرات اور مادے جو ہماری زمین میں پھیل کر آلودگی کا ذریعہ بنتی ہیں، یا ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقل ہونے کی صورت میں بیماریاں، جراثیم پھیلتے ہیں۔ آپ ﷺ نے صحتمند ماحول کی تشکیل کے لئے گھر کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک رکھنے کا حکم فرمایا۔

"إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الجُودَ، فَنَظِّفُوا، أُرَاهُ قَالَ، أَفْنِيَتَكُم-"

''اللہ طیب (پاک) ہے اور پاکی (صفائی وستھرائی) کو پسند کرتا ہے۔ اللہ مہربان ہے اور مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اور اللہ سخی وفیاض ہے اور جود وسخا کو پسند کرتا ہے، تو پاک وصاف رکھو۔ راوی کہتے ہیں (میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس سے آگے کہا) اپنے گھروں کے صحنوں اور گھروں کے سامنے کے میدانوں کو بھی پاک وصاف رکھو''۔

گھروں کے باہر کچرا پھینکنے کی ممانعت

اکثر آبادیوں میں مخصوص جگہ پر کچرا، گندی تھیلیاں، کپڑے، پیمپرز وغیرہ گھر کے باہر پھینکنا روزمرہ کا معمول بنتا جارہا ہے، ایسے معاملات آبادی میں جراثیم اور بیماریاں پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے آبادی میں ہر طرح کی تکلیف زدہ چیز پھینکنے کی ممانعت فرمادی، جس کے پیش نظر ہر پڑوسی اپنے پڑوسی کا خیال رکھے تو پوری آبادی پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہونگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[19]۔ القرآن ۲:۲۰۵۔

"من آذى المسلمين في طريقهم وجبت عليه اللعنة-"[20]

(جس نے مسلمانوں کو ان کے راستوں کے حوالے سے تکلیف دی وہ ان کی لعنت کا مستحق ہوا۔)

ایک روایت میں ہے:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالیَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ-"[21]

(جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے پڑوسی کو (کوئی) تکلیف نہ دے۔)

عوامی جگہ پر لعاب، پان، وغیرہ پھینکنے کی ممانعت

ڈاکٹر اسلم پرویز لکھتے ہیں:

"سڑکوں پر تھوکنا، ماحول کو آلودہ کرنا ہے، تھوک میں شامل جراثیم لوگوں کو متاثر کرسکتے ہیں، گٹکا اور اسی قبیل کی اشیاء استعمال کرنے والے اپنے تھوک میں شامل کیمیائی مادوں کو بھی باہر پھیلا کر عوام کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔[22]

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک امام مسجد کو دیوار مسجد پر بے احتیاطی کے ساتھ لعاب پھینکنے کی پاداش میں امامت سے معزول فرمادیا[23] اور دیوار مسجد پر لعاب کے آثار دیکھ کر آپ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا۔[24] لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ایسے عمل سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی تلقین کریں، تفریح کے مقامات کو پاک صاف رکھنا حفظانِ صحت کے اصول کے مطابق بھی ہے اور اس میں شائستگی کا اظہار بھی ہے۔

20- علاء الدین علی بن حسام، **کنز العمال**، كتاب الطهارة (بيروت : مؤسسة الرسالة، 1981)،۹:۳۶۵،رقم ۲۶۴۸۵

21- محمد بن اسماعیل بخاری، **الصحیح**، كتاب الأدب، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ (**بیروت**:دار طوق النجاة، 1422ھ)،۸:۱۰،رقم ۶۰۱۶۔

22- ڈاکٹر اسلم پرویز، ماحولیات سے متعلق چند ضروری امور بمناسبت چھبیسواں فقہی سیمینار (مدھیہ پردیش: اسلامک فقہ اکیڈمی، مارچ 2017)،۲۔

23- ابوداود سلیمان بن الاشعث، السنن (**بیروت**:المكتبة العصرية،صيدا-2014)۱:۱۸۱،رقم ۴۸۱۔

24- بخاری، **الصحیح**،۱:۱۵۹،رقم ۳۸۹۔

کھڑے پانی میں (سوئمنگ پول، تالاب) بول وبراز کی ممانعت

کھڑے پانی کی مختلف شکلیں ہیں جن میں تالاب، بلاک نہریں، سڑکوں پر برسات کا پانی، اور ایک شکل سوئمنگ پول، واٹر پارکس بھی ہیں، عہد نبوی ﷺ میں لوگ تالاب یا پھر کنویں کے پانی سے ہی اپنے کپڑے، پھل وغیرہ دھوتے اور

استعمال کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لاَ يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي المَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لاَ يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ-"[25]

(تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر اس میں غسل کرے۔)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ"۔[26]

(تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حالت میں کہ وہ جنبی ہو۔)

شیخ احمد دیدات ؒ اس کی مصلحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "طب شاہد ہے کہ جنابت کی حالت میں پسینہ بھی کثیف ہو جاتا ہے اور پسینہ سے جو میل کچیل جسم پر جم جاتا ہے اگر اس کو مل مل کر صاف نہ کیا جائے تو وہ موجب خارش وغیرہ ہوتا ہے، ایک جرمن مستشرق "جو اکیم دی یولف" کا قول نقل کرتے ہیں جس کا ماننا ہے "غسل اور وضو کے واجبات نہایت دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں"[27]۔

آلودہ ہاتھوں کو پانی میں ڈالنے کی ممانعت

25۔ نفس مصدر، ۱:۵۷، رقم ۲۳۹۔

26۔ مسلم بن الحجاج النیشاپوری، **الجامع الصحیح**، كِتَابِ الطَّهَارَةِ، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الَاغْتِسَالِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ (**بیروت**: دار احیاء التراث العربي)، ۱:۲۳۶، رقم ۲۸۳۔

27۔ شیخ احمد دیدات، **اسلامی نظام زندگی قرآن اور عصری سائنس کی روشنی میں** مترجم مصباح اکرم (**لاہور**: عبد اللہ اکیڈمی، 2010ء)، ۲۸۶۔

عصر حاضر میں ہاتھوں کو صاف رکھنے کی اہمیت سے کون واقف نہیں آج جب دنیا میں مختلف وبائی امراض (کروناوائرس) پھیل رہاہے، جس کی وجہ سے ہاتھوں کو مستقل طور پر صاف رکھنے کے لئے ہدایات جاری کی جارہی ہیں، انسان ہاتھوں کے ذریعے بہت سے کام لیتاہے، ماحول میں بکھرے بے شمار جراثیم ان ہاتھوں کی وجہ سے ہی جسم میں داخل ہوتے ہیں، اور روز مرہ کے استعمال کی اشیاء میں ہاتھ ڈالنے سے وہ جراثیم بھی ان اشیاء میں مل جاتے ہیں، جن سے آبی آلودگی کا خدشہ بڑھ جاتاہے۔

آپ ﷺ نے ہاتھوں کو پانی میں داخل کرنے سے پہلے انہیں اچھی طرح دھونے کا حکم فرمایاہے:

" اِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ، فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔"[28]

(جب کوئی شخص جاگے تو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھولے، کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔)

کروناوائرس، سی ڈیفسل جیسی جراثیم کے پیش نظر طبیب حضرات کا یہی کہناہے کہ ہر شخص چھینکتے، اور کھانستے وقت اپنی کہنی کو اپنے منہ پر رکھے، اللہ کے نبی ﷺ نے صفائی کے متعلق جو تعلیمات بیان فرمائی ہیں ان میں نہ صرف ہاتھ بلکہ کہنیوں کو بھی دھونے کا حکم ملتاہے اس طرح آپ ﷺ کی تعلیمات حفظان ماحول کے جدید اصولوں پر مبنی ہیں۔

فضا کو آلودہ کرنے کی ممانعت

تحفظ ماحول کے سلسلے میں سیرت طیبہ سے ملنے والے اہم نکات کسی خاص وطن و شہر کے لئے نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ کے اقوال رہتی دنیاتک کے لوگوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ہر ایسے عمل سے بچنے کی تلقین فرمائی جو فضامیں آلودگی کا سبب بنے، نبی رحمت ﷺ نے نماز باجماعت لوگوں کو جمع کرنے کے لئے اونچے مقام پر آگ روشن کرنے کا مشورہ مسترد فرمادیا:

"ذَكَرُوا أَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُونَهُ فَذَكَرُوا أَنْ يُنَوِّرُوا نَارًا۔" [29]

28۔ مسلم، الصحیح، ۱:۲۳۳، رقم ۲۷۸۔

(صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہمتذ کرہ کیا کہ لوگوں کو نماز کا وقت بتانے کے لئے کسی چیز کا تعین ہونا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے کہا: اس کے لئے آگ روشن کی جائے۔)

اگر نبی اکرم ﷺ آگ روشن کرنے کا مشورہ تسلیم کر لیتے تو اندازہ لگائیں دن میں پانچ بار آگ کے روشن ہونے سے فضائی آلودگی میں کس حد تک اضافہ ہو جاتا، آپ ﷺ نے اس عمل کو مسترد فرما کر فضا کو آلودہ ہونے سے بچالیا، اسی طرح مردہ کو جلانے سے بھی فضائی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے اور مردہ اجسام کو، پہاڑ یا اونچی جگہ پر رکھنے سے بدبو پھیلتی جس سے نہ صرف فضائی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ بے شمار جراثیم فضا میں پھیل جاتے ہیں، اسی لئے اسلام نے دفن کرنے کو فوقیت دی، اور فضا کو آلودگی سے بچانے کا نظام مہیا فرمایا۔

آپ ﷺ کی تعلیمات میں موٹر گاڑیوں کا دھواں، صنعتوں کا دھواں، اور گیس ہیٹرز وغیرہ بھی اس ضمن میں داخل ہیں جو فضائی آلودگی کا سبب بنتے ہیں لہذا آپ ﷺ نے بلاضرورت گھر میں جلنے والے چراغ گل کرنے کا حکم فرمایا:

"خَمِّرُوا الآنِيَةَ-"[30] (سونے سے قبل چراغوں کو بجھا دیا کرو۔)

حضرت جابرؓ سے مروی آپ نے فرمایا: "قَالَ: يَكْرَهُ السِّرَاجَ عِنْدَ الصُّبْحِ-"[31]

(آپ ﷺ صبح کے وقت چراغ جلانے کو ناپسند فرماتے تھے۔)

فضائی آلودگی کے نقصانات

دور حاضر میں صنعتی انقلاب نے زمینی اور فضائی آلودگی کو شدید متاثر کیا ہے۔ تیزی سے بڑھتا ہوا صنعتی عمل، بڑی مقدار میں فاسد مادوں کی پیداکاری، جنگلات کی کٹائی، پینے اور آبپاشی کے غیر معیاری پانی کی وجہ سے پاکستان کو نہایت گھمبیر ماحولیاتی مسائل کا سامنا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے سبب نئے نئے کارخانے اور صنعتی ادارے قائم ہو رہے ہیں۔ ان

29۔ نفس مصدر۔

30۔ بخاری، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابٌ: خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ فَوَاسِقُ، يُقْتَلْنَ فِي الحَرَمِ، 129:4۔

31۔ ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر، **مجمع الزوائد و منبع الفوائد**، کتاب الادب بَابُ النَّهْيِ عَنِ النَّظَرِ إِلَى الْكَوْكَبِ حِينَ يَنْقَضُّ (قاہرۃ: مكتبة القدسي، س ن)، ۸:۱۱۲، رقم ۱۳۲۵۴۔

صنعتی اداروں میں استعمال ہونے والے ایندھن کی وجہ سے ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح ان فاضل مادوں کے اخراج کی وجہ سے طبعی ماحول متاثر ہو رہا ہے۔

ان کے علاوہ تجارتی مراکز کا دھواں، گاڑیوں کا دھواں اور سیوریج کا گندا پانی فضائی اور آبی آلودگی کا باعث ہیں جن کی وجہ سے کاشت کاری اور فصلیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔ جب ان فصلوں سے حاصل کی جانے والی غذا انسانی جسم میں داخل ہوتی ہے تو یہ دھاتی اجزاء معدے، جگر اور گردوں کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح ماحول کو سموگ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے ماہرین کے مطابق موسم گرما جانے کے ساتھ ہی جب دھند بنتی ہے تو یہ فضا میں پہلے سے موجود آلودگی کے ساتھ مل کر اسموگ بنا دیتی ہے۔ اس دھویں میں کاربن مونو آکسائیڈ، نائٹروجن آکسائیڈ، میتھین اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسے زہریلے مواد شامل ہوتے ہیں۔ کیمیائی طور پر اس میں صنعتی فضائی مادے، گاڑیوں کا دھواں، کسی بھی چیز کے جلانے سے نکلنے والا دھواں مثلاً بھٹوں سے نکلنے والا دھواں شامل ہوتا ہے۔ اسموگ کی وجہ سے اوزون کی مقدار فضا میں خطرناک حد تک بڑھ جاتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے جب ہوا نہیں چلتی اور درجہ حرارت میں کمی یا دیگر موسمی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو آلودگی فضاء میں اوپر نہیں جاتی بلکہ زمین کے قریب ہی ایک تہہ بن جاتی ہے۔ امریکہ اور بہت سے ممالک نے سموگ میں کمی کے قوانین ترتیب دیے۔ کچھ قوانین فیکٹریوں میں خطرناک اور بے وقت دھوئیں، کے اخراج پر پابندی لگاتے ہیں۔ کچھ جگہوں پر فاضل مواد جیسا کہ پتے ضائع کرنے کے لیے مخصوص جگہیں بنائی گئی ہیں جہاں دھواں کم خطرناک ہو کر ہوا میں خارج ہو جاتا ہے۔

پچھلے چند سالوں سے پاکستان میں ماحولیاتی تبدیلیوں کے اثرات خطرناک صورتحال اختیار کر چکے ہیں، جس کے بڑے اسباب میں سے کچرہ کنڈی کا آبادی والے علاقوں میں قائم ہونا ہے۔ بلدیاتی سطح پر اس کا واحد حل کچرے کو کسی کھلے مقام پر پھینک دیا جانا ہے جہاں سے یہ انبار کی صورت اختیار کر کے ماحول کی تباہی کا سبب بنتا ہے، اسی طرح جلتا ہوا کچرہ اور فیکٹریوں سے اٹھنے والا دھواں، ماحول میں ہر جاندار کے لیے اور خاص کر ارد گرد میں رہنے والوں کے لئے زہر قاتل ہے۔

دنیا بھر میں ہر روز بلا مبالغہ لاکھوں ٹن کچرا ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں کچرے کی ری سائیکلنگ کے پلانٹس لگائے جارہے ہیں تاکہ کچرے کو نہ صرف تلف کیا جا سکے بلکہ اس کے کار آمد حصے اور اجزا کو کام میں لاتے ہوئے، ماحولیاتی آلودگی پر قابو پایا جا سکے، لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے ماحول کو گندگی سے پاک رکھنے کے لئے گندے پانی

اور کچرے سے ہونے والے نقصانات کا سدباب کیا جائے تاکہ ماحول خوشگوار ہو سکے اور لوگ مختلف بیماریوں سے بچ سکیں۔

شجرکاری کا فروغ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

فضائی آلودگی پر قابو پانے کے لئے ہم درختوں، پودوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ درخت ایک قدرتی فضائی فلٹر کا کام کرتے ہیں جس کے ذریعے ہوا کو صاف بنانا ممکن ہے۔

ماحول کو درست رکھنے میں درخت اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ جہاں درخت ماحول کی خوبصورتی کا سبب بنتے ہیں وہاں ہوا کو صاف رکھنے، طوفانوں کا زور کم کرنا، آبی کٹاؤ روکنے، آکسیجن میں اضافے اور آب و ہوا کے توازن برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ شجرکاری کو فروغ دینے کے لئے ایمان والوں پر شجرکاری کو صدقہ قرار دیا ہے:

"جو مسلمان دَرخت لگائے یا فَصل بوئے پھر اس میں سے جو پرندہ یا اِنسان یا چوپایا کھائے تو وہ اس کی طرف سے صَدَقہ شُمار ہو گا۔" [32]

آپ ﷺ نے شجرکاری کو اتنی اہمیت دی کہ اس عمل کو قیامت تک جاری رکھنے کا حکم فرمایا:

"إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَبِيَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لاَ يَقُومَ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَفْعَلْ۔" [33]

(اگر قیامت کی گھڑی آ جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہے اور وہ اس کو لگا سکتا ہے تو لگائے بغیر کھڑا نہ ہو۔")

درخت لگانے کے فوائد اور شجرکشی کے نقصانات

ہر سال بڑی تعداد میں جنگلات ختم کئے جا رہے ہیں رہائش، زراعت اور صنعت کے لئے جنگلات ختم کر دئے جاتے ہیں۔ جنگلات کا صفایہ ہونے سے وہاں بسنے والے نباتات اور حیوانات کی کم و بیش 80 فیصد انواع ناپید ہو جاتی ہیں۔ تبدیلئ آب و

32۔ بخاری، کتاب الحرث والمزارعة، باب فضل الزرع والغرس، ۲:۸۵، رقم ۲۳۲۰۔

33۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، مُسْنَدُ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ (بیروت: مؤسسة الرسالة، س ن)، ۲۹۶:۲۰، رقم: ۱۲۹۸۱۔

ہوا (کلائمیٹ چینج) میں حدّت ارضی (گلوبل وارمنگ) اہم رول ادا کرتی ہے۔ حدّت ارضی کا سب سے بڑا ذریعہ کاربن کا اخراج (Carbon Emission) ہے۔ جنگلات کی کٹائی (Deforestation) کاربن کے اخراج کے مینجمنٹ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مختلف ذرائع سے خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کاربن کا اخراج کہلاتی ہے۔ جنگلات میں موجود درخت اور پیڑ پودے اس کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرلیتے ہیں اور اس طرح فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کے تناسب کو کنٹرول میں رکھتے ہیں۔ لیکن جنگلات کی کٹائی کے نتیجے میں فضا میں اس گیس کا تناسب بڑھ جاتا ہے جو انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ لہذا صحت مند جنگلات کو بجا طور پر کاربن غرقابے (Carbon Sinks) کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے جنگلات اس کرۂ ارض کے پھیپھڑے (Lungs) ہیں۔ اسی طرح باغات شہروں کے پھیپھڑے ہیں۔

جنگلات سے ہمارا رشتہ

فی زمانہ فضائی آلودگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ سب سے اہم اور سب سے بڑا آلائندہ (Pollutant) ہے۔ نباتات کاربن ڈائی آکسائیڈ کا دورِ مکرّر (Recycling) کرتے ہیں۔ وہ پتوں کے ذریعہ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرکے آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ لہذا جنگلات کو کاربن کے غرقابے (Carbon Sinks) کہا جاتا ہے۔ جنگلات کا یہ سب سے بڑا فرضِ منصبی (Function) ہے۔ جنگلات آب و ہوا میں باقاعدگی پیدا کرتے ہیں، پانی کی صفائی کرتے ہیں، قدرتی آفات مثلاً سیلاب اور زلزلوں کی تباہ کاریوں میں تخفیف کرتے ہیں، تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ بے شمار پھل، پھول اور دوائیاں فراہم کرتے ہیں۔ جنگلات صدیوں سے ہمارے ساتھ دوستی نبھا رہے ہیں۔ وہ ہمارے مخلص اور انتہائی بھروسے مند دوست ہیں، بالکل انگریزی کی اس کہاوت کے مصداق "A friend in need is a friend indeed"

لیکن افسوس ہمیں دوستی نبھانا نہیں آیا۔ جنگلوں کے اور ہمارے رویوں میں کتنا بڑا تضاد ہے!

موجودہ دور کے تناظر میں پاکستان مختلف قسم کی آلودگیوں سے گھرا ہوا ہے اس کی سب سے بڑی وجوہات درختوں کی بے جا کٹائی کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے ماحول کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت پاکستان کے ساتھ ساتھ عوام پاکستان کو بھی ماحول کے تحفظ کے لئے بروقت اقدامات کی ضرورت ہے، فیملی پارکس، تعلیمی اداروں کے اطراف، کالونی، ہسپتال وغیرہ کے ارد گرد ایسے ماحول دوست درختوں کو لگایا جائے، اس اقدام سے نہ صرف شہر کی خوبصورتی دوبالا ہوگی بلکہ اہل مکین کو ایک صحت مند ماحول بھی فراہم ہوگا۔

خلاصہ بحث

رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات گرامی اہل ایمان کے لئے سرچشمہ ہدایت بھی ہے اور مرکز عشق و محبت بھی، معراج خیال بھی انہی کا پیغام ہے اور میزان عمل بھی انہی کی سنت و شریعت ہے، ان کا اسوہ ہر زمانے کے لوگوں کی قوت کا سرچشمہ رہا ہے اور قومی سیرت کی تشکیل و تعمیر کا بنیادی عنصر رہا ہے۔ یہ کائنات اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس میں رہنے والوں کے لئے نعمت ہے، لہٰذا اس میں رونما ہونے والے مسائل کا حل تنہا عقل انسانی نہیں کر سکتی، اس کے لئے وحی نبوت کی روشنی اور ہدایت کی ضرورت ہے اس کے بغیر انسان کو نہ انسانیت میسر آسکتی ہے اور نہ نظام کائنات میں توازن قائم ہو سکتا ہے، یہ وہ ناقابل تردید حقیقت ہے جس پر آج عقل انسانی بھی مہر تصدیق ثبت کر چکی ہے، جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے وحی نبوت کی حقیقتیں اور صداقتیں روشن ہو جاتی ہیں۔ آج دنیا ماحولیاتی آلودگی جیسے مسائل سے دوچار ہے، مغربی اقوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ماحول کے دائمی تحفظ کا تصور ان کے ذہن کی اختراع ہے جو کہ بے بنیاد تصور ہے، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، ہادی عالم ﷺ نے 1400 سال پہلے ماحولیاتی آلودگی کے خاتمے کے لئے اپنی ہدایات دنیا کے سامنے پیش کیں، آپ ﷺ نے اس مسئلے کی اہمیت کو اس وقت سمجھا جب دنیا ماحولیاتی آلودگی کے نام سے اور اس کے تباہ کن اثرات سے بھی واقف نہ تھی، اس وقت آپ ﷺ نے نسل انسانی کی صحت مند بقا کے لئے ہدایات دیں، آج دنیا وبائی امراض سے بچنے کے لئے صاف ستھرا رہنے کو اہمیت دے رہی ہے جب کہ آپ ﷺ نے بدن کی نظافت و طہارت کے لئے غسل اور وضو، لباس و جسم کی نظافت، مکان اور راستوں کی صفائی ستھرائی کے لئے مستقل تعلیمات پیش کی ہیں، دنیائے مفکرین ذرا بھی عقل و سمجھ اور طلب کی صداقت رکھتے ہیں تو وہ اس حقیقت کو پالیں گے کہ آپ ﷺ کے تمام معاملات اور طرز عمل ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور آپ کی تعلیم ہی کے سانچے میں ڈھل کر ہم نظام کائنات کو بہتر کر بنا کر صحتمند اور خوشگوار ماحول تشکیل دے سکتے ہیں۔

تجاویز

- گھر اور ماحول کو پاک و صاف رکھنے کے لئے اپنے گھروں کو ایسے آلات سے بچایا جائے جو آلودگی پھیلانے کا ذریعہ بنیں۔
- آبادی میں کوڑا کرکٹ، پھینکنے سے روکنے اور بول و براز کرنے روکنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔
- آبادی میں زیادہ دنوں تک گندہ پانی ٹھہرنا بھی ماحول کو سخت نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے لہٰذا آبادی میں پانی کو نہ ٹھہرنے دیا جائے کہ جراثیم جنم لیں۔

- مساجد کے امام و خطیب صاحبان اپنے خطابات میں ماحولیاتی آلودگی اور اس کے تحفظ پر مہینے میں ایک بار ضرور خطاب فرمائیں تاکہ صحتمند معاشرہ تشکیل پاسکے۔
- اسکول، کالجز، مدارس دینیہ، خانقاہیں، مساجد، اور ہر عوامی جگہ کے ماحول کو ساف ستھرا رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔
- اسکول، کالجز، مدارس دینیہ اور تماتر تعلیمی اداروں کے طلباء اپنے ماحول کو صاف ستھرا بنانے کے لئے بھی کردار ادا کرسکتے ہیں لہذا اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اداروں میں ایسے پروگرامز کا انعقاد کروائیں جن سے ماحول کو صاف ستھرا بنانے کا پیغام لوگوں تک پہنچے۔
- گھروں میں خواتین کو چاہیے بلاضرورت چولھے کو یا لکڑیوں کو نہ جلنے دیں کہ فضائی آلودگی بڑھنے کا خدشہ ہے۔
- گاڑی مالکان، ماحول کو فضائی آلودگی سے بچانے کے لئے گاڑیوں کے انجن کی صفائی وقت پر کروائیں تاکہ ماحول میں کالے اور بدبودار دھویں کے پھیلاؤ کو روکا جاسکے۔
- کوڑا کرکٹ اور دیگر فالتو اشیا کو جلانے کے بجائے اس کو مناسب انداز سے سنبھالنے کا اہتمام کیا جانا چاہئیے۔

Bibliography

1. *Al-Qurʾān.*
2. *Abū Al-Ḥasan Nūr Al-Dīnʿ Alī Bin Abī Bakar, Majmaʿ Al-Zawāid Wa Manbaʿ Al-Fawāid, Maktabah Al-Qudsī,Qāhirah.*
3. *Abū Daūd Sulimān Bin Al-Ash'ath, Sunan Ibni Abi Dāūd, Al-Maktabah Al-Aṣrīah, Beirūt.*
4. *Abū Muḥammad Al-Ḥussain Bin Mas'ūd, Sharaḥ Al-Sunah Lil-Baghwī, Al-Maktab Al-Islamī, Damishaq, Beirūt.*
5. *Aḥmad Bin Ḥanbal, Musnad Aḥmad, Muasisah Al-Risālah.*
6. *ʿAlā Al-Dīn ʿAlī Bin Ḥasām, Kanz Al-ʿUmāl, Muasisah Al-Risālah.*
7. *Dr. Abū Al-Ḥasan Al-Azharī, Islām Kā Niẓām-E-Ṭahrat Wa Naẓafat, Mahānah Dutharān-E-Islam, March 2016.*
8. *Dr. Aslam Pervaiz, Maholīyāt Se Mutlaq Chand Ḍrorī Amūr Bamnāsibat 26th Fiqhī Semīnar, Islamic Jurisprudence Academy India.*
9. *Dr. Jāvaed Akhtar, Māhūl Or Insān.*
10. *Dr. Muḥammad Saʿūd Ālim Qāsmī, ʿAsar-E-Ḥaḍir Min Aswah-E-Rasūl Kī MʿAnwīyat, Maktabah Jamāl, 2008.*
11. *Dr. Nāsir Al-Dīn, Māhol Or Mosmī Tabdīlī, Mahināmah, Urdu Dunīā November 2018.*
12. *FarḥḤussain Khāṣkhīlī, Māholīātī Tālīm.*
13. *Fārūqī, Dr. Muḥammad Ajmal Fārūqī, Insānīat K Ḥaqīqī Masāil, Mahināmah, Dār Al-ʿŪlūm Dīoband.*
14. *MulvīṬalah Adīpūrī, Kathāfat MāholīātīĀlūdgī, JamiʿŪlūm Al-Qurān,2018.*
15. *Muḥammad Bin Abd Al-Razāq Al-Zubaidī, Taj Al-ʿArūs, Dār Al-Hadayah.*
16. *Muḥammad Bin Ismāīl Bukharī, Ṣaḥīḥ Al-Bukhārī, Dār Ṭuq Al-Najāah.*

17. *Muḥammad Bin Aḥmad Al-Azharī, Tahdhīb Al-Lughah, Dār Akhyā Al-Turath Al-Arbī, Beirūt 2001.*
18. *Muḥammad Bin ʿĪsā Al-Tirmidhī, Jami' Al-Tirmidhī, Dār Al-Gharbī Al-Islāmī, Beirūt.*
19. *Muslim Bin Al-Ḥajāj Al-Nishapūrī, Ṣaḥīḥ Muslim, Dār Akhyā Al-Turath Al-Arbī, Beirūt.*
20. *Pīr Karam Shāh Al-Azharī, Tafsīr Zia Al-Qurān, Zia Al-Qurān Publishers.*
21. *Sheikh Aḥmad Dīdāt, Islamī Niẓam-E-Zindagī Qurān And ʿAṣrī Science Kī Rūshnī Min, ʿAbdullah Academy Lāhor.*
22. *Zain Al-Dīn Abū ʿAbdullah Al-Razī, Mukhtār Al- Ṣaḥīḥ, Al-Maktabah Al-Aṣrīah, Beirūt.*

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 37 - 68

غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں لفظ "مدینہ" (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

The Word "*Madīnah*" in the Prose of non-Muslims Poets (An Analytical Study)

Muhammad Ahmad Naeemi, Ph.D*[1]

*Assistant Prof. Department of Islamic Studies,
Jamia Hamdard (Hamdard University), New Delhi, India.

Keywords:

Non-Muslims, Prose, Poets, *Madīnah*, *Na't*

Abstract: *The Prophet Muhammad (PBUH) was sent to all human beings by Allah Almighty to deliver guidance for the promotion of humanity. With the acceptance of 'Imān, people adopted to compile or sing Na't (poetry) to express their love with the Prophet Muhammad (SAWW). On the other hand, those who have not accepted Islam but they used to sing Na't, this is also part of Islamic history. Therefore, such work needs to highlight in the research paradigm keeping it new awareness in academia. There is a list of non-Muslim poets in India who have compiled a lot of work in prose for Prophet Muhammad (SAWW) and his teachings related to him, especially for his city of Madīnah, as a part of their Na't. In this poetry, such non-Muslim poets highlighted the Madīnah for special devotion with the Muhammad (SAWW) as his city. This research will present a descriptive study on the appropriateness of the usage of this word Madīnah. The study analyzes this title among non-Muslims about time and era from all over the world, especially in*

Naeemi, M. A. (2020). The Word "*Madīnah*" in the Prose of non-Muslims Poets (An Analytical Study). *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *37 - 68*

© 2020 AUJIS. All rights reserved

1. Email: manaeemi@jamiahamdard.ac.in

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہوا اور مسلم شعراء کی طرح انہوں نے بھی عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے حضور اکرم ﷺ کی نعت کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ البتہ 1857 کی جنگِ آزادی کے بعد اس میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہوا۔ مخلوط معاشرے میں اگرچہ ہندو مسلم تعلقات میں کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کی تہذیب و تمدن میں واضح اختلاف رہا، اس کے باوجود اہلِ فکر و قلم کے حلقوں میں رواداری کی ایک انوکھی فضا ملتی ہے۔

چوں کہ پیغمبر اسلام کل عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔ آپ نے ہر ایک کے لیے رحمت کا مظاہرہ کیا اور سب کے لیے رحم و کرم کا درس دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں دنیا کے تمام ادیان و مذاہب اور اقوام کے اہل علم و دانش، اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وطنِ عزیز ہندوستان[1] کی غیر مسلم برادری میں بھی رحمت عالم ﷺ کے شیدائی پائے جاتے ہیں۔ ان کے کلام میں نہ صرف محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں سے متعلق اظہارِ عقیدت و محبت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کے شہر "مدینہ منورہ" کی بھی بڑے حسین اور دلکش پیرائے میں تعریف و توصیف ملتی ہے۔

ہندوستان میں ایسے غیر مسلم نعت گو شعرا کی ایک طویل فہرست ہے [2] جنھوں نے رحمت عالم ﷺ اور آپ سے متعلق اشیا اور تعلیمات، بالخصوص آپ ﷺ کے شہر "مدینہ منورہ" کو اپنی نعتیہ شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ اس میں ایسے چند غیر مسلم نعت گو شعرا کے لفظ مدینہ کے استعمال کی مناسبت سے وصفی تحقیق پیش کریں گے۔ اس سے قبل اس طرح کا کام کسی کتاب یا تحقیقی مقالے میں یک جا نہیں ملتا۔ اس مقالے کے دو حصے ہیں پہلا حصہ تعارف اور تمہید پر مشتمل ہو گا جس میں مدینہ منورہ اور اس کی شہرت کے سبب یعنی محمد ﷺ کا مختصر تعارف ہو گا جن کی تعریف اپنے اور بیگانے سب کرنے پر مجبور ہیں۔ دوسرے حصے میں غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام میں لفظ مدینہ کے استعمال پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ذیل میں محمد ﷺ کی قبولیت عامہ کے بارے میں تحقیقات پیش کی جا رہی ہیں اس کے بعد "مدینہ منورہ" اور اس کی برتری اور آخر میں غیر مسلم شعرا کے کلام میں لفظ "مدینہ" کے استعمال کو تحقیق کے آئینے میں پرکھا جائے گا۔

[1] ۔ مقالہ نگار کا تعلق ہندوستان سے ہے اس لیے اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایڈیٹر

[2] ۔ بابو شنبھو دیال دانش کی مشہور نظم "اخلاقِ محمدی" جس میں آپ ﷺ کی ہمت و بہادری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، پربھو دیال مشر کا منظوم کلام **"نعتِ عاشق"**، منشی شنکر لال ساقی کا **"معراج نامہ"** ، **لالہ لال چند فلک اور پیغمبر اسلام کے ذریعے اونچ نیچ کا خاتمہ**، لکشمی نارائن شفیق اورنگ آبادی کا منظوم معراج نامہ، پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا مشہور کلام **"سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر"** ، رانا بھگوان داس بھگوان کا سلام **"السلام اے خسروِ نورانیاں"** ، ہمت رائے شرما کی نظم **"عید میلاد بانیٔ اسلام"**، گوپی ناتھ امن لکھنوی کا **"بر تو ہزاراں سلام"**، رام داس مشرا، کا نعتیہ قصیدہ جس میں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور ودیانند پرشاد کا بزبان ہندی جنم گیت وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ راقم۔

مکینِ "مدینہ منورہ" محمد مصطفی ﷺ

مکین اور مکان دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم اور ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ مکین کا ذکر ہو اور مکان کا ذکر نہ ہو۔ نیز مکین کی عظمت و رفعت کے سبب مکان کی عظمت و رفعت بھی بلند و بالا ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت اور عقیدت سے معمور تصور کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے، ہم گنبدِ خضریٰ کے مکین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، راحت العاشقین اور محبوبِ رب العالمین حضرت محمد ﷺ کے اجمالی ذکر سے سعادتِ دارین حاصل کریں گے اور اس کے بعد آپ کے بابرکت مسکن اور بے مثال مرکز "مدینہ منورہ" کے مبارک بیان سے خود کو شرف یاب کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

اسم محمد ﷺ تحقیق کے آئینے میں

آقا دو جہاں، سرورِ کونین ﷺ کا اسمِ گرامی، زمین پر "محمد" اور آسمان پر "احمد" ہے، جس طرح رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اَعلی، اَرفع اور ممتاز ہے، ایسے ہی آپ ﷺ کا نام نامی، اسم گرامی بھی اَعلی، اَرفع اور ممتاز ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کے لیے ساری مخلوق میں محبوبیت رکھ دی ہے، ایسے ہی آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کی محبوبیت بھی سب کے دلوں میں پیدا فرمادی ہے، جیسے حضور ﷺ کی ذات منبعِ فیوض و برکات ہے، ایسے ہی اس پاک نام کی برکات کھلی آنکھوں نظر آتی ہیں، جیسے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے متعلق بے شمار کتابیں تصنیف ہوئیں، ایسے ہی فقط اسمِ گرامی «محمد» کی عظمت و محبوبیت پر بھی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ہمارے محبوب ﷺ کی حیات کا تو ہر گوشہ وپہلو بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ جس چیز کا بھی تعلق جڑا، اللہ تعالیٰ نے اسے کائنات کے لیے محبوب بنادیا، نامِ محمد بھی عاشقوں کی جان ہے اور وہ اس نام میں سرور و خوشی، لذت و شیرینی محسوس کرتے ہیں۔

جیسے سیرت اور اخلاق و کردارِ مصطفیٰ ﷺ اَپنا کر بے شمار لوگوں نے دونوں جہانوں کی سعادتیں لوٹیں، ایسے ہی اَن گنت عشاق نے اسمِ گرامی سے والہانہ الفت و محبت کی مثالیں قائم کیں، بہت سوں نے نام محمد سے الفت و محبت کا اظہار بایں طور کیا کہ ان کی نظروں میں نسل در نسل اپنی اولاد کے لیے سوائے اس پاک نام کے کوئی جچا ہی نہیں، کسی کی چار پشتوں میں اور کسی کی سترہ نسلوں میں ایک ہی نام چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ کے سیکڑوں اسمائے گرامی قرآن

واحادیث اور تفاسیر و سیر میں مرقوم ہیں۔ جن میں سے محمد اور احمد سب سے مشہور ہیں۔ قرآن کریم میں نامِ محمد چار بار اور احمد ایک بار آیا ہے[3]۔

سیرۃ حلبیہ میں مرقوم ہے:

"جب حضرت آمنہ کے شکمِ مبارک میں نبیٔ اکرم ﷺ حمل کی صورت میں تھے تو ان کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ آپ کا نامِ نامی احمد رکھیں (یعنی اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) لیکن ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ کا نام محمد ﷺ رکھیں۔ (یعنی وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)۔[4]

ان دو ذاتی اسماء کے علاوہ بہت سے القاب اور صفاتی اسماء بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مثلاً:

۱-نور ۲-سراج منیر ۳-منذر ۴-نذیر ۵-مبشر ۶-بشیر ۷-شاہد ۸-شہید ۹-الحق المبین ۱۰-خاتم النبیین ۱۱-الرؤف الرحیم ۱۲-الامین ۱۳- قدم الصدق ۱۴- رحمۃ اللعالمین ۱۵- نعمۃ اللہ ۱۶-العروۃ الوثقیٰ ۱۷-الصراط المستقیم ۱۸-النجم الثاقب ۱۹-الکریم ۲۰-النبی الامی ۲۱- داعی الی اللہ ۲۲- ہادی ۲۳-مذکر ۲۴-رسول وغیرہ۔[5]

اسی طرح مختلف احادیث میں بھی نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے صفاتی اور امتیازی اسماء بیان کئے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

---

[3]۔ ۱۔ {وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ} (اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک پیغمبر ہی تو ہیں) یعنی خدا نہیں ہیں۔ (القرآن ۳:۱۴۴)۔
۲۔ {ما كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی سلسلۂ نبوت کو ختم کر دینے والے ہیں۔ (القرآن ۳۳:۴۰)۔
۳۔ {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ} اور جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کرتے رہے اور جو کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی (القرآن ۴۷:۲)۔
۴۔ {مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ} محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ اِن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دِل۔ (القرآن ۴۸:۲۹)۔
۵۔ {وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ}۔ ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد (ﷺ) ہو گا، اُن کی بشارت سناتا ہوں۔ (القرآن ۶۱:۶)۔

[4]۔ علی ابن برہان الدین حلبی، السیرۃ الحلبیۃ (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء)، ۱:۲۵۶-۲۵۵۔

[5]۔ محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (اردو) (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ۱:۲۲۔

"أَنَا رَسُولُ الرحْمَةِ وَرَسُولُ الرَّاحَةِ وَرَسُولُ الْمَلاحِمِ وَأَنَا الْمُقَفِّي قَفَّيْتُ النَّبِيّينَ وَأَنَا قَيِّمٌ - "[6]

(میں رسول رحمت ہوں، میں رسول راحت ہوں، میں جہاد کا پیغام بر ہوں، میں خاتم الانبیاء ہوں اور روئے زمین پر دین الٰہی کو قائم کرنے والا ہوں۔)

چوں کہ نام " محمد " اللہ تعالی کو محبوب ہے اس لئے آپ ﷺ نے "محمد" نام رکھنے کی خود اجازت عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"سمّوا بإسمي، ولا تكنوا بكنيتي-"[7]. یعنی میرے نام پر نام رکھو، البتہ میری کنیت اختیار نہ کرو۔

آپ ﷺ نے بھی کئی بچوں کا نام "محمد" رکھا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب نومولود بچے لائے جاتے تھے تو آپ ﷺ تحنیک (گھٹی) کے بعد ان کا نام بھی تجویز فرماتے، چناں چہ ان میں سے کئی بچوں کا نام آپ ﷺ نے "محمد" رکھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا معمول تھا کہ نو مسلموں میں سے بھی اگر کسی کا نام صحیح نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کا نام تبدیل فرمادیتے، وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں جن کا نام حضور اکرم ﷺ نے "محمد" رکھا، یا حضور ﷺ کے حکم سے ان کا نام "محمد" رکھا گیا، ان کے اسماء یہ ہیں۔ محمد بن خلیفہ، محمد (مولی رسول اللہ ﷺ)، محمد بن طلحہ، محمد بن نبیط، محمد بن عباس بن فضلۃ، محمد بن انس بن فضالۃ الانصاری، محمد بن مخلد بن سحیم، محمد بن یفدیدویہ، محمد بن ہلال بن العلیٰ، محمد بن معمر، محمد بن ضمرۃ بن الاسود، محمد بن عمارۃ بن حزم، محمد بن ثابت، محمد بن عمرو بن حزم وغیرہ۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کو "محمد "نام رکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"ما ضر أحدكم لو كان في بيته محمد ومحمدان وثلاثة".[8]

---

[6]۔ ابو الفضل قاضی عیاض بن موسیٰ (المتوفی:۵۴۴ھ) **الشفا بتعريف حقوق المصطفى** (**بيروت:** دار الفكر الطباعة والنشر والتوزيع، ۱۹۸۸م)، ۱:۱-۲۳۱۔

[7]۔ مسلم بن الحجاج ابو الحسن قشیری نیساپوری (المتوفی:۲۶۱ھ)**المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم**، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي، کتاب الآداب، بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّكَنِّي بِأَبِي الْقَاسِمِ وَبَيَانِ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَسْمَاءِ، (**بيروت:**دار إحياء التراث العربي–)۳:۱۶۸۲۔

[8]۔ زین الدین محمد بن زین العابدین مناوی قاہری (المتوفی:۱۰۳۱ھ)، **فيض القدير شرح الجامع الصغير** (مصر:المكتبة التجارية الكبرى -الطبعة: الأولى،۱۳۵۶ھ)،۵:۴۵۳، حرف المیم۔

"تم میں سے کسی کا کیا نقصان ہے (یعنی کوئی نقصان نہیں) اس بات میں کہ اس کے گھر میں ایک، دو یا تین محمد (نام والے) ہوں" ۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سمعت أهل مكة يقولون: ما من بيت فيه اسم محمد إلا نمى ورزقوا ورزق جيرانهم"[9].

(میں نے اہلِ مکہ سے سنا ہے کہ جس گھر میں "محمد" نام والا ہو تو اس کی وجہ سے ان کو اور ان کے پڑوسیوں کو رزق دیا جاتا ہے۔)

حدیث شریف میں "عبد اللہ" اور "عبد الرحمن" نام رکھنے کی ترغیب بھی آئی ہے، ان دو ناموں کو اللہ کے نزدیک سب سے محبوب نام بتایا گیا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں سب سے محبوب نام کون سا ہے؟ لکھتے ہیں:

"قال المناوي: وتفضيل التسمية بهما محمول على من أراد التسمي بالعبودية؛ لأنهم كانوا يسمون عبد شمس وعبد الدار، فلا ينافي أن اسم محمد وأحمد أحب إلى الله تعالى من جميع الأسماء، فإنه لم يختر لنبيه إلا ما هو أحب إليه، هذا هو الصواب، ولا يجوز حمله على الإطلاق اهـ. وورد: «من ولد له مولود فسماه محمداً كان هو ومولوده في الجنة». رواه ابن عساكر عن أمامة رفعه قال السيوطي: هذا أمثل حديث ورد في هذا الباب وإسناده حسن اهـ".[10]

(علامہ مناوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "عبد اللہ" اور "عبد الرحمن" ناموں کا افضل ہونا "عبد" سے شروع ہونے والے ناموں کے اعتبار سے ہے؛ کیوں کہ عرب لوگ "عبد شمس" اور عبد دار" وغیرہ نام رکھا کرتے تھے تو یہ حکم ہوا کہ "عبد اللہ" اور "عبد الرحمن" نام رکھا کرو، اب یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناموں میں سے سب سے محبوب نام "محمد" اور "احمد" ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کے لیے وہی نام پسند کیے جو ان کے ہاں سب سے محبوب ہیں۔)

---

[9]۔ قاضی عیاض، **الشفاء**، 1:176۔

[10]۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین دمشقی (م:1252ھ)، **رد المحتار على الدر المختار** (بیروت: دار الفکر، الطبعة: الثانية، 1412ھ–1992م)، 6:417۔

مسلم اہلِ علم و دانش اور نامِ محمد ﷺ

نام پاک محمد اور احمد کا مادہ حمد ہے اور حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ، کمالاتِ جمیلہ اور فضائل و محاسن کو محبت و عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں لکھا ہے:

> " اسمِ پاک محمد بابِ تفعیل کے مصدر تحمید کا اسمِ مفعول ہے جس کا مطلب ہے تمام صفاتِ خیر اور اوصافِ حمیدہ کا جامع یا وہ ذات بابرکات جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات، اور اصل محامد کو عقیدت و محبت کے ساتھ بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے"۔[11]

امام راغب اصفہانی اسم "محمد" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "محمد اسے کہتے ہیں جس کی قابلِ تعریف عادات حد اور شمار سے زیادہ ہوں"۔[12]

امام زرقانی کہتے ہیں:

> "اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی تعریف کیے جانے کی کوئی حد نہ ہو"۔[13]

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

> "آپ کا اسمِ گرامی احمد یہ افعل کے وزن پر اسمِ تفضیل ہے جو حمد کا مبالغہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ یا سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ اور محمد یہ مُفَعَّل کے وزن پر (بحالتِ مفعول) مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کا مفہوم ہے بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا یا سب سے زیادہ تعریف کیا گیا"۔[14]

مشہور عربی لغت لسان العرب کے مصنف ابن منظور لکھتے ہیں:

> "محمد اس کو کہتے ہیں کہ جس کی لائق تحسین عادات و صفات حد اور شمار سے زیادہ ہوں"۔[15]

---

[11]۔ **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء)، ۱۹: ۱۴۔

[12]۔ ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفھانی (المتوفی: 502ھ)، **المفردات في غريب القرآن**، تحقیق: صفوان عدنان الداودي (بیروت۔ لبنان: الدار الشامیہ، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۳۱۔

[13]۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقي بن یوسف بن حمد بن شھاب الدین بن محمد الزرقاني المالكي (المتوفی: 1122ھ)، **شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية** (بیروت: دار الکتب العلمیہ: 1417ھ-1996م)، ۴: ۲۳۱۔

[14]۔ ابو الفضل القاضي عياض بن موسیٰ (المتوفی: 544ھ)، **الشفا**، ۱: ۳۴۹۔

لفظ محمد کے معنی میں کثرت اور زیادتی پائی جاتی ہے یعنی محمد صرف اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے اور یہ تعریف ان خوبیوں اور بلند اوصاف کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس ذات میں پائی جاتی ہیں۔

قرآن و حدیث اور کتب تفسیر و سیرت کے مطابق نبیٔ اکرم ﷺ کے سیکڑوں ذاتی و صفاتی اسماء گرامی ہیں۔ اور یہ جملہ اسماء گرامی ان اعلیٰ صفات اور بے مثال خوبیوں سے مزیّن و مرتب ہیں جو آپ کی ذاتِ اقدس میں پائی جاتی تھیں اور جن صفات کی وجہ سے آپ کی تعریف و توصیف کرنا لازمی ہوتا ہے اور آپ کا کامل ترین انسان ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ہر وصف اور ہر خوبی سے آپ کا ایک نام وجود پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے معروف و مستند علما نے آپ کے سیکڑوں اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً:

☆ امام قسطلانی نے ۳۴۷/ اسماء بیان کیے ہیں۔[16]

☆ امام جلال الدین سیوطی نے ۳۴۰/ نام کا تذکرہ کیا ہے۔[17]

☆ امام صالحی نے ۷۵۴/ اسماء کا ذکر کیا ہے۔[18]

☆ ابنِ فارس نے ۲۰۰۰/ انام بیان کیے ہیں۔[19]

☆ قاضی ابو بکر بن عربی نے **جامع الترمذی** کی شرح میں بعض صوفیا سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی ایک ہزار اسماء ہیں۔[20]

---

[15]۔ ابن منظور، محمد بن مکرم ابن منظور افریقی (المتوفی: 711ھ)، لسان العرب (**بیروت**: دار صادر، 1414ھ)، مادہ: ح م د۔

[16]۔ احمد بن محمد قسطلانی، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية (**قاہرہ**: المکتب الاسلامی، ۲۰۰۴ء، ۲: ۱۱ تا ۲۱۔

[17]۔ جلال الدین سیوطی، الرياض الأنيقة فى شرح أسماء خير الخليقة (**بیروت**– لبنان، دار الکتب العلمیة، ۱۹۸۵م– ۱۴۰۵ء)، ص ۳۵۹۔

[18]۔ محمد بن یوسف صالحی شامی (المتوفی: ۹۴۲ھ) تحقیق و تعلیق: شیخ عادل احمد عبد الموجود، شیخ علي محمد معوض، سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد (قاہرہ: احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۴۰۷ تا ۵۳۷۔

[19]۔ احمد بن محمد عمر خفاجی، تحقیق: محمد عبد القادر عطا بنِ فارس، نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض (**بیروت۔ لبنان**: دار الکتاب العلمیة، ۱۴۲۱ھ – ۲۰۰۱ء)، ۳: ۴۲۱۔

[20]۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری، **اسمائے مصطفی ﷺ** (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۷۔

غیر مسلم اہلِ علم و دانش اور نامِ محمد ﷺ

عہد موسوی کے 300 سال بعد یعنی آج سے کوئی 3000 سال پہلے ہندو دھرم کی مقدس کتاب وید میں اسلام کے آخری پیغمبر محمد ﷺ کی آمد کا ذکر اس طرح ملتا ہے:

> "احمد" نے اپنے رب سے پُر حکمت شریعت کو حاصل کیا جسے دیکھتے وقت میں (گرشی وست کنو) آفتابِ رسالت کے نور سے منور ہو رہا ہوں۔[21]

ڈاکٹر ذاکر نائیک لکھتے ہیں:

> " آپ ﷺ کا ذکر ان کی مقدس کتب؛ **بھگود گیتا، وید، پرانا** اور **اُپنشد** وغیرہ میں کیا گیا ہے کہ "کالکی اوتار" آئے گا۔ کالکی سنسکرت لفظ ہے جس کا مطلب تعریف کیا گیا ہے اگر عربی میں اس لفظ کا ترجمہ کریں تو " محمد" ہو گا۔ پھر کہا گیا ہے کہ وہ "سومتی" کے بطن سے پیدا ہو گا۔ لفظ "سومتی" سنسکرت لفظ ہے جس کا معنی امن والی کے ہیں اور عربی میں سومتی کا ترجمہ " آمنہ" ہو گا جو رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا نام ہے۔ شری دس اوتار کے شلوک نمبر 10 میں کہا گیا ہے کہ " کالکی "وشنو یاس کا بیٹا ہو گا، وشنو کا مطلب سنسکرت میں خدا اور " یاس" کا مطلب بندہ یعنی خدا کا بندہ، اس کا معنی عربی میں عبد اللہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے والد کا نام ہے۔ مزید کہا گیا ہے کہ وہ شمبالا کے گاوں / علاقے میں پیدا ہو گا۔ شمبالا سنسکرت لفظ ہے جس کا مطلب امن والا جگہ ہے۔ عربی میں ترجمہ کریں تو اس کا ترجمہ دار لامان ہو گا جو مکہ کا دوسرا اور معروف نام ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ جب یہ کالکی آئے گا تو ایک اچھا دور شروع ہو جائے گا۔ پھر کہا گیا ہے کہ کالکی آخری اوتار ہو گا جس کو دین کے حفاظت کے لیے بھیجا جائے گا۔"[22]

ہندو مذہب کی کتب کے علاوہ غیر مسلم اہلِ علم و دانش کی تحریروں سے بھی نامِ محمد کے اسی مفہوم و معنیٰ کی ترجمانی و تصدیق ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ سوریئے کانت دِویدی لکھتے ہیں:

> "محمد کا معنی ہوتا ہے ہر طرح اور ہر طریقے سے قابلِ تعریف، وہ انسان جس کو ہر کوئی اچھا کہے"۔[23]

پروفیسر کے۔ ایس۔ راما کرشنا راؤ رقم طراز ہیں:

---

[21]۔ وید: پھاٹک، رشتی نمبر 56، منتر نمبر 8۔

[22]۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک، **مذاہبِ عالم میں حضرت محمدؐ کا ذکر** (اسلام آباد: دار النور، ۲۰۱۱)، صفحہ 129۔

[23]۔ **امر اُجالا** (آگرہ: جون ۲۰۰۱ء)، اداریتی صفحہ۔

"محمد کا معنیٰ ہوتا ہے جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو" ۔[24]

ڈاکٹر ایم۔اے۔ شری واستو کہتے ہیں:

"محمد لفظ "حمد" مصدر سے بنا ہے جس کا معنی ہے تعریف کیا ہوا۔"

[25]

سوامی لکشمن پرساد تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا نام غیبی آواز کی نشاندہی کی بناپر احمد رکھا تھا۔ اس طرح محمد اور احمد آپ کے دونوں ذاتی نام ہیں۔" [26]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دو ذاتی نام ہیں ایک محمد اور دوسرا احمد۔ اور دونوں ہی نام حد درجہ تعریف و توصیف سے متصف ہیں۔

مکینِ گنبدِ خضراء حضرت محمد ﷺ کے ذکر جمیل کے بعد اب ہم شہر مصطفیٰ "مدینہ منورہ" کو تحقیق کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

اسم "مدینہ منورہ" کی تحقیق

"**مدینہ**" کے لغوی معنی ہیں شہر اور منورہ کا معنی ہے روشن اور پُرنور۔ اس طرح مدینہ منور کا معنیٰ ہوا روشن اور پُرنور شہر۔ مدینہ منورہ حجاز کا مقدس کا مشہور شہر ہے جس کا قدیم نام یثرب تھا۔ قرآن مجید میں مدینہ اور یثرب دونوں اسماء وارد ہوئے ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے تو یہ مدینہ منورہ کے نام سے مشہور ہوا۔

اسمائے مدینہ منورہ

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی چیز کے ناموں کی کثرت اس کی عظمت و رفعت کا نشاں ہوتی ہے۔ جس کے جتنے زیادہ نام ہوتے ہیں اس کے اتنے ہی زیادہ مرتبے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ مثلاً رسولِ رحمت ﷺ کے اسماء وصفات کی کثرت ان کی بلند و بالا عز و شان کی ترجمانی کرتی ہے تو مدینہ منورہ کے ناموں کا کثیر ہونا اس کے فضل و شرف کا پتہ دیتا ہے۔

---

[24] ۔ راما کرشنا راؤ، پروفیسر، **اسلام کے پیغمبر** (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، س ن)، ص ۳۔

[25] ۔ ایم۔اے۔ شری واستو، ڈاکٹر، **حضرت محمد اور بھارتیہ دھرم گرنتھ** (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، س ن)، ص ۹۔

[26] ۔ سوامی لکشمن پرساد، **عرب کا چاند** (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، س ن)، ص ٦٦۔

روئے زمین کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس کے نام اعداد و شمار میں مدینہ منورہ کا مقابلہ کر سکیں۔ خود آپ نے اللہ کے حکم سے اس شہر کا نام **طابہ** اور **طیبہ** تجویز فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے۔"[27]

بعض علما نے اس شہر مقدس کے ایک سو اور بعض نے اس سے کم یا زیادہ اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔[28]

علامہ یاقوت حموی نے اپنی مایہ ناز تصنیف "معجم البلدان" میں مدینہ منورہ کے درج ذیل انتیس ناموں کا ذکر کیا ہے:

المدینة، طیبة، طابة، المسکینة، العذرآئ، الجابرة، المحببة، المحببة، المحبورة، یثرب، الناجیة، الموفیة، اکالة البلدان، المبارکة، المحفوفة، المسلمة، المِجَنّة، القدسیة، العاصمة، المرزوقة، الشافیة، الحیرة، المحبوبة، المرحومة، المختارة، المحرّمة القاصمة، طبابا-[29]

علاوہ ازیں ممتاز مؤرخ سمہودی نے مدینہ منورہ کے ۹۴/ اسماء بیان کیے ہیں۔[30]

محبت مدینہ منورہ

قرآن و حدیث میں تمام امتِ مسلمہ کے لیے صرف محبتِ رسول کو ہی واجب قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ مدینۃ الرسول سے بھی محبت کرنا ضروری کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ کائناتِ انسانی میں ایسا کوئی بھی مومن صادق یا مسلمان نہیں ہو گا کہ جس کے دل میں ہمہ وقت روضۃ الرسول اور مدینۃ الرسول کی دید کا شوق و جذبہ موجزن نہ ہو اور اس کا دل محبتِ رسول اور مدینۃ الرسول کی محبت سے ہر وقت سرشار نہ رہتا ہو۔ اور کیوں نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی محبت کے لیے دعا فرمائی اور عرض کیا:

"اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ، أَوْ أَشَدَّ "[31]

27۔ مسلم، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی شرارہا، ۲: ۱۰۰۵، رقم: ۱۳۸۱۔

28۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ، ۲۰: ۲۴۵۔

29۔ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی (المتوفی: ۶۲۶ھ)، **معجم البلدان** (لائپزگ: ۱۸۶۹ء) ۴: ۴۶۰۔

30۔ علی بن عبد اللہ بن احمد حسنی شافعی، سمہودی (المتوفی: ۹۱۱ھ)، **وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولی – ۱۴۱۹ھ)، ص ۷ تا ۱۹۔

"اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ منورہ کی محبت اس طرح جاگزیں فرما جیسے مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

اسی طرح مندرجہ ذیل حدیث بھی مدینہ منورہ کی محبت پر دلالت کرتی ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَاتِ المَدِينَةِ، أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا۔" [32]

"نبی اکرم ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ کے درودیوار پر نظر پڑتی تو آپ مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے"۔

عظمت مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کائنات ارضی کا وہ نگینہ ہے، جہاں ہر لمحہ آسمان سے رحمت کی رم جھم برستی رہتی ہے، ساکنانِ مدینہ سائبان کرم میں رہتے ہیں اہل مدینہ کو مدینہ کا شہری ہونے کے باعث بے پناہ فضیلت حاصل ہے۔ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کے شب و روز نبی اکرم ﷺ کی چادرِ رحمت کے سائے میں گزرتا ہے، نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کا حصار انہیں اپنے دامنِ عطاء و بخشش میں چھپا لیتا ہے۔ اہل مدینہ کو اگر کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو ایسے اہل مدینہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص مدینہ منورہ کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا قیامت کے روز میں اس شخص کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔" [33]

اہل مدینہ سے برائی کرنا تو درکنار برائی کا ارادہ کرنے والے کو بھی جہنم کی وعید سناتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اس شہر والوں (یعنی اہل مدینہ) کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے (دوزخ میں) اس طرح پگھلائے گا جیسا کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔" [34]

---

[31]۔ محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ بخاری، **الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = صحيح البخاري**، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر، کتاب مناقب الأنصار، بَابُ مَقْدَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ المَدِينَةَ (**بیروت:** دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ)، ۵:۶۶۔

[32]۔ بخاری، کتاب فَضَائِلِ المَدِينَةِ، بَابٌ المَدِينَةُ تَنْفِي الخَبَثَ، ۳:۲۳، رقم:۱۸۸۶۔

[33]۔ نفس مصدر، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینة والصبر علی لاوائها، ۲:۱۰۰۴، رقم:۱۳۷۷۔

[34]۔ نفس مصدر، باب من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله، ۲:۱۰۰۷، رقم:۱۳۸۶۔

یعنی نبی اکرم ﷺ کے شہر دلنواز مدینہ منورہ کے رہنے والوں کا ادب و احترام بھی آپ ﷺ کی نسبت و تعلق کی وجہ سے لازم ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو دار الایمان قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"ایمان سمٹ کر مدینہ طیبہ میں اس طرح داخل ہو جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔"[35]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ، فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّي أَشْهَدُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا"[36]

(جو شخص تم میں سے مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہو وہ ایسا کرے کیوں کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اللہ کے حضور اس اس کے ایمان کی گواہی گا۔)

جملہ کائنات ارضی و سماوی میں بعد از خدا بزرگ و برتر ہونے کی وجہ سے رسول اعظم ﷺ کے مسکن و مکان کو بھی امتیازی عظمت و فضیلت حاصل ہے۔ نہ ساکن کا کوئی جواب ہے نہ مسکن کی کوئی مثال ہے۔ مختصر یہ کہ مدینہ منورہ کا بہت بلند و بالا مقام ہے۔ اس کے فضائل و مناقب بے حد و بے حساب ہیں اور یہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا جامع ہے۔ چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"یااللہ مدینہ منورہ میں اس سے دوگنی برکت عطا فرما جتنی تو نے مکہ مکرمہ میں رکھی ہے۔"[37]

آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو حرم کا درجہ عطا فرماتے ہوئے اس کی عظمت کو چار چاند لگاتے ہوئے فرمایا:

"حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں دو کالے پتھروں والے میدانوں کے درمیان مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ نہ وہاں کوئی درخت اور جھاڑی کاٹی جائے اور نہ کوئی جانور شکار کیا جائے۔"[38]

---

[35]۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، (المتوفی:۲۷۳ھ) **السنن**، كتاب المناسک، باب فضل المدينة، تحقیق: شعیب الأرنؤوط - عادل مرشد - محمَّد كامل قره بللي - عبد اللّطيف حرز الله (بيروت: دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، ۱۴۳۰ھ - ۲۰۰۹م)، 292:4، رقم:۳۱۱۲۔

[36]۔ نفس مصدر، ۱۰۳۹، رقم:۳۱۱۲۔

[37]۔ نفس مصدر، كتاب فَضَائِلِ المَدِينَةِ ،بَابٌ: المَدِينَةُ تَنْفِي الخَبَثَ، رقم:۱۸۸۶۔

[38]۔ مسلم، الصحیح، كتاب الحج، بَابُ فَضْلِ الْمَدِينَةِ، وَدُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا بِالْبَرَكَةِ، وَبَيَانِ تَحْرِيمِهَا، وَتَحْرِيمِ صَيْدِهَا وَشَجَرِهَا، وَبَيَانِ حُدُودِ حَرَمِهَا ،۲:۹۹۲،رقم:۱۳۶۲۔

اسی طرح مدینہ منورہ جو کہ یثرب یعنی بیماریوں کا گھر تھا، آپ کی دعا کی برکت سے منبعِ شفا قرار پایا حتیٰ کہ اس کی آب و ہوا ، اس کی مٹی اور پانی میں بھی شفا رکھ دی گئی۔

"اے اللہ مدینہ منورہ کے غلہ و پیداوار میں برکت فرما، اس کی آب و ہوا ہمارے موافق بنا دے اور اس کا موسمی بخار جحفہ میں منتقل فرما دے۔" [39]

نبی ٔاکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔" [40]

(مدینہ ان کے لیے بہتر ہے کاش لوگ اس کی بہتری کو جان لیتے۔)

زیارت مدینہ منورہ

مدینہ منورہ میں واقع مسجدِ نبوی شریف اور اسی کے ایک حصے میں واقع نبی ٔرحمت ﷺ کے روضہ ٔ انور کی زیارت اسلامی نقطہ ٔ نظر سے افضل ترین عبادتوں و عظیم نیکیوں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے روضہ ٔرسول کی حاضری کی زیارت کو باعثِ خیر و برکت، شفاعت و نجات کا موجب اور اس سے روگردانی وانحراف کو ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے۔ نبی ٔاکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔" [41]

دوسری جگہ فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت لازم ہو گی۔" [42]

---

[39] ۔ بخاری، نفس مصدر، کتاب فَضَائِلِ الْمَدِينَةِ ،بَابٌ: الْمَدِينَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ، ۳:۲۳، رقم: ۱۸۸۹۔

[40] ۔ نفس مصدر، کتاب فَضَائِلِ الْمَدِينَةِ، بَابُ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ تُعْرَى الْمَدِينَةُ، 3:21۔

[41] ۔ سلیمان بن احمد، ابو القاسم طبرانی (المتوفی: ۳۶۰ھ)، **المعجم الكبير**، تحقیق: حمدي بن عبد المجيد (**قاہرہ**: دار النشر، مكتبة ابن تيمية، س ن)، ۱۲:۴۰۶، رقم: ۱۳۴۹۶۔

[42] ۔ ابو الحسن علي بن عمر الدارقطني (المتوفی: ۳۸۵ھ)، **سنن الدارقطني**، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، حمد برهوم (**بیروت**: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۴م) وصححه عبد الحق ولقوله صلى الله عليه وسلم (من جاءني زائرا لا تحمله حاجة إلا زيارتي كان حقا علي أن أكون له شفيعا يوم القيامة) رواه الجماعة. منهم الحافظ أبو علي بن السكن في كتابه المسمى بالسنن الصحاح.

مزید ارشاد فرمایا: "مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔ "[43]

(جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔)

امتیازات مدینہ منورہ

قرآن و حدیث، سیرتِ رسول اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ بہت سے امتیازات اور خصوصی صفات کا حامل ہے۔ جو اس کائناتِ انسانی میں کسی مقام یا کسی شہر کو حاصل نہیں۔ مثلاً رسولِ اکرم، رحمتِ عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کے لیے منتخب فرمایا۔ اپنی قیام گاہ اور آرام گاہ مقرر فرمایا، اسلامی سلطنت اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا۔ یہیں سے آپ نے دینِ اسلام کو عام و تام فرمایا، اس کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دیا، اس کے لیے برکت کی دعا مانگی، حیاتِ طیبہ کے آخری دس سال یہیں گزارے، اسی مبارک سرزمین میں آپ کا روضۂ انور ہے، اسی مبارک سرزمین نے آپ کے جسدِ اطہر کو اپنے اندر سمو رکھا ہے، اسی میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی عظیم مسجد ہے، جہاں پڑھی ہوئی ایک نماز ہزاروں نمازوں سے افضل ہے[44] اسی کا ایک ٹکڑا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔[45]۔

یہ پاکیزگی کا مرکز اور اس کی ہر چیز پاکیزہ ہے اسی لیے اس کا نام طابہ اور طیبہ ہے، تمام امتِ مسلمہ کو روئے زمین کے تمام مقامات سے محبوب ترین ہونے کے باعث اس کا نام محبۃ اور محبوبۃ ہے، اسی مبارک شہر میں مسجد قبا، مسجد جمعہ اور وہ

فهذان إمامان صححا هذين الحديثين وقولهما أولى من قول من طعن في ذلك. نقله المسندي) ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۰۳۹، تحت رقم: ۳۱۱۲۔

43۔ عبد الحق محدث دہلوی، **راحت القلوب** (اردو) (دہلی: رضوی کتاب گھر، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۰۶-۲۰۴۔

44۔ قَالَ: «صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ» صحیح مسلم، كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ بِمَسْجِدَيْ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ، 2 :1012، رقم: ۱۳۹۴۔

45۔ «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ» صحیح مسلم، كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، 2:1010۔

تمام مساجد ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کیں، یہی وہ مقدس شہر ہے جہاں وفات پانے والے کے ایمان کی رسول اللہ ﷺ گواہی دیں گے۔[46]

ایمان سمٹ کر مدینہ طیبہ میں اس طرح داخل ہو جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔[47] دجال یہاں داخل نہ ہو سکے گا، طاعون کی وبا یہاں نہ پھیلے گی، یہاں کی خاک بیماری سے شفا کا سبب ہے اور یہاں کی کھجور نہار منہ زہر اور جادو کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔ الغرض یہ ساری باتیں حدیث رسول ﷺ میں موجود ہیں۔

غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام میں لفظ "مدینہ"

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کل عالم کے لیے سراپا رحم و کرم بن کر تشریف لائے۔ آپ نے انس، جن، چرند و پرند، غرض ہر ایک مخلوق کے لیے رحمت کا مظاہرہ کیا اور سب کے لیے رحم و کرم کا درس دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں دنیا کے تمام ادیان و مذاہب اور اقوام کے اہل علم و دانش حضرات اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جو لوگ ہندوستان میں رہتے ہیں یا ہندوستانی شعر و ادب سے واقف ہیں وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہندوستان کے بہت سے غیر مسلم شعرا نے پیغمبرِ اسلام کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ آپ کے شہر مدینہ منورہ کی بھی بڑے حسین اور دلکش پیرائے میں تعریف و توصیف بیان کی ہے اور انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ سے اپنی محبتوں کا اظہار کیا ہے ذیل میں ہم ہندوستان کے چند غیر مسلم شعرا کے لفظ مدینہ کے استعمال کی مناسبت سے تحقیق پیش کریں گے۔

46۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ (المتوفی: ۲۷۳ھ) السنن، كِتَابُ الْمَنَاسِكِ، بَابُ فَضْلِ الْمَدِينَةِ، تحقیق: شعیب الأرنؤوط - عادل مرشد - محمّد کامل قرہ بللي - عبد اللّطيف حرز اللہ (بیروت: دار الرسالة العالمية، ۱۴۳۰ھ - ۲۰۰۹م)، ۲: ۱۰۳۹، رقم: ۳۱۱۲۔

47۔ نفس مصدر، کتاب، 292:4، رقم: ۳۱۱۲۔

منشی سالک رام سالکؔ

منشی سالک رام سالکؔ کے کلام میں رحمتِ عالم ﷺ اور آپ کے محبوب شہر مدینہ منورہ سے محبت کا اظہار نظر آتا ہے۔ مثلاً موصوف کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

لے لے گی مری جاں تمنائے مدینہ | مدت سے ہے اب وردِ زباں ہائے مدینہ
جنت کی ہوس، خلد کی خواہش نہ رہے پھر | اک بار جو قسمت مجھے دکھلائے مدینہ
سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالک میں لگالوں | ہاتھ آئے جو خاکِ درِ مولائے مدینہ[48]

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شادؔ حیدرآبادی [49]

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شادؔ حیدرآبادی نبیٔ رحمت ﷺ اور آپ سے وابستہ مبارک و پاکیزہ اشیا کے ذکرِ جمیل سے تو آپ کا پورا نعتیہ دیوان سرشار نظر آتا ہے۔ مدینہ الرسول ﷺ سے اپنے قلبی جذبات کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

بلوائیں مجھے شادؔ جو سلطانِ مدینہ | جاتے ہی میں ہو جاؤں گا قربانِ مدینہ
وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوبِ خدا ہیں | کعبہ سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شانِ مدینہ
کافر ہوں کہ مومن ہوں، خدا جانے میں کیا ہوں | پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطانِ مدینہ
لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشقِ محمد | تحفہ ہے مرے پاس یہ شایانِ مدینہ [50]

---

48 ۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد، **سوغات صنم خانہ** (نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۳۸۔

49 ۔ مہاراجا سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت، جی سی آئی ای (1 جنوری 1864ء – 13 مئی 1940ء) ریاست حیدرآباد کے دوبار صدر المہام (وزیر اعظم) رہے۔ علامہ محمد اقبال کے قریبی دوستوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور شادؔ تخلص کرتے تھے۔ علامہ محمد اقبال اور آپ کے درمیان ہونے والی خط کتابت سے دونوں ہستیوں کے درمیان قریبی تعلقات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (محمد عبد اللہ قریشی، **اقبال بنام شاد** (لاہور: زرین آرٹ پریس، ۱۹۸۶ء)، ۳۔

50 ۔ محمد احمد، **غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام** (دہلی: الاشرف اکیڈمی، ۲۰۰۸ء)، ص ۵۱، ۵۲۔

بابو روشن لال نعیمؔ

بابو روشن لال نعیمؔ نے اپنے نعتیہ اشعار میں جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی ذات بابرکات اور اوصافِ حمیدہ کو شعری جامہ پہنایا ہے وہاں مدینہ منورہ کے معطر بیان سے بھی اپنے کلام کو عطر بیز کیا ہے۔ ان کے یہ اشعار دیکھیں:

للہ ... بلا لیجیے سرکارِ مدینہ	مر جائے نہ یہ ہند میں، بیمارِ مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہے فردوس مبارک	کافی ہے مجھے گوشۂ گلزارِ مدینہ
چھا جائے مری قبر پہ رحمت کی بدریا	دربار شب و روز ہوں انوارِ مدینہ [51]

رمیشن نارائن سکسینہ، گلشن بریلوی

رمیشن نارائن سکسینہ، گلشن بریلوی نے آسان اور مشکل ردیف و قافیہ میں بہت سی نعتیں کہی ہیں جن میں مدینہ منورہ سے متعلق اپنے خیالات اور ارادوں کی ترجمانی اس طرح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

مجھے کاش توفیق اتنی خدا دے	کروں سر کے بل طے مدینہ کے جادے
بہت خاک چھانی ہے دنیا کی گلشنؔ	مدینہ کی گلیوں کے اب ہیں ارادے
آنے کو تو سنسار میں آئے ہیں نبی اور	آیا ہے نہ آئے گا محمد سا کوئی اور
ہے یوں بھی سکوں بخش مدینے کا تصور	پہنچیں جو مدینے میں تو ہوتی ہے خوشی اور
یاد آتی ہے جب دوریٔ سرکارِ مدینہ	بڑھ جاتی ہے گلشن مری آنکھوں میں نمی اور
محسوس یہ ہوا ہے مدینے میں دوستو	آنکھیں ملی ہیں گنبد و مینار کے لیے
نکلے جو دم تو نکلے مدینے کی خاک پر	اتنا بہت ہے مجھ سے گنہ گار کے لیے[52]

وشنو کمار، شوقؔ لکھنوی

لکھنؤ کے ممتاز غزل گو شعرا میں وشنو کمار، شوق لکھنوی بہت سی شعری و ادبی خصوصیات کے مالک تھے۔ شعری تلازمات و مناسبات سے مرصع و مرقع اشعار کہتے تھے۔ موصوف نے جہاں دیگر صنف سخن میں خامہ فرسائی کی

[51] ۔ ڈاکٹر سید عبد الحمید ضیائی، **مدینۂ سخن** (نئی دہلی: خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، س ن)، ص ۴۰۱۔

[52] ۔ محمد احمد، **گلہائے عقیدت** (نئی دہلی: الاشرف اکیڈمی، ۲۰۰۸ء)، ص ۹۸، ۸۳، ۱۰۱۔

ہے، وہاں رحمتِ عالم ﷺ سے متعلق و منسلک امور و اشیا کو بھی اپنے اشعار کا موضوع بنایا ہے۔ مدینہ منورہ سے متعلق اپنے قلبی احساسات کو نظم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ رحمت کے دم قدم سے مدینہ کے ذرے ذرے کی چمک دمک کا یہ عالم ہے کہ وہ سورج سے آنکھ لڑاتا ہے۔ اور اگر میں بات کروں اس کی عظمت و تقدس کی تو اتنا سمجھ لیجیے کہ اگر رہِ مدینہ میں دم بھی نکل جائے تو یہ بہت بہتر سودا ہے۔ اور جہاں تک اس کی محبت کا معاملہ ہے تو یہ کیفیت ہے کہ ہر وقت دل و دماغ پر اس کے جلوے سایہ فگن رہتے ہیں اور زیست کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی ارمان ہے کہ کاش کسی طرح اس شہر مقدس کی زیارت ہو جائے۔ آپ خود ہی دیکھیں کہ ان کے اشعار میں کیسا سوز دروں اور بہترین اسلوب ہے:

لڑاتا ہے نظر سورج سے ہر ذرہ مدینے کا　　رسول اللہ سے اتنا بڑھا رتبہ مدینے کا
اگر جاں بھی نکل جائے مری طیبہ کی راہوں میں　　تو سمجھوں گا بہت سستا ہوا سودا مدینے کا
ابھی تو خواب ہی دیکھا ہے اب تعبیر دیکھوں گا　　نگاہوں میں لیے پھرتا ہوں میں نقشہ مدینے کا
بس اب تو شوقِ دل میں اک یہی ارمان باقی ہے　　کسی صورت پہنچ کر دیکھ لوں روضہ مدینے کا [53]

کرشن بہاری، نورؔ لکھنوی

کرشن بہاری، نور لکھنوی کا ہندو پاک کے مشہور شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے بہت سے عالمی مشاعروں کو رونق بخشی ہے اور شعر و ادب کا ذوق رکھنے والے اہلِ علم و دانش سے خوب خوب داد و تحسین حاصل کی ہے۔ "دکھ سکھ" کے نام سے، آپ کا شعری مجموعہ بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ شعر و ادب کی دیگر اصناف کی طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت بھی پیش کیئے ہیں جس کے ضمن میں مدینہ منورہ کے پر نور ذکر سے اپنے کلام کو مزین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گلزارِ محمد کیا کہنا، بازارِ مدینہ کیا کہنا　　ایمان کے سکے چلتے ہیں، فردوس کا سودا ہوتا ہے
یہ ربط نبوت اور وحدت ہر حال میں یکساں رہتا ہے　　جھکتی ہے جبیں کعبے کی طرف اور دل میں مدینہ ہوتا ہے
وہ نور کی نظریں ہوتی ہیں گنبد سے جو ٹکرا جاتی ہیں　　مل جاتا ہے جو چوکھٹ سے تری وہ نور کا سجدہ ہوتا ہے [54]

---

[53] ۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، **ہمارے رسول** (**نئی دہلی:** خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، س ن)، ۲۰۱۱ء، ص ۴۵۳۔

[54] ۔ کرشن بہاری، نوری لکھوی، " نعت رسول ﷺ " ، ہفت روزہ اردو مورچہ، رحمۃ للعالمین نمبر، دہلی، ۱۴(تا ۱۸/ اکتوبر، ۱۹۸۹ء)، ص ۴۔

وشنو کمار ماتھر، وشنو اکبر آبادی

وشنو اکبر آبادی (۱۹۶۲-۱۸۸۶ھ) ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ اردو شاعری کی اکثر اصناف میں آپ نے شعر گوئی کے جلوے دکھائے ہیں۔ نعتیہ کلام بھی حسین اسلوب میں پیش کیا ہے۔ جس میں نہ صرف محمد ﷺ سے محبت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ مدینہ منورہ سے بھی والہانہ عقیدت کے ثبوت ملتے ہیں۔ موصوف کا ماننا ہے کہ روزِ جزا غلامانِ مدینہ ہی بلند و بالا مقام کے حامل ہوں گے اور جن کی نظروں میں گلشن مدینہ کے جلوے سمائے ہوں وہ کبھی باغِ جنت کے نظاروں کا احساس نہیں کرتے۔ مثلاً ان کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کہتی ہے جنہیں خلق غلامانِ مدینہ   پائیں گے وہی روزِ جزا رتبۂ عالی
مرغوب ہے دل سے جنھیں بستانِ مدینہ   وہ گلشنِ فردوس کی حسرت نہیں کرتے [55]

سادھو رام، آرزو سہارنپوری

آرزو سہانپوری ۔ اسلامی تعلیمات سے گہری واقفیت اور وابستگی کا اثر آپ کی نعتیہ شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ غالباً یہی وہ اثر تھا کہ جس کے پیش نظر آپ نے محبت رسول ﷺ میں سرشار ہو کر نعتیں کہی ہیں اور جس کی وجہ سے آپ ہندو پاک میں کافی مشہور رہے ہیں۔ آپ کے کئی مجموعے جیسے **الہام سحر**، **حدیث آرزو**، **ظہورِ قدسی** اور **بہارستان اولیا** وغیرہ شائع ہو چکے ہیں ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت و منقبت گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ مدینہ منورہ سے متعلق کہے گئے حسب ذیل اشعار سے جس کا آپ بحسن وخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:

جب شاہ دوعالم ہوئے سلطانِ مدینہ   خود بڑھ کے مشیت، ہوئی قربانِ مدینہ
اے اہلِ حقیقت مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ   آیا ہوں میں طے کر کے بیابانِ مدینہ [56]

لکشمی نارائن، سخا جے پوری

سخا جے پور کے ضلع مجسٹریٹ تھے، شعر وادب کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ عربی زبان سے واقفیت کے علاوہ اردو اور فارسی میں مہارت حاصل تھی۔ موصوف نے تمام اصنافِ سخن میں شاعری کے جوہر دکھائے ہیں اور عطاء اللہ عطا سے شعری اصلاح کا فیض اخذ کیا ہے۔ آپ کا ایک مجموعہ **"معراج محبت"** کے عنوان سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے جس میں

---

55 ۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، **ہمارے رسول**، ص۱۸۶۔

56 ۔ جوہر دیوبندی، **نغمۂ ناقوس: تذکرہ ہندو شعرا سہارن پور** (دہلی: محبوب پریس، ۱۹۸۵ھ)، ص۴۶۔

فارسی کلام کے علاوہ پچاس نعتیں و منقبتیں اور سلام و قصائد وغیرہ بھی شامل ہیں۔ نعتیہ کلام میں مدینہ منورہ سے متعلق بھی حد درجہ عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے:

ہشیار رہیں بادیہ پیمائے مدینہ جنت کے عوض دے نہ دیں صحرائے مدینہ

قدسی سے سنو روضۂ اطہر کی بزرگی عرشی سے سنو رتبہ والائے مدینہ

دو چار سخا سے بھی ہیں وہ واں پہ ملیں گے ہونے کو تو لاکھوں ہی ہیں شیدائے مدینہ [57]

بہاری لال شانتؔ

مشاق اور بلند تخیل شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ غزل کے علاوہ بہترین نعتیں بھی کہی ہیں۔ آپ کی نعتوں میں دیارِ محمد مصطفی یعنی مدینہ منورہ، گنبدِ خضریٰ اور رسولِ خدا ﷺ کا تذکرہ نہایت حسیں اور دلکش پیرائے میں ملتا ہے، جن کے جلوؤں کا اظہار آپ نے کچھ اس طرح کیا ہے:

کیوں کر کہوں جنت ہے گلستانِ مدینہ جنت کے فرشتے ہیں ثناخوانِ مدینہ

سو جنتیں اور ایک بیابانِ مدینہ سو پھول اور اک خارِ مغیلانِ مدینہ

برکت ہے ترے قدموں کی اے جانِ مدینہ آدم بھی فرشتے بھی ہیں قربانِ مدینہ [58]

طوطا رام، احقرؔ

احقرؔ درس و تدریس کے مشغلے سے وابستہ تھے اور سردار پور چھاؤنی کے ایک اسکول میں بحیثیت معلم فرائض انجام دیا کرتے تھے ساتھ ہی ساتھ شعر و سخن سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں منظوم کلام کہا ہے جو رسالہ **"گلزارِ خلد"** مطبوعہ ستمبر ۱۸۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ موصوف نے نعتیہ کلام میں فضائل و خصائص اور خصائل مصطفی ﷺ کا بہت خوب نقشہ کھینچا ہے۔ اور مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ وہاں جانے کی تمنا کا اظہار درج ذیل اشعار میں اس طرح کیا ہے:

مدت سے یہ دل اپنا ہے شیدائے مدینہ کب مجھ کو خدا دیکھئے دکھلائے مدینہ

57 ۔ عرفان عباسی، **تذکرہ شعراء اتر پردیش** (**لکھنؤ:** نظامی پریس، ۱۹۸۲ھ)، ۱۱:۱۴۱۔

58 ۔ فانی مرادآبادی، **ہندو شعراکا نعتیہ کلام** (لائل پور: عارف پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۳ھ)، ص ۴۱۔

مجنوں ہوں میں ہندی وہ ہے لیلائے مدینہ   لازم ہے مرا نجد ہو صحرائے مدینہ

اے بادِ صبا چشمِ کرم کچھ تو ادھر بھی   لا بہرِ خدا بو، گلِ رعنائے مدینہ[59]

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزادؔ

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ لکھنؤ کے ایک انتہائی معزز اور تعلیم یافتہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی معتبر صحافی، نامور شاعر، مشہور نثر نگار اور کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ چچا محترم جناب گرسرن لال ادیب لکھنوی اور دادا جناب مہادیو پرساد عاصی لکھنوی بھی اردو ادب اور دیگر علوم کے ممتاز و معروف دانشور کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اپنے خاندان کی علمی و تہذیبی وراثت کے امین و وارث ڈاکٹر آزاد بھی کئی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ اردو، ہندی اور انگلش میں تقریباً ۱۶؍ کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے **"صحیفۂ نور"** اور **"انوارِ عقیدت"** شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ملکی اور غیر ملکی، قومی اور عالمی کانفرنسوں، ادبی محفلوں، سیمیناروں، اخباروں اور رسالوں کا، اپنے مقالات اور تقاریر سے حسن دوبالا کر چکے ہیں۔ انہی علمی خدمات کی بدولت بارہا مختلف تنظیموں اور انجمنوں کی طرف سے اعزازات سے نوازے گئے ہیں۔ حاشیے میں ہندوستان میں نعت گوئی کی روایت کی توسیع، تنوع اور ارتقا میں یوں تو سیکڑوں غیر مسلم شعرا نے حصہ لیا ہے البتہ ڈاکٹر آزاد نے جو تحقیقی، تاریخی اور نعتیہ ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ امتیازی اہمیت کی حامل ہیں۔ موصوف نے نعتیہ ادب سے متعلق جو مقالات یا کتب تحریر کی ہیں بالخصوص **"ہمارے رسول"** کے عنوان سے، غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کی جو تاریخ رقم کی ہے پوری دنیا کے کسی ملک یا کسی زبان کے غیر مسلم کو یہ انفرادی مقام حاصل نہیں۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کے خاندان میں کئی پشتوں سے محمد اور آلِ محمد ﷺ کی محبت اور عقیدت میں منظوم کلام لکھنے کی ایک قدیم تاریخ رہی ہے۔ اِسی خاندانی روایت کو ڈاکٹر آزاد نے بھی بحسن و خوبی قائم رکھا اور حمد، نعت، مناقب، قصائد، سلام اور مراثی کے ذریعے اللہ، رسول اور اہلِ بیت اطہار کی بارگاہ میں نذرانے پیش کیے۔ ڈاکٹر موصوف نے نبیٔ رحمت ﷺ سے اپنی والہانہ وابستگی اور پرخلوص محبت کو اس طرح نثر اور نظم میں سمویا ہے کہ امتِ اجابت انگشت بدنداں ہے۔ مدینہ منورہ سے متعلق اپنے دلی جذبات کو شعری جامہ پہناتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

ہے چشمِ تصور میں بسا کوئے مدینہ   رہ رہ کے کھنچا جاتا ہے دل سوئے مدینہ

مکہ میں ہے اللہ کا گھر خوب ہے لیکن   کاشانۂ محبوبِ خدا کوئے مدینہ

---

[59] ۔ محمد محفوظ الرحمن، **ہندو شعرا اور بارِ رسول میں** (**لکھنؤ:** ابراہیمی پریس، س ن)، ص ۲۰۔

اب ذہن ہے مسرور مری روح معطر　　جب سے بسی احساس میں خوشبوئے مدینہ
مدینہ منورہ کی خاک میں ہے وہ کشش　　اِدھر اُدھر جدھر گئی　نظر ٹھہر ٹھہر گئی
مدینہ پر بہار ہے نبی کا یہ دیار ہے　　چلی کسی بھی سمت سے یہیں ڈگر ڈگر گئی[60]

ہری داس اختؔر

اختؔر سکھ قوم میں اردو ادب کے ایک ممتاز عالم و ادیب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ گوجرانوالہ پاکستان آبائی وطن تھا۔ شعر گوئی کا ذوق وشوق رکھتے تھے اور قیس جالندھری سے اپنے منظوم کلام کی اصلاح لیا کرتے تھے۔ اختر نے غزل، قطعہ اور نظم جیسی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے البتہ نعت گوئی کو باعثِ فخر وانبساط سمجھتے تھے۔ حسب ذیل اشعار میں جس کو بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

جس وقت نظر آئے کچھ آثارِ مدینہ　　حاجی نظر آئے سبھی سرشارِ مدینہ
ہر ذرہ مدینے کا ہے رشکِ مہِ انوار　　رشک گُل فردوس ہے پُرخارِ مدینہ
حاصل ہوئی کونین کی دولت اُسے اختر　　حاصل ہوا جس شخص کو دیدارِ مدینہ[61]

شیام سندر، باصرؔ کشمیری

اکثر شعراء نے اس پاکیزہ سوچ کے ساتھ نعت گوئی کا سہارا لیا ہے کہ اس بابرکت صنف کی بدولت ہمارے لفظوں کو بھی شعر وادب میں ایک معتبر مقام اور ادبی عروج حاصل ہو جائے۔ بقول ڈاکٹر واحد نظیر:

یہ صنفِ نعت نہ ہوتی تو سوچتے ہیں ہم　　کہ اپنے لفظوں کو کس طرح معتبر کرتے

غالباً اسی تصور کو ملحوظ رکھتے ہوئے باصرؔ کشمیری نے نعت گوئی کو اپنا خاص محور بنایا ہے۔ اور اپنی نعت بہارِ مدینہ میں مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے بہتر ثابت کیا ہے۔ ایک مخمس نما نظم میں نبیٔ رحمت کے قدمہائے مبارکہ کی بدولت مدینہ کو باغِ ارم اور رشکِ صد طور بیان کیا ہے اور نعت بعنوان چراغِ انجمن میں رسولِ رحمت ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

60۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، **ہمارے رسول**، ۴۰، ۴۱، ۲۳۸، ۲۵۵۔

61۔ نور احمد میرٹھی، **بہر زماں بہر زباں ﷺ** (**کراچی**: ۱۹۹۶ء، م ن د)، ۱۰۶۔

محمد ﷺ نے فرمائی مکہ سے ہجرت — نمایاں ہے یہ افتخارِ مدینہ
چلوں سر کے بل میں زہِ فخر و عزت — بلائے اگر تاجدارِ مدینہ
چلو چل کے بیٹھیں وہیں شیام سندر — کہ ارضِ وفا ہے دیارِ مدینہ[62]

راجیندر نرائن سکسینہ، بسمل شمس آبادی

بسمل شمس آبادی (فرخ آباد، یوپی) ایک دولت مند اور علم دوست کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وکالت کے پیشے سے وابستہ تھے، شعر و سخن سے بھی آپ کو گہرا شغف تھا۔ حمد، نعت، منقبت، غزل، قصیدہ، سلام اور مرثیہ پر مشتمل آپ کے چار مجموعے، **"گلِ صحرا"، "زخمِ نہاں"، "رِستے چھالے"**، اور **" خشتِ حرم"** زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر کافی شہرت اور **اترپردیش اردو اکیڈمی** سے انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ بالخصوص شعری مجموعہ **"خشتِ حرم"** آپ کی نعتوں، منقبتوں، مرثیوں اور مسلم تیوہاروں پر مشتمل نظموں کا بہترین شعری شاہکار ہے۔ جس کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف نے قرآن و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں نبیٔ رحمت ﷺ کے مناقب اور آپ سے منسلک اشیا و امور کو بحسن و خوبی پڑھا اور سمجھا ہے۔ بطور ثبوت ان کے ان اشعار میں غور فرمائیں:

ایسی ہے کشش والی اک ذات مدینے میں — جی میں ہے گزاریں ہم دن رات مدینے میں
یہ فیض نبی کا ہے یہ ان کی کرامت ہے — بگڑی ہوئی بنتی ہے ہر بات مدینے میں
بخشش کی تمنا ہے بسمل تو مدینے چل — ملتی ہے یہ بے مانگے خیرات مدینے میں[63]

بسنت لال، بسنت گڑھ مہاراجوی

رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات والا صفات اتنی بلند و ہمہ گیر ہے کہ اس کو کسی ایک مذہب، ایک قوم یا کسی ایک زبان تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بنا امتیاز مذہب و ملت ہر قوم کے اہلِ علم و دانش نے نبیٔ رحمت ﷺ کی

---

[62] ۔ بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا: تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، آنسہ نگار سلطانہ، ۱۹۹۲ء، ۲۷۰، نور احمد میرٹھی، بہر زماں بہر زباں ﷺ، ۱۶۲۔

[63] ۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، **ہمارے رسول**، ۲۸۹-۲۸۷۔

بارگاہِ اقدس میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی بسنت لال بسنت ہیں، جنھوں نے محبوبِ خدا اور دیارِ مصطفی دونوں کا بہت ہی شائستہ، شستہ اور شگفتہ انداز میں ذکرِ جمیل کیا ہے۔ جیسے:

کیوں رشکِ ارم ہو نہ وہ گلزارِ مدینہ — جس باغ کے مختار ہوں سرکارِ مدینہ
ہر صبح ہے رنگین تو ہر شام ہے دلکش — ہے خلدِ بریں، کوچہ و بازارِ مدینہ
غربت پہ نثار اس کی بسنتؔ اہلِ زمانہ — حاصل ہو جسے دولتِ دیدارِ مدینہ [64]

رادھا رمن، جوشؔ بدایونی

جوشؔ بدایونی نے غزل، قطعہ، نظم اور رباعی جیسی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جوہر بدایونی اور جویا آنولوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں سیماب اکبر آبادی، تولا بدایونی، فانی بدایونی، فوق سبز واری، انجم فوقی بدایونی اور آفتاب احمد جوہر جیسے شعر و ادب کے ماہرین سے بھی اکتسابِ فیض کیا ہے۔ **"آتش خاموش"** کے نام سے ان کی غزلوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اگر ہم بات کریں ان کے نعتیہ کلام کی تو اردو ادب کے غیر مسلم شعرا میں ہر دور میں کچھ نہ کچھ نعت گو شعرا کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن میں سے کچھ نے تو رسم شاعری کے طور پر اور کچھ نے والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ نعتیہ کلام کہا ہے۔ بیسویں صدی کے جوش بدایونی کے مجموعۂ نعت و منقبت **"کیفِ سرمدی"** کے مطالعے سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے رسماً نہیں بلکہ عقیدتاً اپنے جذبات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ نبیٔ رحمت اور مدینہ منورہ سے وابستہ قلبی واردات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ جامِ بادۂ وحدت پیا مدینے میں — اتر گیا نشۂ ماسوا مدینے میں
مئے طہور، سرورِ حیات، غم سے نجات — خدا کا شکر کہ سب کچھ ملا، مدینے میں
کبھی طوافِ حرم خواب میں کیا اے جوش — کبھی خیال نے پہنچا دیا مدینے میں [65]

چندر پرکاش پاریکھ، چندرؔ جے پوری

[64] ۔ نور احمد میرٹھی، **بہر زماں بہر زباں** ﷺ، ۱۷۴۔

[65] ۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، **ہمارے رسول**، ۳۲۰، ۳۲۱۔

سیرت نبوی ﷺ جملہ انسانی کائنات کے لیے باعثِ رحمت اور شمعِ ہدایت ہے۔ جس سے غیر مسلم اہلِ علم و دانش بھی بہت متاثر ہوئے ہیں انہوں نے سیرتِ رسول کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ سخن بنا کر بہت عمدہ اشعار کہے ہیں۔ چندر ؔجے پوری بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حکومتِ راجستھان میں ملازمت کے ساتھ تقریباً ۲۵ سال اردو، ہندی اور برج بھاشا میں نہ صرف معیاری اشعار کہتے رہے ہیں بلکہ ہندوستانی سطح کی ادبی و شعری محافل، ریڈیو اور دور درشن میں بھی آتے رہے ہیں۔ شعر گوئی کی تمام اصناف میں سے "نعت" آپ کا محبوب موضوع تھا، جس کو نہ صرف احترام سے پڑھتے تھے بلکہ انتہائی محبت سے لکھتے بھی تھی۔ نمونے کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں:

نہیں ہے لعل و گہر کی مجھے کوئی خواہش　　نصیب ہو مجھے مٹی، خدا مدینے کی

نبی ہے کون؟ یہ پوچھا، تو کہہ دیا احمد　　کسی نے آرزو پوچھی؟ کہا مدینے کی

دماغ کیوں نہ مہکنے لگے مرا چندرؔ　　مرے قریب سے گزری، ہوا مدینے کی [66]

نرائن داس ٹنڈن، دیاؔ بریلوی

دیاؔ بریلوی اردو اور فارسی کے ایک اچھے دانشور تھے۔ مذاقِ سخن فطری طور پر طبیعت میں موجود تھا۔ شعر و سخن کی مختلف اصناف میں شعر کہنے کی جدوجہد کی۔ بطورِ اصلاح بریلی کے ممتاز شاعر بلدیو پرشاد سوزن کا شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کے کلام کا ایک مجموعہ **"شامِ بہاراں"** کے نام سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے غزل اور نظم وغیرہ اصناف سخن میں کلام کہنے کی کوشش کی ہے لیکن رسول اور مدینۂ رسول ﷺ کے بارے میں جو مدح سرائی کی ہے وہ انتہائی قابلِ تحسین ہے۔ جیسے:

کوئی مجھ سے پوچھے وقارِ مدینہ　　ہے اکسیرِ ہر غم غبارِ مدینہ

مرے غم کا حامی، مرے غم کا درماں　　بنا اور رہا غم گسارِ مدینہ

دیاؔ راہِ حق میں ہوں ہم گامزن سب　　یہی ہے یہی ہے افتخارِ مدینہ [67]

رام ناتھ شرما، رمنؔ امروہوی

رام ناتھ امروہوی، رمنؔ کسان انٹر کالج، بادشاہ پور میں بطور آرٹ لکچرار، اپنی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ کتب بینی اور ادبی و سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ان کا بہترین شوق تھا۔ عنفوانِ شباب ہی سے شعر گوئی کی مشق کرنا اور

66۔ نفس مصدر، ۳۳۰-۳۲۹۔

67۔ عرفان عباسی، **تذکرہ شعرائے اترپردیش**، ۱:۷۱۱۔

امروہہ میں نعت و منقبت کی محافل میں شرکت کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے غزل، نظم، نعت، منقبت، سلام اور رباعی وغیرہ کی صورت میں اپنے تخیّل و تصور کو شعری جامہ پہنانے کی سعیٔ جمیل کی ہے لیکن صنف نعت میں جو جولانیٔ فکر کے جوہر دکھائے ہیں ان کو ہم ان اشعار میں محسوس کر سکتے ہیں:

پرمیش نے کی مدحت سلطانِ مدینہ — دیکھو تو مقامِ شہِ ذیشان مدینہ
میری بھی تمنا ہے کہ درشن کروں جا کر — فردوسِ بریں ہے تہہِ دامانِ مدینہ
حیراں ہے رمنؔ کیوں ابھی محرومِ عطا ہے — ہے دل میں بسا اس کے بھی، ارمانِ مدینہ [68]

تیجونت رائے، ساحرؔ سنامی

اکثر غیر مسلم شعرا کی نعتوں میں جذبات و احساسات کی حدت، اظہارِ بیان کی شگفتگی اور ندرتِ خیال کی شیرینی پائی جاتی ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مصلحتاً نعتیہ کلام نہیں کہا ہے بلکہ محبتِ رسول ﷺ میں اس نعمت سے خود کو شرف یاب کیا ہے۔ ایسا ہی ایک نام ساحرؔ سنامی کا ہے۔ شاعری کا ذوق و شوق جن کی طبیعت سے نمایاں ہوتا تھا۔ اچھے اشعار کہتے تھے اور جوش لسانیؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ اچھے شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک بہترین نثر نگار، انشا پرداز اور نثر و نظم میں **"تیر و نشتر"**، **"پیامِ وطن"**، **"بہارستان"**، **"گل صد رنگ"** اور **"کلیات برہمن"** جیسی ادبی کتب کے تخلیق کار تھے۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں شعری تخلیقات کے نمونے پیش کیے ہیں لیکن صنفِ نعت میں آپ کا اندازِ بیان نہایت سادہ، عام فہم اور حقیقت پر مبنی ہے۔ نبی ﷺ اور مدینہ منورہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے باعثِ صد فخر جہاں، شانِ مدینہ — اے نغمہ سرا بلبلِ بستانِ مدینہ
اے موجب صد شانِ وطن جانِ مدینہ — اے رنگ وفا زینتِ ایوانِ مدینہ
کہتے ہیں تجھے اہلِ نظر جانِ مدینہ — ہو روح مری بلبل بستانِ مدینہ [69]

گوبند سرن نگم، نفیسؔ لکھنوی

68۔ رمن امروہوی، **صدائے دل (مجموعہ کلام)** (علی گڑھ: ندھی کمپیوٹر، ۲۰۰۷ھ)، ۶۔

69۔ جوہر دیوبندی، **نغمۂ ناقوس: تذکرہ ہندو شعرا**، ۱۵۴۔

غیر مسلم شعرانے سیرتِ رسول ﷺ کے علاوہ اسلامی افکار و تصورات اور اسلامی تہذیب و تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور پھر اس کو نعتیہ اشعار میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس میں زبان و بیان اور لہجے کی نزاکت و پاکیزگی کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ بیسویں صدی کے ممتاز شاعر نفیسؔ لکھنویؔ بھی اسی فہرست میں شامل ہیں کہ جنھوں نے سید ظفر عباس فضل نقوی کے زیر تربیت واصلاح غزل، نظم، قطعہ اور رباعی کے علاوہ بہترین نعتیہ کلام بھی کہا ہے۔ موصوف کے حسب ذیل اشعار اس بات کی بخوبی غمازی کرتے ہیں:

ممتاز ہے کونین میں ایمانِ مدینہ　　بھولے گا زمانہ نہ کبھی شانِ مدینہ

کس شخص کو ہوسکتی ہے انکار کی جرأت　　ہر گوشۂ عالم پہ ہے احسانِ مدینہ

میں دل میں نفیسؔ اپنے گناہوں پہ ہوں نادم　　اب میری طرف دیکھیں گے سلطانِ مدینہ [70]

لالہ جگدیش لال زتشی، شوقؔ مرادآبادی

شوقؔ کے نعتیہ کلام میں شعر گوئی کے تلازمات اور مناسبات کا اہتمام، الفاظ کا حسنِ بیان، جذبات کی بلندی، تصورات کی صداقت اور احساسات کی طہارت نظر آتی ہے۔ جو قاری اور سامع کے دل پر بہت گہرا اثر کرتی ہے۔ آپ خود ہی محسوس کیجیے:

سرچشمۂ انوار ہے مینارِ مدینہ　　صد زینتِ کونین ہے دربارِ مدینہ

تہذیب و تمدن کو نیا رنگ ملا ہے　　دنیا میں ضیا بار ہے انوارِ مدینہ

ہے تکملۂ عشق مرا جذبۂ ایماں　　میں چڑھ کے کہوں دار پہ سرکارِ مدینہ

ہو سر پہ مرے دستِ مبارک دمِ آخر　　ہے شوقؔ بھی دنیا میں طلب گارِ مدینہ [71]

مہندر ناتھ اشکؔ، نجیب آبادی

اشکؔ نجیب آبادی عصرِ حاضر کے ایسے غیر مسلم شاعر ہیں کہ جن کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کو غیر مسلم کہنے کے لیے دل مضمحل ہوتا ہے۔ آپ خود ہی غور فرمایئے:

ذکر سرکار دو عالم کا سنا تھا اِک دن　　عمر بھر میرے خیالات سے خوشبو آئی

---

[70]۔ عرفان عباسی، **تذکرہ شعراء اتر پردیش**، حصہ سوم، ۱۹۹۔

[71]۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، **ہمارے رسول**، ۶۲۲۔

سو گیا تھا میں مدینے کا تصور کر کے رات بھر اشک مری ذات سے خوشبو آئی

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اللہ مری فکر کو اتنی رسائی دے میں سوچنے لگوں تو مدینہ دکھائی دے [72]

خلاصہ کلام

نبی اکرم ﷺ اور آپ کا مبارک شہر مہبط انوار الٰہی ہونے کی وجہ سے اتنے حسین اور جاذب ہیں کہ اپنے تو اپنے، غیر بھی آپ اور آپ ﷺ کے شہر کی عظمت و رفعت کے سامنے سرنگوں نظر آتے ہیں۔ غیر مسلم شعرا کی بڑی تعداد نے اپنے کلام میں آپ ﷺ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ سطور بالا میں ہم نے صرف ہندوستان کے شعرا میں سے مشتے از خرِ دوارے کے بمصداق چند نمونہ جات پیش کیے ہیں۔ لفظ مدینہ کے استعمال کے متعلق ہم نے غیر مسلم شعرا کے صرف اسی کلام کو ترجیح دی ہے جس میں لفظ مدینہ ردیف کے طور پر استعمال ہوا ہے، باقی وسطِ کلام میں مدینہ منورہ کا ذکر جس کثرت سے ہوا ہے اس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ نثر میں غیر مسلم اہل علم نے آپ ﷺ کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس پر مستقل کام کی گنجائش ہے۔

وہ اہل علم جنہوں نے کسی بھی انداز میں آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے ان میں سے کتنے افراد نے آپ ﷺ کو نبی کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے؟ اور کتنوں نے صرف ایک راہنما کی حیثیت دی ہے؟ اس پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

زبان و لفظ کا دعویٰ فقط حدِّ بیاں تک ہے تصور موجِ معنیٰ کا خدا جانے کہاں تک ہے

72۔ نفس مصدر، ۲۷۴۔

Bibliography

1. *Al-Qur'ān*

2. *Muḥammad Ibn Mukram Ibni Manẓūr Al-Afrīqī. Lisān Al-ʿArab. Beirūt: Dār-E-Ṣādir, 1414 A.H.*

3. *Abū Al-Faḍal Al-Qaḍī ʿAyād Bin Mūsā. Al-Shifā Batʿarīf-E-Haqūq Al-Muṣṭafā. Beirut: Dār Al-Fikar, 1988.*

4. *Abūal-Qāsim Al-Ṭibrānī. Al-MʿUjam Al-Kabīr. Cāhirah: Ibni Taymīah Library.*

5. *Abū ʿAbdullah Muḥammad Bin ʿAbdulbāqī Al-Zarqānī Al-Malkī. Sharḥā Al-Zarqānī ʿAlā Al-Mawāhib Al-Dunīah Bi Al-Manḥi Al-Muḥammdīah. Beirūt: Dār Al-Kutub Al-ʿIlmīah, 1996.*

6. *Abu ʿAbdullah Muḥammad Bin Yazīd Al-Mājah. Sunan Ibni Mājah. Cāhirah: Dār Aḥyā'i Al-Kutub Al-ʿArabīah.*

7. *Abū Al-Qāsim Ḥusain Bin Muḥammad Al-Iṣfahānī. Al-Mufradāt Fī Gharīb Al-Qurān. Beirūt: Dār Al-Shāmīah, 1992.*

8. *ʿAḥamad Bin Muḥammad Shihāb Al-Dīn. Nasīm Al-Riyāḍ. Beirūt: Dār Al-Kutub Al-ʿIlmīah, 2001.*

9. *ʿAḥamad Bin Muḥammad Qasṭatlānī. ʿAlā Al-Mawāhib Al-Dunīah Bi Al-Manḥi Al-Muḥammdīah. Cāhirah: Al-Maktab Al-Islāmī, 2008.*

10. *Urdū Da'irah MaʿĀrif-E-Islamīah. Lāhor: Punjāb University, 2001.*

11. *Amar-E-Ujālā. Āgharā, June 2001.*

12. *M.A Sharī Wāstū. Ḥaḍrat Muḥammad Awar Bhārīah Dahram Gharanth. Delhī: Markazi Maktabah Islamī.*

13. *Ānsah Nigār Sultān. Bīswīen ṣadī Min Urdū K Ghyr Muslim NʿAt Gu Shurā. Phd Thesis, , 1992.*

14. *Jalāl Al-Dīn Saūtī. Al-Riyāḍ Al-Anīqah. Beirūt: Dār Al-Kutub Al-ʿIlmīah, 1985.*

15. *Johar Dīobandī. Naghma Naqūs: Tadhkira-E-Hind O SheʿAr Ashāran Pūr. Delhī: Maḥūb Press, 1985.*

16. *Dr. Zākir, Nāīik. Madhāhib-E-Ālam Min Haẓrat Muḥammad Ka Zikar. Islamābād: Dār Al-Nūr.*

17. *Dr. Dahar Mīndar Nāth. Hamaray Rasūl. Delhī: Khānah Farhang Jamhūrī Islāmī Irān, 2011.*

18. *Dr. Syid ʿAbd Al-Ḥamīd Ḍiā'ī. Madīnah. Delhī: Khānah Farhang Jamhūrī Islāmī Irān.*

19. *Dr. Muḥammad Ismāī Āzād. Sukhāt Ṣanam Khanah. Delhī: Educational Publishing House, 2013.*

20. *Dr. Muḥammad Ṭāhir Al-Qādrī. Asma-E- Muṣṭafā. Lāhor: Minhāj Al-Qurān Publications, 2002.*

21. *Rāmākar Shanrāo. Islām K Peghambar. Delhī: Markazi Maktabah Islāmī.*

22. *Raman Amruhwi. ṣadā-E- Dil. ʿAlīghar: Nadhī Computer, 2008 .*

23. *Swāmī Lakshman Parsād. ʿArab Ka Chānd. Delhī: Markazi Maktabah Islāmī.*

24. *Shihāb Al-Dīn Abū ʿAbdullah Yāqūt Bin Abdullah Al-Rūmī. MʿUajam Al-Buldān. Laipzig: 1869.*

25. *ʿAbad Al-Haq Muhadith Deglawī. Rāḥat Al-Qalūb. Delhī: Riḍwī Kutub Ghahar, 2009.*

26. *ʿIrfān ʿAbāsī. Tadhkirza-E-Shura-E-Atar Pardaish. Lakhanū: Nizamī Press, 1982.*

27. *Ali bin Burhan-ul-Din, Sirah Halbiah, Karchi: Dar-ul-Ashaat, 2009.*

28. *Ali bin Abdullah, Wafā-ul-Wafā, Bairut: Dār-al-Kutub Al-Ilmiah, 1419 H.*

29. *Fanī Muradabdī, Hindū Shuarā kā N'atia Kalām, Lailpur: Arif Publishing House, 1963.*

30. *Mahnamah Kanz-ul-'Iman, Dheli,*

31. *Muḥammad Bin Ismāīl Al-Būkharī. Al-Jami'al-Ṣaḥīḥ Al-Būkharī.* Bairut*: Dār Taoq al-Najah, 1422 H.*

32. *Muhammad bin Yusuf, Subul al-Hudā, Cairo: Ahyā al-Turāth al-Islamī, 1997.*

33. *Muhammad Mahfuz ul-Rahman, Hindū Shurā or Darbār-e-Rasūl main, Lakhnao: Ibrahimī, Press.*

34. *Muhammad Yusuf bin Ismail Nibhani, Jawāhir ul Bihār fī Fadhail al-Nabī al-Mukhtār, Lahore: Zia-ul-Quran Pbulication, 2013,*

35. *Muhammad Ahmad, Gulha-e-'Aqīdat, Nai Dheli: Al-Ashraf Academy, 2008.*

36. *Muhammad Ahmad, Gulha-e-'Ghair Muslim Shuarā kā N'atia Kalām: Al-Ashraf Academy, 2008.*

37. *Nur Ahmad Mirathi, Bahar Zaman Bahar Zuban, Karachi: Mihrab Press, 1996.*

38. *Haft Rozah, Urdu Morchah, Rahmat-al-Alamin Number, Delhi: 14 ta 18 October, 1989.*

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 69 - 87

طبقات "فقہائے حنفیہ" پر مؤلفات: تعارفی و تجزیاتی مطالعہ

The Compilation of Categories of Ḥanafī Jurists: An Introductory and Analytical Study

Majid Nawaz *, Muhammad Aslam, (Ph.D)[1]**

*PhD Scholar, University of Karachi, Karachi
**Assistant Prof. (Visiting) International Islamic University, Islamabad.

Keywords:

Fiqh Literature, *Ḥanafī Fiqh*, Jurists, *Ṭabaqāt-ul-Fuqahā*, Jurisprudence

Nawaz, M. and Aslam, M. (2020). The Compilation of Categories of Ḥanafī Jurists: An Introductory and Analytical Study. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *69 - 87*

© 2020 AUJIS. All rights reserved

Abstract: *Islamic Jurisprudence has vast ground to address human deliberations to solve and address the issues which are part of society in day to day life. The scholars have been adopted those specified jurists they had compiled Ḥanafī Fiqh for because of social experiments with the evolution of its progress. The work juristically has advanced to meet social challenges with the passage of time in different classes and groups across Ḥanafī Fiqh in the world that was titled classes of Ḥanafī Jurists (Ṭabaqāt-ul-Fuqahā). The later scholars prepared the research work on these classes of Ṭabaqāt-ul-Fuqahā to get verification about any religious order and command from the literature of Jurists. This study explores the scholar's views regarding these Ḥanafī classes to assess and comparison on behalf of a basic principle of Ḥanafī Fiqh. The historical overview of these classes provides a brief introduction to the evolution of Ḥanafī jurists in the world and describes their research work concerning contemporary problems among human and social trends. This research may awake modern researcher to put their work addressing society based matters which has a social requirement to open new avenues for the next step among the researchers of Islamic Sharī'ah.*

[1]Corresponding author, Email: hafizaslam786@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

علم فقہ کی اصطلاح میں احکام شرعیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے والے کو فقیہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع فقہا آتی ہے۔ ہر دور میں فقہائے کرام موجود رہے جو اُمت مسلمہ کی احکام شرعیہ کے حوالے سے رہنمائی کرتے رہے۔ فقہائے کرام کو چند طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقاتِ فقہا کی معرفت اہل علم اور اصحاب افتاء کے لئے از حد ضروری ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے فقہائے کرام کے مقام و مرتبہ کے بارے میں معرفت حاصل ہوتی ہے۔ طبقاتِ فقہا کی معرفت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کون سا فقیہ کس درجہ میں ہے اور اگر فقہائے کرام کے اقوال متعارض و متضاد آجائیں تو کس کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ علما نے اس فن پر متعدد کتب تصنیف کیں اور مختلف طبقات کے تحت فقہا کے تراجم و تعارف کو ذکر کیا ہے۔ طبقاتِ فقہا کی معرفت کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے ابن الحنائی "طبقات الحنفیۃ" میں فرماتے ہیں:

"لا بد للمفتی المقلد أن یعلمها ،حتی یعلم حال من یفتی بقوله فی مرتبة الروایة ودرجة الروایة ،لیکون علی بصیرة وافیة فی التمییز بین القائلین المتخالفین وقدرة کافیة فی الترجیح بین القولین المتعارضین "[1]

(مفتی مقلد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ضابطہ کو جانے، یہاں تک وہ جس کے قول پر فتوی دے رہا ہے اس کے حال کو روایت کے مرتبہ میں اور روایت کے درجہ میں جانتا ہو، تاکہ اس کے پاس دو مخالف قائلین کے اقوال کے درمیان فرق کرنے کی کافی بصیرت ہو اور اس کے پاس دو متضاد اقوال کے درمیان ترجیح دینے کے لئے کافی قدرت ہو۔)

اسی طرح ابن عابدین شامی کی "رد المحتار"[2] میں اور امجد علی اعظمی کی "بہار شریعت"[3] میں ہے۔

اس عبارت سے طبقاتِ فقہا کی معرفت کی ضرورت واہمیت بالکل عیاں ہے۔ جب تک مفتی کو کسی روایت کے درجہ اور مرتبہ کی واقفیت نہیں ہو گی اور جس فقیہ سے روایت مذکور ہے اس کا درجہ اور طبقہ معلوم نہیں ہو گا اس وقت تک دو مخالف اور متضاد روایات کے درمیان فرق کرنا، ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا اور ایک روایت جو محتمل الامرین ہو اس میں ایک امر کی تعیین کرنا بہت مشکل ہو گا۔

---

[1]۔ علاء الدین بن امر اللہ حمیدی، طبقات الحنفیۃ (بغداد: مطبعة دیوان الوقف السنی، س ن)، ۱:۱۴۵۔

[2]۔ محمد امین بن عمر شامی، شرح عقود رسم المفتی (کراچی: مکتبۃ البشری، ۱۴۳۰ھ)، ۹۔

[3]۔ امجد علی اعظمی، بہار شریعت (کراچی: مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ)، ۳:۱۰۵۷۔

فقہا کے تراجم ذکر کرنے کے فوائد

علما و فقہا کے تراجم یعنی حالات زندگی ذکر کرنے میں چند عمدہ فوائد ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ۔ یہ ہے کہ علما و صلحا کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾[4] (ترجمہ: اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔)

اور سلف میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اس سے مراد رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کا ذکر کرنا ہے اور انہیں یہ شرف اور فضیلت (۱) نبی اکرم ﷺ کی زیارت (۲) دین کا علم حاصل کرنے (۳) اور نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا تو تابعین اور ان کے بعد والے علما جب آخری دو وجوہ شرف میں ان کے ساتھ شریک ہیں تو ان تابعین اور مابعد کے علما کے ذکر اور تذکرے سے بھی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔[5]

دوسرا فائدہ۔ یہ ہے کہ فقہائے کرام کے مناقب اور احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ہم ان کے اچھے اعمال اور کردار سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور ان کے آداب و اخلاق سے اپنے آپ کو مزین اور آراستہ کرتے ہیں۔[6]

تیسرا فائدہ۔ یہ ہے کہ ان کے مراتب و درجات کے بارے آگاہی اور ان کے زمانہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے جس کی بدولت ہم ہر فقیہ کو اس کے مرتبہ پر رکھتے ہیں، نہ ہی عالی کو اس کے مرتبہ سے نیچے لاتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کو اس سے بلند کرتے ہیں بلکہ ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾[7] اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"امرنا رسول الله ﷺ أن ننزل الناس منازلهم "[8]

4۔ القرآن ۱۳:۲۸۔

5۔ عبدالقادر قرشی، الجواهر المضية في طبقات الحنفية (بیروت: داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۴۰۸ء)، ۱:۱۰۔

6۔ علی بن سلطان ہروی، الاثمار الجنية في اسماء الحنفية (ہند: مکتبہ خدابخش، ۲۰۰۲ء)، ۱:۱۳۶۔

7۔ القرآن ۱۲:۷۶۔

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھیں۔[9]

چوتھا فائدہ۔ یہ ہے کہ ہمارے آئمہ اور اسلاف ہمارے لیے ہمارے والدین کی طرح ہیں، انہوں نے امور آخرت کے حوالے سے ہماری رہنمائی کی جو کہ ہمیشہ کا گھر ہے، انتہائی غیر مناسب ہے کہ ہم ان کے حالات سے بے خبر رہیں اور ان کی معرفت نہ رکھتے ہوں۔[10]

پانچواں فائدہ۔ یہ ہے کہ اگر ہم ان فقہائے کرام کے حالات سے باخبر ہوں گے تو جب ان کے اقوال کے درمیان تعارض ہو گا تو ہم اس فقیہ کے قول کو ترجیح دیں گے جو ان میں سے زیادہ علم و تقوی والا ہو گا اور اس کے قول پر عمل کریں گے۔

چھٹا فائدہ۔ جب ان فقہائے کرام کا تعارف آئے گا تو ان کی کتب کا ذکر بھی ہو گا، جس سے ان کتابوں کی عظمت و جلالت ظاہر ہو گی۔[11]

کتب طبقات

علمائے کرام نے مفسرین کرام، آئمہ حدیث اور فقہا کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنے کے لئے کتب تصنیف کی ہیں ۔لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ یہ جانا جائے کہ علم طبقات پر لکھی گئی کتب میں کس چیز کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے محمد بن جعفر الکتانی "الرسالۃ المستطرفہ" میں کتب طبقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وهى التى تشتمل على ذكر الشيوح وأحوالهم ورواياتهم طبقة بعد طبقة وعصر ا بعد عصر الى زمن المؤلف "[12]

8۔ سلیمان بن اشعث سجستانی ،السنن، كتاب الأدب،باب فى تنزيل الناس منازلهم (الریاض: دارالسلام ،٢٠٠٦)، ٣٤٣:٢۔

9۔ علی بن سلطان،الاثمار الجنية فى اسماء الحنفية ،١٣٦:١۔

10۔ عبدالقادر،الجواهر المضية فى طبقات الحنفية،١٠:١۔

11۔ نفس مصدر،١١:١،١٠۔

12۔ احمد بن جعفر کتانی،الرسالة المستطرفة (بیروت:دار الكتب العلمية،١٤٠١ھ)،١۔

کتب طبقات ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں راویوں کا تذکرہ، ان کے احوال وواقعات اور روایتوں کا ذکر طبقہ درطبقہ مؤلف کے زمانے تک کیا جائے۔

مذکورہ بالا تعریف فنِّ حدیث میں لکھی جانے والی کتبِ حدیث کی صحیح ترجمانی کرتی ہے جبکہ طبقاتِ فقہا پر لکھی جانے والی کتب میں فقہائے کرام کا درجہ بدرجہ صدی کے اعتبار سے اور علم وفضل کے اعتبار سے جبکہ بعض کتابوں میں فقہا کے اسمائے گرامی کے حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کیا جاتا ہے جس میں ان کا سن ولادت، سن وفات، جائے پیدائش، القاب، کنیتیں اور کتب کو بیان کیا جاتا ہے۔

ذیل میں طبقاتِ فقہا پر جو کتب تصنیف کی گئیں ہیں ان کا مختصر تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔

فضائل أبی حنیفة وأخباره ومناقبه

یہ کتاب ابو القاسم عبد اللہ بن محمد (متوفی:335) کی تصنیف ہے۔۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ پھر اس کے بعد اپنی اس کتاب میں ایک باب باندھا ہے "ذکر ماانتهى الينا من العلما والفقهاء والمحدثين الذين أخذوا عن أبی حنيفة الحديث والفقه" اس باب کے ذیل میں آپ نے "فمن أهل الكوفة ،ومن أهل مكة ،ومن أهل المدينة ،ومن أهل اليمن ،ومن أهل البصرة،ومن أهل اليمامة، ومن أهل واسط ،ومن أهل الجزيرة ،ومن أهل الشام ومصر ،ومن أهل الری وخراسان" کے نام سے آپ نے ابواب باندھے ہیں اور ان شہروں اور ملکوں میں رہنے والے فقہائے احناف جنہوں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا ان کا ذکر کیا ہے۔[13]

أخبار أبی حنیفة وأصحابه

یہ کتابعبد اللہ حسین بن علی الصمیری (متوفی:436ھ) کی تصنیف ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے

13- عبد اللہ بن محمد سعدی، فضائل أبی حنیفة وأخباره ومناقبه (مكة مكرمة:المكتبةالامدادية،۱۴۳۱ھ)، ۱۴۳-۲۲۲۔

اصحاب کا تذکرہ کیا ہے۔ جس میں قاضی ابو یوسف، زفر بن ہذیل، داؤد طائی، محمد بن حسن شیبانی، حسن بن زیاد، عبد اللہ بن مبارک، اسماعیل بن حماد بن أبي حنیفة، عیسی بن أبان بن صدقة رحمة اللہ علیہم کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے طبقات بیان فرمائے اور باب کا نام "طبقات أصحاب أبي حنيفة رضی الله عنه الی وقتنا هذا" رکھا۔[14]

طبقات الفقهاء

یہ کتاب ابو اسحق شیرازی شافعی (متوفی:476ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب دارالرائک العربی، بیروت سے ڈاکٹر احسان عباس کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں سب سے پہلے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے، جنہیں فقہ میں مہارت اور شہرت حاصل تھی۔ اوراس کے بعد تابعین فقہا کا شہروں کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے مدینہ منورہ، پھر مکہ مکرمہ، یمن، شام اور جزیرہ، مصر، کوفہ، بصرہ، بغداد اور آخر میں خراسان سے تعلق رکھنے والے فقہائے کرام کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد مذاہب خمسہ (شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ، حنبلیہ، ظاہریہ) کے فقہا کا ذکر کیا گیا ہے۔

الجواهر المضية فی طبقات الحنفية

عبد القادر بن محمد القرشی[15] (متوفی: 775) کی یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ طبقاتِ فقہا حنفیہ پر ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ ہے جو کہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کل 2115 فقہائے کرام کے تراجم ذکر کیے ہیں۔

سبب تالیف

14۔ حسین بن علی صمیری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۵ھ)، ۱۵۵۔

15۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین ہے، آپ فقیہ اور محدث تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیہ، کتاب البستان فی مناقب النعمان اور کتاب الرد علی ابن ابی شیبہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی وفات ربیع الاول کے مہینے میں ۷۷۵ھ میں ہوئی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"زمانہ طالب علمی میں مجھے ایک ایسی جامع کتاب لکھنے کا شوق تھا کہ جس میں اصحاب حنفیہ کے تراجم کو جمع کیا جائے چونکہ فقہائے حنفیہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے اتنی بڑی تعداد کے تراجم کا احاطہ کرنا انتہائی دشوار تھا۔ چنانچہ میں دشواری کی وجہ سے اس کار خیر سے باز رہا اور متقدمین کی کتب میں جانچ پڑتال کرتا رہا۔ پھر سب سے پہلے مجھے اس کام پر میرے استاذ علامہ قطب الدین عبد اللہ الکریم نے اُبھارا اور اس کام کے لئے مجھے کتب تواریخ بھی دیں اور امام ابو العلاء البخاری کے فوائد ونکات بھی مہیا کیے اور میں نے اس باب میں ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ اسی طرح میرے استاذ امام علامہ ابو الحسن السبکی نے مجھے اس کام کی ترغیب دی اور اس کام کے لئے مجھے چند کتب بھی مہیا کی جیسے امام حاکم کی تاریخ نیشاپور وغیرہ، میں نے اس کتاب سے مفید چیزیں لیں اور اس کام میں سب سے زیادہ مہربانی ہمارے شیخ علامہ ابو الحسن علی المار دینی نے کی اور بہت زیادہ مدد کی۔ میں جب تک اس کام میں مشغول رہا میں ان کے پاس مسلسل حاضر ہوتا رہا اور مفید چیزوں کی طرف وہ میری رہنمائی کرتے رہے۔"[16]

مشتملات:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا۔

(۱)۔ کتاب کا مقدمہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ پہلا باب: اللہ تعالی کے اسماء حسنی کے بیان میں

۲۔ دوسرا باب: نبی کریم ﷺ کے اسماء کے بیان میں

۳۔ تیسرا باب: البستان فی مناقب إمامنا النعمان سے منتخب حصّہ پر مشتمل ہے۔"[17]

(۲)۔ کتاب الکنی (ترجمہ نمبر: ۱۸۷۲ تا ۱۹۹۳)[18]

(۳)۔ کتاب الذیل علی الکنی (۱۹۹۴ تا ۲۰۰۷)[19]

16۔ عبد القادر قرشی، الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية، ۱:۱۰۔

17۔ نفس مصدر، مقدمۃ التحقیق، ۱:۴۷۔

18۔ نفس مصدر، ۴:۷۔

(۴)۔کتاب النساء(۲۰۰۸تا۲۰۱۲)[20]

(۵)۔کتاب الأنساب(۲۰۱۳تا۲۰۵۶)[21]

(۶)۔کتاب الألقاب(۲۰۵۷تا۲۱۰۹)[22]

(۷)۔کتاب من عرف بابن فلاں(۲۱۱۰تا۲۱۱۵)[23]

نظم الجمان فی طبقات أصحاب إمامنا النعمان

یہ قلمی مخطوطہ ابراہیم بن محمد ابن دقماق(متوفی:790) کی تصنیف ہے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب قاضی جلال الدین شافعی کی جانب سے ابتلاء کا سبب بنی۔حاجی خلیفہ کے مطابق قلمی مخطوطہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔پہلی جلد میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری اور تیسری جلد میں امام اعظم کے اصحاب رحمہم اللہ کے تراجم ذکر کیے گئے ہیں اور حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے پہلی اور دوسری جلد جو کہ مصنف کی تحریر اور خط کے ساتھ ہے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔[24]مقالہ نگار نے نظم الجمان کے مخطوطہ کی تیسری جلد دیکھی جو کہ تین طبقات (پانچواں،چھٹا اور ساتواں)پر مشتمل ہے۔مصنف نے پہلے بالترتیب تینوں طبقات کے فقہا کے اسماء ذکر کیے ہیں پھر بالترتیب فقہا کے تراجم ذکر کیے ہیں۔ تیسری جلد کے اختتام پر مصنف رحمۃ اللہ علیہلکھتے ہیں کہ "تیسری جلد اللہ تعالی کے فضل اور توفیق سے اختتام پذیر ہوئی اور چوتھی جلد کے آغاز میں آٹھویں طبقہ کے فقہا کا ذکر کیا جائے گا۔"جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلمی مخطوطہ تین سے زیادہ جلدوں پر مشتمل ہے۔(25)

19۔ نفس مصدر۔۴:۱۰۱۔

20۔ نفس مصدر،۴:۱۱۷۔

21۔ نفس مصدر،۴:۱۲۵۔

22۔ نفس مصدر،۴:۲۵۶۔

23۔ نفس مصدر،۴:۴۵۱۔

24۔ مصطفی بن عبداللہ جلبی،کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون(**بغداد:**مکتبۃ المثنی،۱۹۴۱م)،۲:۱۰۹۸۔

25۔ ابراہیم بن محمد قاہری،نظم الجمان فی طبقات أصحاب إمامنا النعمان،مخطوطہ،۳:۲۰۵۔

تاج التراجم

یہ کتاب زین الدین قاسم بن قطلوبغا السودونی[26] (متوفی:879ھ) کی تصنیف ہے۔ آپ کی پیدائش 802ھ میں قاہرہ میں ہوئی اور سن وفات 879ھ ہے۔ یہ کتاب محمد خیر رمضان یوسف کی تحقیق کے ساتھ دار القلم، بیروت سے پہلی مرتبہ 1413ھ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی "تقدیم" محمد خیر یوسف لکھتے ہیں:

یہ کتاب پہلی مرتبہ 1279 میں شائع ہوئی اور دوبارہ مکتبۃ المثنی بغداد نے 1382ھ میں شائع کی۔"[27]

قاسم بن قطلوبغا السودونی (متوفی:879ھ) اس کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جب میں اپنے شیخ امام عالم علامہ امام العارفین شھاب الدین احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد المقریزی کی کتاب "التذکرۃ" پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں آئمہ احناف کے تراجم ذکر کیے، میں نے چاہا کہ ان فقہا کے تراجم کا اضافہ کروں جن کا تعارف مجھے آسانی سے میسر آسکے، اور اس میں اختصار کو پیش نظر رکھوں۔ میں اللہ سبحانہ وتعالی سے سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے اس کتاب کا خاتمہ آسان فرمائے۔"[28]

اس کتاب میں حروف تہجی کے مطابق فقہائے کرام کے تراجم ذکر کیے گئے ہیں۔

طبقات الفقهاء

---

[26]۔ آپ ۸۰۲ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابو العدل اور لقب زین الدین ہے۔ اپنے وقت کے امام، فقیہ اور محدث تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن ہمام، تاج احمد فرغانی، عز بن عبد السلام بغدادی اور عبد اللطیف کرمانی سے علم حاصل کیا۔ آپ نے ستر سے زیادہ کتب تصنیف کیں۔ ۴ ربیع الآخر ۸۷۹ھ میں حارہ الدیلم میں وفات پائی۔

[27]۔ قاسم بن قطلوبغا سودانی، تاج التراجم (دمشق: دار القلم ۱۴۱۳ھ)، ۷۔

[28]۔ قاسم بن قطلوبغا، **تراجم الحنفیہ**، ۸۵۔

یہ کتاب طاش کبری زادہ[29](متوفی:967ھ) کی تصنیف ہے، اس کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی بیان کیے ہیں اور پھر طبقاتی اسلوب پر اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب "الشقائق النعمانیۃ فیعلماالدولۃالعثمانیۃ"[30] بھی ہے اور یہ کتاب بھی فقہائے حنفیہ کے بارے میں ہی ہے، اس کتاب میں فقہائے حنفیہ کو دس طبقات میں بیان کیا گیا ہے۔

طاش کبری زادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> "یہ کتاب مختصر ہے جس میں طبقات حنفیہ کو ذکر کیا گیا ہے، اس کتاب میں ہر طبقہ میں سے ان آئمہ کرام کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے علم شریعت کو نقل کیا اور اسے آگے پھیلایا۔ فقہائے کرام کا ذکر ان کے درجات کے مطابق کیا ہے جو ان میں اقدم اور اعلی ہے اسے دوسروں پر مقدم کیا ہے۔ فقیہ کے لئے فقہا کی معرفت کے سوا کوئی چارہ نہیں اس لیے کہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محل اتفاق میں اجماع کے انعقاد کے حوالے سے کس کا قول معتبر ہو گا اور محل اختلاف میں کس کے قول سے صرف نظر کیا جائے گا اور اقوال میں تعارض کے وقت کس کے قول کو ترجیح دی جائے گی چنانچہ جو ان میں سے زیادہ علم اور تقوی والا ہے اس کے قول کو معتبر جانا جائے گا۔ واللہ المستعان"[31]

اسلوب

(۱)۔ مصنف نے ابن کمال پاشا کی طبقاتی تقسیم کو اپنی کتاب کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔[32]

(۲)۔ مصنف نے کتاب میں فقہا کو مقام و مرتبہ کے لحاظ سے رکھا ہے۔ سب سے پہلے امام اعظم کا تعارف، پھر امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا بالترتیب ذکر کیا ہے حالانکہ امام زفر کا سن وفات امام یوسف سے بھی پہلے ہے۔ امام ابو یوسف کا

29۔ آپ ۱۴ ربیع الاول ۹۰۱ھ کو پیدا ہوئے، علم صرف، نحو اور منطق اپنے والد گرامی سے حاصل کیے، اور صحیح بخاری اپنے استاذ علی محمد تونسی سے پڑھی اور سند اجازت بھی حاصل کی۔ ۹۳۳ھ میں قسطنطنیہ کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۹۵۲ھ میں قسطنطنیہ میں قاضی مقرر ہوئے یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں خراب ہو گئیں تو آپ نے اس منصب سے استعفی دے دیا۔

30۔ احمد بن مصطفی طاشکبری زادہ،الشقائق النعمانیۃ فی علماءالدولۃ العثمانیۃ (**بیروت**:دار الکتب العربی)،۱۵۔

31 احمد بن مصلح الدین طاش کبری زادہ،طبقات الفقهاء (**موصل**:مطبعۃ الزهراء الحدیثۃ،۱۹۶۱)،۶۔

32۔ نفس مصدر، ص،۷۔

سن وفات 183ھ ہے جبکہ امام زفر کا سن وفات 158ھ ہے۔

(۳)مصنف نے فقہا کے تراجم بیان کرنے میں زیادہ استفادہ علامہ قرشی کی کتاب الجواھر المضیۃ سے کیا ہے۔

(۴)۔مصنف نے سب سے آخر میں ابن کمال پاشا کا ذکر کیا ہے ۔[33]

طبقات الحنفية

اس کتاب کے مصنف کا نام مولی علاء الدین علی بن أمر اللہ الحمیدی المعروف بابن الحنائی وقنالی زادہ (متوفی :979ھ)ہے ۔ یہ کتاب ڈاکٹر محی ھلال السرحان کی تحقیق کے ساتھ پہلی مرتبہ "مطبعۃ (دیوان الوقف السنی)بغداد "سے 1426ھ بمطابق 2005م میں شائع ہوئی۔ محقق نے اپنی اس تحقیق کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔پہلی قسم دو فصلوں پر مشتمل ہے۔پہلی فصل میں مؤلف کے حالات زندگی،شیوخ،تلامذہ،آپ کی مؤلفات،طبقات حنفیہ پر لکھی جانے والی کتب کے اسماء،کتاب کے منہج واسلوب اور مقام ومرتبہ کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری قسم میں متن کتاب کو ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا موضوع

ڈاکٹر محی الدین ھلال السرحان اس کتاب کے موضوع کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ وہ کتاب ہے جو مختصر ہے جس میں فقہائے حنفیہ کے تراجم [حالات زندگی]کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔کتاب کی ابتداء امام اعظم ابو حنیفہ[متوفی:150]سے ہوتی ہے اور کتاب ابن کمال پاشا[متوفی:940]پر ختم ہوئی ہے۔"[34]

کتاب کا منہج:

ابن الحنائی اپنی اس کتاب کے منہج واسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ کتاب مختصر ہے اور طبقات فقہا احناف کو اس میں ذکر کیا گیا ہے۔میں نے اس کتاب میں مشہور آئمہ کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے ہر طبقہ میں علم شریعت کو نقل کیا اور آئمہ کرام کے درمیان اس کو پھیلایا۔ان کے احوال،درجات کے مطابق ہیں۔جو قدیم ہے اسے مقدم کیا گیا ہے اور اس کتاب کو عمدہ اور مناسب ترتیب پر بیان کیا گیا ہے۔"[35]

---

[33]۔ نفس مصدر،۱۳۶،۱۳۵۔

[34]۔ علی بن امر اللہ،**طبقات الحنفیہ**،۱:۸۸۔

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فقہائے کرام کا تقدیم کے اعتبار سے تذکرہ کیا ہے جو سن ولادت کے لحاظ سے مقدم ہے اس کا ذکر پہلے کیا ہے۔

ڈاکٹر محی الدین ھلال السرحان کتاب کے منہج واسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ابن الحنائی نے اس کتاب میں عموم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مشہور فقہا کے تراجم کو اختصار کے ساتھ کیے ہیں، جس قدر بڑا فقیہ ہے اس کے حالات زندگی اس قدر ضخیم ہیں۔ بعض فقہا کے تراجم ایک صفحہ پر مشتمل ہیں اور بعض کے ایک سطر پر۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو اکیس طبقات میں تقسیم کیا ہے اور اکثر زمانہ کے تسلسل کا لحاظ رکھا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے کتاب کا آغاز کر کے ابن کمال پاشا[متوفی:940] پر کتاب کا اختتام کیا ہے۔"[36]

ڈاکٹر محی الدین ہلال کے تبصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور فقہائے کرام کے تراجم پر انحصار کیا ہے۔ اور تراجم کے دوران فقیہ کی علمی شان و شوکت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض فقہائے کرام کے حالات زندگی ایک صفحہ پر مشتمل ہیں اور بعض کے ایک سطر میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات بیان کیے گئے ہیں اور فقہائے کے اکیس طبقات بیان کیے ہیں۔ اور کل 276فقہائے کرام کا ذکر کیا ہے۔ طبقہ اول میں امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم سے آغاز کیا ہے اور آخری طبقہ میں احمد بن سلیمان المعروف بابن کمال پاشا پر اختتام کیا ہے۔

اعلام الاخبار من فقهاء مذهب النعمان المختار

اس کتاب کے مصنف کا نام محمود بن سلیمان کفوی[37] (متوفی:990ھ) ہیں۔ یہ کتاب ایک قلمی نسخہ ہے جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کا ذکر کیا گیا ہے، بالخصوص خلفائے

35۔ نفس مصدر، ۱:۳۹۔

36۔ نفس مصدر، ۱۰۱۔

37۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور تبحر عالم دین تھے۔ آپ نے محمد بن عبد الوہاب اور سید محمد بن عبد القادر سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ایک مدت تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے شعبہ سے منسلک رہے۔ آپ نے ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

راشدین اور فقیہ صحابہ کرام اور کثیر الروایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے۔ پھر تابعین فقہا کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے "كتيبة الايمة المجتهدين واصحاب المذهب واهل اليقين"[38] کے نام سے باب باندھا ہے جس میں آئمہ مجتہدین کا ذکر کیا ہے اور پھر" كتاب أعلام الأيمة الحنفية وكواكب الاخيارالملة الحنفية من ذوى الفتيا والقضاة على حسب الامصار والطبقات بالاسانيد والضعنات"[39] کے نام سے باب باندھا ہے جس میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کا ذکر کیا ہے جو افتاء اور قضاء کا کام کرتے رہے ہیں۔ اور اس کے بعد اپنی اس کتاب کو بائیس حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس حصہ کے لئے "الكتيبة" کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے کہ آپ پہلی حصہ کے بارے میں لکھتے ہیں:"الكتيبة الاولى فى تلامذة أبى حنيفة الامام المجتهد المتقدم أبو يوسف يعقوب بن ابراهيم بن حبيب بن سعد الانصارى "[40]

الأثمار الجنية فى أسماء الحنفية

یہ کتاب علی بن سلطان محمد القاری[41] کی تصنیف ہے۔ آپ کا سن وفات 1014ھ ہے۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن ڈاکٹر عبد المحسن عبد اللہ أحمد کی تحقیق کے ساتھ پہلی مرتبہ "دیوان الوقف ،بغداد "سے 1430ھ بمطابق 2009م میں شائع ہوا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کو محقق نے دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں مصنف کے حالات زندگی اور خدمات اور دوسری فصل میں کتاب کا منہج واسلوب اور بنیادی اور ثانوی مصادر جن سے مصنف نے استفادہ کیا تھا ان کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے باب میں متن کتاب کو ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات بیان کیے گئے ہیں پھر آپ کے جلیل القدر تلامذہ کا ذکر کیا گیا

38۔ محمود بن سلیمان کفوی، أعلام الأخبار من فقهاء مذهب النعمان المختار، ۹۲، مخطوطہ۔

39۔ نفس مصدر، ۱۰۸۔

40۔ نفس مصدر، ۱۱۰۔

41۔ آپ ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں، لقب نور الدین ہے، ہرات میں پیدا ہوئے۔ احمد بن حجر ہیثمی مکی، ابو الحسن بکری، عبد اللہ سندی اور قطب الدین مکی سے علم حاصل کیا، آپ نے بہت ساری کتب تصنیف کیں، جن میں سے مرقاۃ شرح مشکوۃ اور شرح فقہ اکبر زیادہ مشہور ہیں، آپ نے شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ میں وفات پائی۔

ہے۔اس کے بعد مختلف ممالک اور شہروں سے آنے والے آپ کے تلامذہ کا ملکوں اور شہروں کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے۔مصنف نے 730 فقہا کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد کتاب الکنی، کتاب النساء، کتاب الأنساب اور کتاب الجامع کے نام سے ابواب ذکر کیے ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الانصاری کی تحقیق کے ساتھ "خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری ،پٹنہ ،ہند "سے 2002ء میں شائع ہوا۔یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔پہلا باب طبقات حنفیہ پر لکھی جانے والی کتب کے بارے میں ہے۔دوسرا باب مصنف کے حالات زندگی، تیسرا باب ہم عصر علما کا تعارف، چوتھا باب مصنف کی کتب بالخصوص مصنف کی تراجم پر لکھی گئی کتب پر مشتمل ہے۔پانچواں باب مصنف کے علمی مقام و مرتبہ اور چھٹا باب متن کتاب پر مشتمل ہے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سب سے پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے اور اسکے بعد آپ کے مشہور تلامذہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ آپ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

"فصل:فی بقیة طبقا ت الحنفیة المشهورین فی طریقة الحنفیة اودرها علی ترتیب الحروف الهجائیة وهی خلاصة الجواهر المضیة والزواهر المرضیة [42]

(فصل: دیگر طبقات حنفیہ کے بیان میں جو حنفی طریقہ پر مشہور ہیں، انہیں حروف تہجی کی ترتیب پر ذکر کیا گیا ہے اور یہ الجواھر المضیۃ اور الزواھر المرضیۃ کا خلاصہ ہے-)

محقق اس کتاب کے چوتھے باب میں لکھتے ہیں کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صدی ہجری سے آٹھوی صدی ہجری تک کے فقہائے حنفیہ کے حالات زندگی اس کتاب میں ذکر کیے ہیں جنکی تعداد 718 ہے اور اس کے بعد "باب الکنی" کے نام سے باب باندھا ہے اور ان فقہائے کرام کا ذکر کیا ہے جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور اس کے تحت 55 فقہائے کرام کا ذکر کیا ہے۔پھر "کتاب النساء" کے نام باب باندھا ہے اور اس کے تحت 5 فقیہات کا ذکر کیا ہے۔پھر "کتاب الأنساب" کے نام سے باب باندھا ہے اور اس کے تحت 142 انساب کا ذکر کیا ہے۔اور پھر "کتاب الجامع "لائے ہیں اور اس میں مختلف فوائد ذکر کیے ہیں۔[43] یہ کتاب حروف تہجی کے اعتبار سے تالیف کی گئی ہے۔

42۔ علی بن سلطان محمد ہروی، الاثمار الجنية فی اسماء الحنفية (عراق: دیوان الوقف السنی، ۱۴۳۰ھ)، ص، ۲۹۵۔

43۔ نفس مصدر، ۳۲،۳۱۔

الطبقات السنية في تراجم الحنفية

اس کتاب کے مصنف تقی الدین بن عبد القادر التمیمی [44](متوفی :1010ھ)ہیں۔ یہ کتاب عبد الفتاح محمد الحلو کی تحقیق کے ساتھ "دارالرفاعی، ریاض" سے پہلی مرتبہ 1403ھ بمطابق 1983م میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے ۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں خطبہ کے بعد "تاریخ" کے متعلق چند مفید مباحث ذکر کی ہیں۔اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی سیرت، صفات، اسماء، اخلاق اور معجزات کو ذکر کیا ہے۔ پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اور اس کے حروف تہجی کے اعتبار سے فقہائے حنفیہ کا ذکر کیا ہے۔ پہلی جلد میں 276 فقہائے کرام کا ذکر کیا ہے۔ دوسری جلد میں 620 فقہائے کرام کا ذکر مکمل کیا ہے۔ تیسری جلد میں 894 فقہائے کرام کا ذکر مکمل کیا ہے۔ چوتھی جلد میں 1388 فقہائے کرام کا ذکر مکمل کیا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ ابن کمال پاشا کی طبقاتی تقسیم بھی اپنی کتاب میں ذکر کی ہے، اور اسے بہت عمدہ تقسیم قرار دیا ہے۔[45]

مهام الفقهاء

یہ کتاب محمد کامی الادرنوی کی تصنیف ہے۔ یہ ایک قلمی مخطوطہ ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب حروف تہجی کے اعتبار سے تالیف کی گئی ہے۔[46]مصنف نے اس کتاب میں ابن کمال پاشا کی مشہور طبقاتی تقسیم کو بھی ذکر کیا ہے۔[47]اس کے بعد آئمہ اربعہ کے تراجم ذکر کیے ہیں اور پھر آئمہ احناف کا تذکرہ کیا ہے۔

الفوائد البهية في تراجم الحنفية

اس کتاب کے مصنف کا نام ابو الحسنات علامہ محمد عبدالحی الکنوی [48] ہے۔ اس کتاب کی تصحیح سید محمد بدر الدین أبو فراس النعسانی نے کی اور کچھ زوائد کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ کتاب "دارالکتاب الاسلامی، القاہرہ" سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب

44۔ آپ ۹۵۰ھ میں پیدا ہوئے، قاضی بھی رہے، آپ نے بہت ساری کتب تصنیف فرمائیں اور مصر میں ۵ جمادی الثانی بروز ہفتہ ۱۰۱۰ھ میں وفات پائی۔

45۔ تقی الدین بن عبد القادر تمیمی، الطبقات السنية في تراجم الحنفية (بیروت: دار القلم ۱۴۰۹ھ)۴۳،۴۱۔

46۔ محمد کامی ادرنوی، مهام الفقهاء، مخطوطہ، ۲۔

47۔ نفس مصدر، ۳،۲۔

خطبہ، مقدمہ متن اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں کل ۵۸۷ فقہائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے اکثر فقہائے کرام حنفی ہیں، بعض شافعی اور مالکی فقہا کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے اعتبار سے لکھی گئی ہے۔[49] کتاب کا خاتمہ دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں مبهمات کی تعیین کی گئی ہے[50] یعنی اکثر فقہائے کرام نے کتب فقہ کے اندر صرف وصف، نسبت اور کنیت کا ذکر کیا ہے اور اسی کنیت، نسبت یا وصف میں دوسرے فقہا بھی شریک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے نام کے تعیین میں مشکل پیش آتی ہے۔ مصنف نے اس فصل میں اس کی وضاحت کی ہے اور کنیت، نسبت اور وصف مع اسم ذکر کیے ہیں۔

حدائق الحنفیة

اس کتاب کے مصنف کا نام مولوی فقیر محمد جہلمی[51] رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ یہ کتاب "مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن، کراچی" سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا حواشی اور تکملہ خورشید احمد خان، ایم اے نے لکھا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ(13) حدائق پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر 1300ھ تک کے فقہائے احناف کے حالات زندگی جامعیت اور اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ذکر فرمائے ہیں۔

اس کتاب میں علما وفقہا کا تذکرہ سن وفات کے اعتبار سے کیا گیا ہے[52] اور جن علما وفقہا کی تاریخ وفات حتمی طور پر معلوم نہیں ہو سکی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ہر ایک صدی کے آخر میں جس میں وہ فوت ہوئے ذکر کر دیا ہے۔ اس کتاب میں

48۔ آپ ۲۶ ذوالقعدہ ۱۲۶۴ھ بمطابق ۲۴ اکتوبر ۱۸۴۸ء کو باندہ، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دس سال کی عمر میں حفظ اور سترہ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کر لی تھی۔ آپ نے سو سے زائد کتب تصنیف کیں۔ علم حدیث اور علم التراجم کے بہت ماہر تھے۔ آپ نے ۱۳۰۴ھ کو جوانی کی عمر میں وفات پائی۔

49۔ عبدالحی لکنوی، **الفوائد البھیة فی تراجم الحنفیة** (قاہرہ: دارالکتاب الاسلامی)، ۴۔

50۔ نفس مصدر، ۲۳۳۔

51۔ آپ ۱۲۶۰ھ میں موضع چتن، جہلم شہر میں پیدا ہوئے، میاں قطب الدین، میاں غلام محمد، مولوی نور احمد، مولوی عبد الکریم اور مولوی محمد حسن وغیرہ سے اکتساب علم کیا۔ چند کتب تصنیف کیں، ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء بمطابق ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے انتقال ہوا، جہلم شہر کے قبرستان میں اپنے بیٹے سراج الدین کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

52۔ فقیر محمد جہلمی، **حدائق الحنفیة** (کراچی: مکتبہ ربیعہ)، ص، ۱۸۔

کل 914 علما وفقہا کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے 180 برصغیر کے ہیں اور 734 بیرون برصغیر یعنی برصغیر کے علاوہ دیگر ممالک میں رہنے والے ہیں۔ کتاب کے تکملہ میں 103 علما وفقہا حنفیہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب تین سال کے عرصہ میں 1297ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ کتاب مطبع نولکشور سے تین مرتبہ شائع ہوئی، پھر یہ کتاب لاہور سے شائع ہوئی تھی مگر عرصہ دراز تک نایاب رہی۔ پھر اسے دوبارہ مکتبہ ربیعہ کراچی سے شائع کیا گیا۔ مصنف نے ابن کمال پاشا کی طبقاتی تقسیم کو بھی ذکر کیا ہے۔[53]

خلاصہ بحث

اس بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل امور کی صورت میں ذکر کیا جاسکتا ہے:

- طبقات نگاری بنیادی طور پر علم تاریخ کا پہلو ہے۔
- طبقات نگاری کی مختلف اقسام ہیں جیسے طبقات المفسرین، طبقات المحدثین وغیرہ۔ ان میں سے ایک طبقاتِ فقہا بھی ہے۔ چاروں مذاہب (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ) کے اپنے طبقات ہیں۔
- اہل علم کے لئے ان طبقات کی معرفت از حد ضروری ہے اس لیے طبقات فقہا کی معرفت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کونسافقیہ کس درجہ میں ہے اور اختلاف روایات کے وقت کس کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔
- تمام مذاہب کے علمانے اپنے مذہب کے فقہا کی طبقہ بندی کرتے کتب تصنیف کیں ہیں، اسی طرح طبقات فقہائے حنفیہ پر بھی کتب لکھی گئی ہیں۔
- طبقاتِ فقہائے حنفیہ پر جو کتابیں تحریر کی گئیں ہیں ان کا اسلوب اور منہج مختلف ہے۔ بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں فقہا کے تراجم حروف تہجی کے لحاظ سے ذکر کیے گئے ہیں جبکہ بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں فقہا کے علم وفضل کا اعتبار کیا گیا ہے اور کچھ کتابیں ایسی ہیں جن میں فقہا کے سن وفات کا لحاظ کیا گیا ہے۔
- الجواھر المضیۃ اس فن میں سب سے ضخیم کتاب ہے اور مصدر اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے اعتبار سے تحریر کی گئی ہے اور بعد میں جو کتابیں تالیف کی گئیں ہیں ان سب میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

53۔ نفس مصدر، ۴۰۔

Bibliography

1. *Abū ʿAbdullah, Ḥussuain Bin Alī, Al-Ṣamīrī, Akhbār-O-Abī Ḥanīfah Wa Aṣkhābuhoo, Ālim Al-Kitub, Beirūt, 1423ah.*
2. *Abū Al-Fidā, Qāsim Ibni Qaṭlūbaghā, Al-Sodānī, Tāj Al-Tarājim Fī Ṭabaqāti Al-Ḥanafiyyah, Dār Al-Qalam, 1413 Ah.*
3. *Adarnavī, MuḥammadKamī, Muham Al-Fuqāha, Ṭabaqāt Al-Fuqāha, Makṭūṭah, Dār Al-Kitab Al-Waṭanīyah, Tīunas, Tārīkh Al-Taṣwīr, 1982.*
4. *Al-Katāni, Muḥammad bin JʿAfar, Al-Risālah Al-Mustaṭrifah, Dār Al-Kutub Al-Ilamīyyah, Beirūt.*
5. *Amjid ʿAlīAʿAẓmī, Bahār-E-Sharīat, Maktab Al-Madīnah, Bāb Al-Madīnah, Karāchi.*
6. *Bukharī, Muḥammad Bin Ismāīl, Al-Jamiʿ Al-Ṣaḥīḥ, DārIbniKathīr, Beirūt, 1408Ah.*
7. *Harwī, Qarī, ʿAlī Bin Sulṭān Muḥammad, Al-Athmār Al-Junīyah FīAsmāi Al-Ḥanafīyah, Dīwān Al-Waqaf Al-Sunī, Irāq.*
8. *IbniĀjā, Shams Al-Dīn, Muḥammad Bin Maḥmūd Bin Khalīl, ṬabaqātiAl-Ḥanafiyah, Dār Al-MʿArifah, Beirūt 1305 Ah.*
9. *Ibni Al-Ḥanāī, ʿAlī Bin Amarullah, Al-Ḥamīdī, ṬabaqātAl-Ḥanafīyah, Dīwān Al-Waqaf Al-Sunī, Irāq, 1426ah.*
10. *Jhelamī, Mulvī, Faqir Muḥammad, Ḥadāiq Al-Ḥanafīyah, Maktabahi Rabīʿah, Karāchi.*
11. *Kafwī, Maḥmūd Bin Suelimān, Ālām Al-Akhbār Min Fuqhā-E-Matahabi Al-Numān Al-Mukhtār, Makṭūṭah.*
12. *Muḥammad Amīn Bin ʿUmarShāmā, SharḥʿAqūd Rasam Al-Muftī, Maktabah Al-Busharā, Karāchi, 1430ah.*
13. *Muṣṭafā Bin Abdullah Jalbī, Kashaf Al-Ẓanūn An Asāmī Al-KutabWa Al-Fanūn, Maktabah Al-Muthanā, Baghdad.*
14. *Qarī, ʿAlī Bin Sultān, Sham Al-ʿAwārid Fī Tham Al-Rawāfiḍ, Markaz Al-Furqān, Qāhirah, 1425 Ah.*
15. *Qarshī, Abd Al-Qadīr Bin Muḥammad, Al-Jawāhir Al-Muḍīyah Fī Ṭabaqāt Al-Ḥanafīyah, Dār Al-Aḥyā Al-Kutab Al-ʿArabīyah, 1408 Ah.*

16. *Rumī, Qāzī, Muḥammad Kāmī Bin Ibrahīm, Al-Adranwī, Muhām Al-FuqāhaFīṬabqāt, Makṭūṭah.*

17. *Ṣamīrī, Qāzī, ḤussainBinʿAlī, Akhbār-O-Abī Ḥanīfah Wa Aṣkhābuhoo, Ālam Al-Kutab, Beirūt, 1405 Ah.*

18. *Shirazī, AbūIsḥaq, Ibrahīm Bin ʿAlī, Ṭabaqāt Al-Fuqāha, Dār Al-Rāik Al-ʿArabī, Beirūt.*

19. *Sudūnī, Abū Al-Fidā, Qāsim Bin Qaṭlubaghā, Tāj Al-Tarājam, Dār Al-Qalam, Beirūt.*

20. *Sulimān Bin Ash'athSajistānī, Al-Sunan, MaktabahDār Al-Salām, 2004.*

21. *Tamīmī, Taqī Al-Dīn Bin ʿAbd Al-Qādir, Al- Ṭabaqāt Al-Sunīyah FīTarājim Al-Ḥanfiah, Dār Al-Qalam, Beirūt, 1409Ah.*

22. *Ṭāshkabrī Zādah, Aḥmad Bin Muṣleh Al-Dīn, Ṭabqāt Al-Fuqāha, Maṭbʿ Ah Al-Zahrā Al-Ḥadithah, Mūsil, 1380 Ah.*

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 88 - 106

خانوادہ عثمانیہ بدایوں کی کلامی مباحث پر مشتمل چند کتب: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

The Compilation of *Khānwādah `Uthmāniah Badāyūn* in Theology: A Critical Study

Mazhar Husain Bhadro*[1], Muhammad Abid Nadeem, (Ph.D)**
*PhD Scholar, Department of Arabic and Islamic Studies, GC University, Lahore
**Associate Prof. Department of Arabic and Islamic Studies, GC University, Lahore

Keywords:

Islamic Theology, *Khānwādah `Uthmāniah*, *Badāyūn*, Indo-Pak

Bhadro, M. H. and Nadeem, M. A. (2020). The few Compilation of Scholars and Students from Khānwādah `Uthmāniah Badāyūn in Theology (A Critical Study). *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), 88 - 106

© 2020 AUJIS. All rights reserved

Abstract: *Just as the stories of great ruling families are found on the political horizon of the world, so are the stories of many famous families in the Islamic scholarly world. Among them Khānwādah `Uthmāniah Badāyūn holds an exceptional position due to its uniqueness and efficacy. The Scholars ('Ulamās) of this family and their students have rendered invaluable services for advancement of Islamic teaching and their services are beyond admiration. The number of publications of this family amounts to hundreds. This also examine the authenticity and historic standing of Khānwādah `Uthmāniah on the advancement and publication of Islamic theology and education but this research explores here those books written by scholars and students of Khānwādah `Uthmāniah Badāyūn related to 'lm-ul-Kalām such as Allama FazalRasoolBadāyūnī authored masterpieces like "ZiyāratRasūl Ullah", "'AqīdahShafā'at", "Bwāriq-e-Muhammadiya", and "Saif-ul-Jabbār" etc. Other books include "Shams-ul-'Imaān" by Allama Muhammad Mohy-ud-dīnOsmāni, "Islam kȳBunyādī 'Aqāid" by Allama Abdul QadīrBadāyūnī, "AqāidAhl-e-Sunnat" and "Jammi' Fatwā: Al-jawāb ul-mashkūr" by Allama Abdul Hamid Badāyūnī, "Sheikh Ibn-e-Taymiyyah ky 'Aqāid-o-Afkār" by Maulānā Abdul SammadChishtīSehswaanī, "Mas'laQayām-e-Ta'zīmī" by Maulānā Hussain Ahmad Qadrī, and some other relevant work of this pioneer family. The style of these books is simple, educational, and exploratory. Even a layman can get knowledge according to the given methodology from these books. This article explains traditional work of Khānwādah `Uthmāniah Badāyūn for the promotion of Islamic theology in Indo-Pak with innovation of religious preaching for the will of God.*

[1]Corresponding author, Email: mazharhussainbhadroo@gmail.com

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد انسانیت کی ہدایت ور ہنمائی کے لیے علمائے ربانیین کے سلسلے کو جاری رکھا جو مردہ دلوں کو زندہ کرتے رہے۔ ایمان کی کھیتیوں کو سیراب کرتے رہے۔ اسلام کی تاریخ میں شورائی نظام کے موروثی نظام میں تبدیل ہو جانے کے بعد اسلامی روایات کے حامل افراد کو علمائے کرام کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ برصغیر میں علمائے ربانیین نے علوم دینیہ کے فروغ کے حوالے سے بڑا کلیدی اور ماہیت کے لحاظ سے انتہائی عمدہ کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اعلیٰ کردار، انسان دوستی اور سماجی بھلائی پر مبنی تعلیمات سے برصغیر کے باشندوں کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کی۔ ان علمائے ربانیین نے بلا تخصیص مذہب و مسلک اسلام کے اعلیٰ اقدار اور اجتماعی مفادات کی بنیاد پر ایک اعلیٰ معاشرے کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج کا مورخ اس بات پر حیران رہ جاتا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں ایک قلیل تعداد ہونے کے باوجود مسلمان کیونکر غالب و حکمران رہے؟ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس کے پیچھے ہمیں انہی علمائے ربانیین کا کردار و عمل نظر آتا ہے جنہوں نے ایک منتشر خطے کو ایک فکری وحدت دی اور انسان وسماج دوستی کی اعلیٰ اقدار کو فروغ دیا۔

ان علمائے ربانیین کے علم و عمل کی ترقی، علوم دینیہ کا احیاء اور معاشرتی اثر و نفوذ دیکھ کر بعض نام نہاد علمائے سو نے اپنے روحانی تعیش اور سماجی وقار کے پیش نظر دین میں متعدد خرافات اور غیر اسلامی نظریات کو شامل کر کے ان کی اصل روح اور مقصد کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کی کوششیں مجددین وقت اور علوم دینیہ کے احیاء کے علم برداروں کی فکری وشعوری تعلیمات کے سامنے کوئی برگ وبار نہ لاسکیں۔ ان علمائے ربانیین نے ایک اور قدم آگے بڑھ کر علوم دینیہ کے فروغ کے لیے سیاسی حلقوں میں ایک مضبوط اور طاقتور حزب اختلاف کا بھی کردار ادا کیا۔

ان علمائے ربانیین نے علوم دینیہ کے مختلف گوشوں سے حالات حاضرہ کے مطابق عوام الناس کو مستفید کرنے کے لیے کتب تالیف کیں۔ جن میں قرآن، حدیث، تفسیر، سیرت، کلامی مباحث، تذکرہ نویسی، ادب، فلسفہ، تصوف، سماجیات، معاشیات، سیاسیات اور استغراب جیسے مباحث پر کتب شامل ہیں۔ اس آرٹیکل میں کلامی مباحث کے حوالے سے تحریر کی گئی کتب کا تحقیقی مطالعہ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ علم العقائد کے حوالے سے پیدا شدہ مسائل کی تہہ تک پہنچا جاسکے اور بروقت ان کا تدارک کیا جاسکے۔

خانوادہ عثمانیہ بدایوں[1]

برصغیر پاک وہند میں علوم دینیہ کے فروغ میں خانوادہ عثمانیہ بدایوں نے گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری، حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد سے تھے۔ جو ساتویں صدی ہجری (کتب سوانح و تاریخ میں سن متعین نہیں ہے البتہ سن وصال ۶۲۵ھ درج ہے) کے آغاز میں اسلامی افواج کے ساتھ آئے اور لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر دیوبند منتقل ہوئے، پھر قاضی عساکر بدایوں بنائے گئے اور سید احمد بخاری (والد سید نظام الدین اولیاء) کے بعد قاضی بدایوں مقرر ہوئے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ اس وقت سے اس خانوادہ کی علمی ودینی خدمات کا سلسلہ قائم وجاری ہے۔ خانوادہ عثمانیہ کی خدمات کا دائرہ آٹھ صدیوں پر محیط ہے۔ یہ ایک ایسا شرف وامتیاز ہے جو شاید برصغیر کے بہت کم خانوادوں کو حاصل ہے۔[2] خانوادہ عثمانیہ بدایوں اپنے دامن میں پورا دبستان لیے ہوئے ہے۔ جو تاریخ کے ہر دور میں سرسبز وشاداب نظر آتا ہے۔ کلامی مباحث کے حوالے سے اس خانوادے کے علما اور تلامذہ نے متعدد کتب تصنف کیں جن میں فضل رسول بدایونی، محمد محی الدین قادری عثمانی، عبد القادر بدایونی، حکیم عبد القیوم شہید قادری، عبد الحامد بدایونی، سید عبد الصمد چشتی سہسوانی، حبیب الرحمٰن قادری، حسین احمد قادری اور دلشاد احمد قادری کی کتب شامل ہیں۔ کلامی مباحث پر مشتمل کتب کا تحقیقی مطالعہ کرنے کا مقصد امت مسلمہ میں علم العقائد کے حوالے سے پیدا ہونے والے مسائل کو قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے اقوال وافکار کی روشنی میں جانچا جاسکے اور اس کی صحیح روح تک پہنچا جاسکے۔ امت مسلمہ میں اغیار نے جو تشکیک والحاد کے بیج بوئے ہیں ان کا قلع قمع کیا جاسکے اور ان مسائل کے نتیجے میں پیش آمدہ مسائل سے پیشگی بچا جاسکے۔

1۔ بدایوں برصغیر پاک وہند کا ایک قدیمی شہر ہے جو کہ ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں واقع ہے۔ علمی، روحانی اور فکری اعتبار سے بدایوں کو مدینہ الاولیاء بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی باقاعدہ بنیاد ۹۰۵ء میں ایک ہندو راجانے رکھی جبکہ ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود غزنوی کے بھانجے سالار مسعود غازی نے اسے فتح کیا۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے روح رواں خواجہ نظام الدین اولیاء کا تعلق بھی سرزمین بدایوں سے تھا۔ (دیکھیے: خانقاہ عالیہ قادریہ: تعارف وخدمات، بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، س ن، ۳)۔

2۔ عبد العلیم مجیدی، **تذکرہ خانوادہ قادریہ** (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء)، ۹۔

زیارت روضہ رسول ﷺ

یہ فضل رسول بدایونی[3] کی تصنیف ہے۔ مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی نے ۱۲۶۴ھ میں روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے مسئلہ پر "منتهيا لمقال فيشر حـحديثلا تشدالرحال" رسالہ تالیف کیا۔ منتهى المقال کی پہلی اشاعت کے بعد کسی نے اس کے مباحث کے سلسلہ میں سات سوال لکھ کر فضل رسول بدایونی کو بھیجے تھے۔ یہ کتاب زیارت روضہ رسول ان سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ مثال کے طور پر سائل سوال نمبر ۶ میں کہتا ہے:

> "ابن تیمیہ حنبلی تھے اور بے شمار مسائل میں مذاہب اربعہ کے علما نے آپس میں اختلاف کیا ہے۔ لہذا یہ مسئلہ بھی اسی قسم کے مسائل میں سے ہو سکتا ہے۔"[4]

فضل رسول بدایونی مندرجہ بالا سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> "ابن تیمیہ کے یہ اقوال ان کے حنبلی ہونے کی حیثیت سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ مسئلہ مذہب امام احمد بن حنبل میں آیا ہے بلکہ اس مسئلہ میں جمہور حنابلہ، حنفی، شافعی اور مالکی علما کے ساتھ متفق ہیں۔ اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کا مسلک دین میں ابتداع اور اجماع کے خلاف ہے۔"[5]

فصل الخطاب

فصل الخطاب، فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ اس کا پورا نام "فصل الخطاب بين السنى و بين أحزاب عندالوهاب" ہے۔ چونکہ یہ رسالہ ایک خاص قسم کے افکار و نظریات کے تنقیدی محاسبہ کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اس لیے

3۔ فضل رسول بدایونی ۱۲۱۳ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے، مروجہ درسی کتب کی تحصیل و تکمیل مولوی نور الحق فرنگی محلی انوار الحق فرنگی محلی جو کہ بحر العلوم ملا عبد العلی کے شاگرد تھے سے کی۔ علم طب حکیم ببر علی خان موہانی سے حاصل کی۔ علم حدیث و تفسیر شیخ مکہ عبد اللہ سراج اور شیخ عابد مدنی سے پڑھا۔ علم تصوف اپنے والد گرامی سے حاصل کیا۔ اجازت و خلافت بھی اپنے والد ماجد سے پائی۔ ساری زندگی مخلوق کی ہدایت و تعلیم اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ نے سولہ سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔ ۱۲۸۹ء میں وصال ہوا اور بدایوں میں مدفون ہوئے۔ (دیکھیے: خوشتر نورانی، **علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات**، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۱۳ء، ۱۹۳)۔

4۔ فضل رسول بدایونی، **زیارت روضہ رسول**، ترجمہ و ترتیب، اسید الحق قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)، ۳۶۔

5۔ نفس مرجع، ۵۰۔

اس میں ان افکار و نظریات کے حاملین کی کتب سے ۱۱۰ اقوال کا انتخاب کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ اقوال اہل سنت کے مخالف ہیں اور معتزلہ وخوارج وغیرہ کے عقائد و نظریات کے موافق ہیں۔ پھر ان عقائد و نظریات کی تردید میں جمہور علما اہل سنت اور علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی کتب سے استدلال کیا ہے۔ اس رسالہ کے جواب میں حیدر علی ٹونکی (م ۱۲۷۳ھ) نے ایک رسالہ "کلمۃ الحق" کے نام سے تصنیف کیا پھر اس کے جواب میں علامہ فضل رسول بدایونی نے "تلخیص الحق" نامی کتاب تصنیف کی۔ فضل رسول بدایونی کے اس استدلال اور جواب پر اٹھارہ علما کرام نے دستخط اور مواہیر ثبت کیں۔[6]

حرز معظم

فضل رسول بدایونی نے ۱۲۶۵ھ میں اردو زبان میں تالیف کی۔ چند سال بعد عبد القادر بدایونی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ "مجموعہ رسائل و فرائد" کے نام سے شائع کیا۔ اس مجموعہ میں حرز معظم کے علاوہ تین رسائل اور بھی تھے۔ یہ مجموعہ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں مطبع کوہ نور لاہور سے شائع ہوا۔ اس کی جدید اشاعت ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے کی۔ یہ تبرکات و آثار کی تعظیم و تکریم کے مباحث پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے تبرکات اصلیہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تبرکات مثالیہ غیر مصنوع کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے اور آخر میں تبرکات مثالیہ مصنوعیہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ تبرکات اصلیہ کے بیان میں کتاب الشفاء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "نبی کریم ﷺ نے حضرت حنظلہؓ کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور برکت کی دعا کی۔ پھر حضرت حنظلہؓ کے پاس کوئی آدمی لایا جاتا جس کے چہرہ پر ورم ہوتا یا کوئی ایسی بکری آتی جس کے تھن متورم ہوتے تو آپ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ متورم مقام پر رکھ دیتے تو ورم دور ہو جاتا"۔[7]

عقیدہ شفاعت

یہ فضل رسول بدایونی کی تالیف ہے۔ اس کا پورا نام "فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین" ۔ اس کا سن تالیف ۱۲۶۸ھ ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ ہی میں مطبع مفید الخلائق دہلی سے اس کی اشاعت ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۳۱۰ھ میں مطبع احمدی سے شائع ہوا۔ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۹۸ء میں ماہنامہ مظہر حق بدایوں میں مفتی عبد الحکیم نوری مصباحی کی تسہیل کے ساتھ قسط وار شائع کیا۔ تسہیل، ترتیب اور تخریج کے ساتھ چوتھا ایڈیشن تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔

6۔ فضل رسول بدایونی، **فصل الخطاب**، تسہیل و تخریج، اسید الحق قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)، ۴۵۔

7۔ فضل رسول بدایونی، **حرز معظم**، ترجمہ و تخریج، اسید الحق قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء)، ۴۰۔

فضل رسول بدایونی نے سب سے پہلے شفاعت کے متعلق جمہور اہل سنت کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد معتزلہ انکار شفاعت پر جو دلائل دیتے ہیں وہ بیان کیے ہیں۔ پھر معتزلہ کے دلائل کا رد کیا ہے۔ اس کے بعد مسئلہ شفاعت پر اہل سنت کے دلائل بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور مسئلہ شفاعت کے نام سے عنوان قائم کیا ہے۔ بعد ازاں شاہ رفیع الدین دہلوی کا عقیدہ بیان کیا ہے پھر مقام محمود سے شفاعت مراد ہے کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس کے بعد احادیث شفاعت بیان کی ہیں۔ پھر وہ اعمال جو شفاعت کو واجب کرتے ہیں ان کو درج کیا ہے۔ اس کے بعد ملائکہ، علما، شہداء، صالحین اور مؤذنین کی شفاعت کے حوالے سے روایات کو قلم بند کیا ہے۔ اس کے بعد مسئلہ شفاعت اور شاہ اسمعیل دہلوی کے عنوان کے تحت دلائل بیان کیے ہیں۔ شاہ اسمعیل دہلوی کی بیان کردہ اقسام شفاعت پر بحث کی ہے اور ان کی عبارات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر فضل حق خیر آبادی کا موقف بیان کیا ہے۔ بعد ازاں متنازع عبارت پر علامہ خفاجی کی تنقید کو موضوع بحث بنایا ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، علامہ ابوہاشم مکی اور علامہ علی شر باسی کی تنقیدی آراء کا جائزہ بھی لیا گیا ہے پھر امام قسطلانی اور مسئلہ شفاعت کے نام سے عنوان قائم کیا ہے۔ فضل رسول بدایونی نے شفاعت کے حوالے سے مستدرک الحاکم علی الصحیحین، کتاب الایمان کی حدیث نقل کی ہے لکھتے ہیں:

> "حضرت ابوہریرہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ شفاعت کے بارے میں آپ کے رب نے آپ پر کیا نازل کیا؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہے جس نے اخلاص کے ساتھ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، گواہی اس طور پر کہ اس کا دل اس کی زبان کی تصدیق کرے اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرے۔"[8]

بوارق محمدیہ

فضل رسول بدایونی کی یہ تالیف پہلی مرتبہ ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے پیش ہوئی۔ اس کا ترجمہ "شوارق صمدیہ" کے نام سے غلام قادر بھیروی نے کیا۔ جو ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا۔ اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۱۲ء میں کی۔ اس کتاب میں اسید الحق قادری نے بوارق محمدیہ ایک مطالعہ کے نام سے عنوان قائم کیا ہے۔ شوارق صمدیہ ترجمہ کے عناوین میں اس کتاب کی تصنیف کے اسباب جو مصنف نے لکھے ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور دلائل و براہین سے ان اسباب کا رد بلیغ کیا ہے مزید فرقہ ظاہری اور داؤد ظاہری، ابن حزم ظاہری کا احوال، شیخ ابن تیمیہ

8۔ فضل رسولبدایونی، **عقیدہ شفاعت**، تسہیل و تخریج، اسید الحق قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۸ء)، ۳۹۔

کے احوال، فرقہ ظاہر یہ کے بعض عقیدے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعض افکار کو بیان کیا ہے۔ بعد ازاں اہل سنت کے نزدیک ایمان کی تعریف، مرتکب کبیرہ کا حکم، مرتکب کبیرہ کے عدم ایمان پر معتزلہ کے دلائل اور ان دلائل کے جوابات تحریر کیے ہیں۔ اس کے بعد رکن، علت، سبب، شرط اور علامت کے درمیان فرق کو بیان کیا ہے۔[9]

فضل رسول بدایونی مرتکب کبیر کے حوالے سے اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرتکب کبیرہ عند اہل سنت مومن ہے اور خوارج اس کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ اس کو فاسق کہتے ہیں نہ مومن نہ کافر"۔[10]

سیف الجبار

یہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ اس کا سب سے قدیم نسخہ ۱۲۷۸ھ کا لکھا ہوا دستیاب ہے اور مخطوطے کی شکل میں کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے۔ اس کی ایک اشاعت انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سے ۱۲۸۷ھ میں ہوئی۔ ۱۲۹۲ھ میں مطبع صبح صادق سیتاپور سے عبدالقادر بدایونی نے شائع کروایا۔ پاکستان سے ۱۹۷۲ء میں عبدالحکیم شرف قادری نے مکتبہ رضویہ لاہور سے اسے شائع کیا۔ بعد ازاں ماہنامہ مظہر حق بدایوں میں مطبع صبح صادق سیتاپور کے ایڈیشن کا عکس قسط وار شائع ہوا۔ اس کو جدید تقدیم و تحقیق، تخریج و ترتیب کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا۔ پاکستان میں اس کی جدید اشاعت ۲۰۱۸ء میں ورلڈ ویو پبلشرز نے کی۔[11] اس کتاب کے مشمولات میں مصنف نے سب سے پہلے احکام شرع کی تقسیم، سبب تالیف اور کتاب کی ترتیب کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مقدمہ میں صراط مستقیم کی تفسیر اور اتباع سواد اعظم پر دلائل درج کیے ہیں۔ پہلے باب میں جس فتنے کی بابت کتاب تالیف کی۔ اس کے ظہور اور تاریخی پس منظر کو بیان کیا ہے۔ دوسرے باب میں ان کے عقائد کو بیان کیا ہے۔ بعد ازاں مفہوم شرک اور اس کی اقسام، ایک تجزیہ کے عنوان سے مفصل گفتگو کی ہے۔ اور خاتمہ کتاب کے عنوان سے ان فتنوں کے مکائد کو بیان کیا ہے۔ کتاب کے اختتام پر حواشی اور مصادر تحقیق و تخریج کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔[12]

9۔ فضل رسول بدایونی، **بوارق محمدیہ**، مترجم مولانا غلام قادر بھیروی (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء)، ۴۔

10۔ نفس مرجع، ۶۴۔

11۔ فضل رسول بدایونی، **سیف الجبار**، تقدیم و تحقیق، علامہ محمد عطیف قادری (لاہور: ورلڈ ویو پبلی شرز، ۲۰۱۸ء)، ۲۱۔

12۔ نفس مرجع، ۸۔

فضل رسول بدایونی امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سفیان ثوری نے کہا ابو حنیفہ کا علم بہت بڑا تھا۔ جو آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ہو تا اسی کو لیتے اور حدیث کے ناسخ و منسوخ کو خوب جانتے تھے اور ثقات کی حدیث طلب کیا کرتے تھے اور یہ کہ آخر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہے اور علما نے کیا کہا ہے؟"[13]

شمس الایمان

یہ تصنیف محمد محی الدین قادری عثمانی[14] کی ہے۔ آپ فضل رسول بدایونی کے بیٹے ہیں۔ اس کی طباعت ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء میں ہوئی جو مطبع دہلی اردو اخبار دہلی نے شائع کی۔ اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی نے ۲۰۱۲ء میں کی۔ یہ تصنیف کتاب سراج الایمان کے جواب میں تحریر کی گئی۔ سراج الایمان کے متعلق سید عبد الباقی سہسوانی لکھتے ہیں:

"علامہ فضل رسول بدایونی نے کتاب احقاق حق شائع کی۔ جب وہ کتاب لکھنؤ میں میرے والد گرامی مولانا سید سراج احمد سہسوانی کی نظر سے گزری تو احباب کی فرمائش پر آپ نے اس کتاب کا محققانہ و مصنفانہ جواب تصنیف کر کے بیت السلطنت لکھنؤ سے طبع کروائی۔ تصانیف علماء سہسوان کی تصانیف میں سے یہ پہلی کتاب تھی جو طبع ہوئی اس کا نام سراج الایمان رکھا گیا۔"[15]

شمس الایمان مسئلہ توسل و استعانت پر دلائل و براہین سے مزین کتاب ہے۔ یہ کتاب خطرات شیطانی اور وساوس انسانی دور کرنے کے لئے مفید ہے۔[16]

محمد محی الدین قادری عثمانی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

13۔ فضل رسول بدایونی، سیف الجبار، ۱۷۔

14۔ محمد محی الدین قادری عثمانی ۱۲۴۳ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ تعلیمی مراحل اپنے والد فضل رسول بدایونی کی درسگاہ میں مکمل کیے۔ آپ طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنا سلسلہ بیعت اپنے دادا شاہ عبد المجید قادری سے قائم کیا۔ متعدد کتب تصنیف کیں۔ مدرسہ قادریہ بدایوں میں تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ ۱۲۷۰ھ میں سہارنپور میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (دیکھیے: محمد محی الدین، **شمس الایمان**، بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء، ۵)۔

15۔ سید عبد الباقی سہسوانی، **حیات العلما**، ترتیب و تدوین، حنیف نقوی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۰ء)، ۴۱۔

16۔ محمد محی الدین، **شمس الایمان**، ۷۔

"جائے غور ہے کہ ایک لفظ کی تفسیر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً ثابت اور قطب صحاح میں موجود، اس کے مقابلے میں ذکر کرنا قاموس وصراح و منتخب کا یا تفسیر حسینی اور عزیزی اور ترجمہ مولوی عبد القادر وغیرہ کا اور ان کا نام رکھنا تفاسیر معتبرہ اور اسے ترجیح دینا اس پر کمال جہالت اور ناواقفی ہے۔"[17]

اسلام کے بنیادی عقائد

یہ عبد القادر بدایونی[18] کی تصنیف ہے۔ اس کا پورا نام "أحسن الكلام فی تحقيق عقائد الإسلام" ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے اسے ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹-۸۰ء میں تصنیف کیا گیا ہے۔ عبد القادر بدایونی کے شاگرد غلام سادات صدیقی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو مطبع شگوفہ فیض سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا، اسے مدارس کے طلبہ کے لئے لکھا گیا۔ یہ علم الکلام وعقائد کا مختصر متن ہے۔ یہ بعض مدارس کے نصاب میں بھی شامل تھی۔ مدرسہ اہل سنت حنفیہ پٹنہ بہار کے مطبوعہ نصاب تعلیم میں اس کا ذکر موجود ہے۔[19]

یہ کتاب مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے نصاب تعلیم میں شامل تھی۔ عبد الماجد بدایونی نے ۱۳۲۹ھ میں خلاصۃ العقائد کے نام سے اس کی اردو شرح لکھی۔ اور یہ شرح مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں پڑھائی جاتی رہی۔ مدرسہ قادریہ بدایوں کے جدید نصاب میں بھی یہ شامل ہے۔[20]

اس کے عناوین درج ذیل ہیں۔ اللہ کے متعلق عقائد، فرشتوں سے متعلق عقائد، کتابوں کے متعلق عقائد، انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے متعلق عقیدہ، امامت سے متعلق عقیدہ، صحابہ کرام کی تعظیم اور ان

17۔ نفس مرجع، ۲۸۔

18۔ عبد القادر بدایونی ۱۲۳۵ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ نور احمد عثمانی، فضل حق خیر آبادی، فضل رسول بدایونی اور شیخ جمال بن عمر حنفی مکی سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ آپ نے عربی، فارسی اور اردو میں متعدد کتب تالیف فرمائیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ آپ کی تصنیفات اور تحریرات کتب خانہ قادریہ بدایوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ حواشی و مضامین لاجواب اور فتاویٰ بے مثل ہیں۔ شاعری میں فقیر تخلص ہے۔ آپ کی ذہانت اور حافظہ کی تعریف آپ کے اساتذہ نے بھی کی ہے۔ آپ کا وصال ۱۳۱۹ھ کو ہوا اور بدایوں میں مدفون ہوئے۔ (سید محمد حسینبدایونی، **تذکرہ علماے ہندوستان**، تحقیق و تدوین وتحشیہ، ڈاکٹر خوشتر نورانی (لاہور: دار النعمان پبلشرز، ۲۰۱۸، ۲۵۰)۔

19۔ قاضی عبد الوحید فردوسی، **دربار حق وہدایت** (پٹنہ: مطبع حنفیہ، ۱۳۱۸ھ)، ۸۔

20۔ عبد القادر بدایونی، **اسلام کے بنیادی عقائد**، ترجمہ، مولانا دلشاد احمد قادری (چشتیاں: انوار السلام، ۲۰۱۳ء)، ۸۔

کی شرف و فضیلت کا عقیدہ، اولیاء کرام کی ولایت کا عقیدہ، عالم دنیا کے حدوث اور اس کے متعلقات کا عقیدہ، عالم برزخ اور عالم حشر کا عقیدہ، ایمان و کفر اور معصیت و توبہ سے متعلق عقیدے شامل کتاب ہیں۔[21]

عبد القادر بدایونی اللہ تعالیٰ کے متعلق عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا اور ہر غیب سے باخبر ہے۔ اس پر چھوٹی بڑی، ادنی و اعلیٰ یا کوئی چیز مخفی و پوشیدہ نہیں۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسموعات کو سنتا اور مبصرات کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ اس کا سننا اور دیکھنا آلات سمع و بصر کا محتاج نہیں"۔[22]

مردے سنتے ہیں

یہ تصنیف حکیم عبد القیوم شہید قادری[23] کی ہے اسے دو قسطوں میں ۱۳۱۸ھ میں تحفہ حنفیہ ج ۴، ش ا اور ش ۲ میں شائع کیا گیا۔ اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۸ء میں کی ہے جبکہ تحقیق و تخریج کا کام دلشاد احمد قادری نے کیا ہے۔ اس کے عناوین درج ذیل ہیں۔ سب سے پہلے وجہ تالیف بیان کی گئی ہے اس کے بعد مردے کی سماعت اور سلام و کلام کے متعلق کلام کیا گیا ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا ارشاد اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا فتویٰ درج کیا ہے۔ بدن سے روح کے پانچ تعلق، اہل سنت کا اتفاقی عقیدہ، آیت سے دلیل اور اس کا جواب، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول اور اس کی وضاحت، امام جلال الدین سیوطی کا مسلک، امام ابن ہمام کا مسلک، حیوانات و جمادات کا ادراک و کلام، صاحب مجمع البحار کا مسلک، برزخی زندگی میں تمام یکساں نہیں کے عناوین شامل کتاب ہیں۔[24]

21- نفس مرجع، ۳۰۔

22- نفس مرجع، ۱۲۔

23- حکیم عبد القیوم شہید قادری ۱۲۸۳ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں عبد القادر بدایونی سے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ پھر علم طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے سراج الحق عثمانی بن فیض احمد بدایونی سے اکتساب کیا۔ بعد ازاں دہلی جا کر حکیم ابو سعید عبد المجید خان سے طب میں کمال حاصل کیا۔ سید ابو الحسین احمد نوری سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ عبد القادر بدایونی اور شاہ عبد العزیز مکی سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ آپ کا رجب ۱۳۱۸ھ کو پٹنہ میں وصال ہوا۔ جسد خاکی بذریعہ ریل بدایوں لایا گیا اور درگاہ قادری بدایوں میں مدفون ہوئے۔ (عبد القیوم قادری، **مضامین شہید**، ترتیب و تخریج، محمد عطیف قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۸ء، ۱۲)۔

24- حکیم عبد القیومقادری شہید، **مردے سنتے ہیں**، تخریج و تحقیق، دلشاد احمد قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۸ء)، ۵۔

علامہ حکیم عبد القیوم شہید قادری علامہ تفتازانی کا قول نقل کرتے ہیں جو کہ شرح مقاصد میں ہے:

"نیک حضرات کے قبور کی زیارت اور نفوس قدسیہ سے استعانت کرنے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے"۔[25]

عقائد اہل سنت

یہ تصنیف عبد الحامد بدایونی[26] کی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں تالیف کی گئی۔ پہلی بار ۱۹۴۴ء میں نظامی پریس بدایوں نے اسے شائع کیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء مین شرکت حنفیہ لمیٹڈ لاہور پاکستان سے شائع ہوئی۔ ۱۹۹۶ء / ۱۹۹۵ء میں طلباء جماعت خاصہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے اسے شائع کیا۔ ۲۰۰۰ء میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان سے شائع ہوئی۔ اب اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۸ء میں کی ہے۔ تخریج و تحقیق کا کام دلشاد احمد قادری نے کیا ہے۔[27] عبد الحامد بدایونی اس کا سبب تالیف لکھتے ہیں کہ یہ کتاب سید سلیمان اشرف بہاری پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ارشاد اور اپنے سلسلے کے مریدین کی خواہش پر لکھی۔[28]

عبد الحامد بدایونی حیات بعد الموت کے حوالے سے آیت قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾۔[29]

(جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ بہت خوش ہیں اس پر جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے)

25۔ نفس مرجع، ۵۰۔

26۔ عبد الحامد بدایونی ۱۳۱۸ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں عبد المقتدر قادری، عبد القدیر قادری، مفتی محمد ابراہیم، محب احمد، حافظ بخش، واحد حسین اور عبد السلام فلسفی نمایاں ہیں۔ تکمیل علم کے بعد مدرسہ شمس العلوم میں تدریس شروع کی اور ملی تحریکات میں اپنے بھائی کے ساتھ برابر شریک رہے۔ (ڈاکٹر محمد اجمل بھٹی، **عبد الحامد بدایونی: سیاسی و مذہبی خدمات ایک تجزیاتی مطالعہ**، بہاولپور: شہاب دہلوی اکیڈمی، ۲۰۱۸، ۲۴)۔

27۔ عبد الحامد بدایونی، **عقائد اہل سنت**، ۹۔

28۔ نفس مرجع، ۳۲۔

29۔ القران، ۳:۱۶۹۔ ۱۷۰۔

نبی کریم ﷺ نے قیامت تک آنے والے واقعات کے احوال بیان فرما دیے ان کے حوالے سے علامہ عبد الحامد بدایونی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلاَّ حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هَؤُلاَءِ وَإِنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيتُهُ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ-[30]

(حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے یعنی خطبہ دیا اور ان فتنوں کی خبر دی جو ظاہر ہونگے قیامت تک جو چیز واقع ہونے والی تھی اس کو بیان کر دیا۔ اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا ۔حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں میرے ساتھیوں نے جانا اس کو جو صحابہ میں سے تھے اور بعض مفصلاً نہیں جانتے اس لیے نسیان واقع ہو گیا اور میں بھی ان میں سے ہوں اور جب کوئی چیز آپ کی بتائی ہوئی سامنے آتی ہے تو میں اسے یاد کر لیتا ہوں جیسے کہ آدمی آدمی کا چہرہ یاد کرتا ہے جبکہ وہ اس سے غائب ہوتا ہے اور جب اسے دیکھ لیتا ہے تو پہچان لیتا ہے۔"

الدرر السنية

یہ شیخ الاسلام سید احمد بن زینی وحلان مکی کی عربی تصنیف ہے۔ اس کا اردو ترجمہ محمد حبیب الرحمن قادری بدایونی[31] نے کیا ہے اور تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۹ء میں اس کو شائع کیا۔ الدرر السنیہ اپنے زمانہ تصنیف سے لے کر اب تک

30۔ مسلم بن الحجاج القشیری، **صحیح مسلم**، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبى صلى الله عليه وآله وسلم فيما يكون إلى قيام الساعة (بیروت:دار الجیل،س ن)،رقم:۷۴۴۵۔

31۔ حبیب الرحمان قادری انیسوی صدی عیسوی کی آخری دہائی میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ بدایوں کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی اور تکمیل عبد المقتدر قادری سے کی۔ ۱۹۰۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسہ قادریہ بدایوں میں تدریسی فرائض سرانجام دینے لگے۔ متعدد کتب تصنیف کیں۔ آپ کا صحیح سن وصال معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کا وصال ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان ہوا۔(دیکھیے: احمد بن زینی وحلان مکی، **الدرر السنیہ**، مترجم، محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی، بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی،۲۰۰۹ء،۹)۔

مختلف ممالک سے شائع ہو چکی ہے۔ شیخ غلام حسین وزیر آبادی نے محمد حبیب الرحمٰن قادری سے اس کا ترجمہ کروا کر اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور سے شائع کروایا۔ اس ترجمہ پر سن طباعت درج نہیں ہے۔[32]

مصنف خوارج کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت علیؓ نے خوارج کو قتل کیا تو ایک شخص نے کہا خدا کا شکر ہے جس نے اس کو ہلاک کیا اور ہم کو راحت دی۔ حضرت علیؓ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ان جیسے کتنے ہی ابھی مردوں کی پشت میں ہیں، حمل میں بھی نہیں آئے اور ان کا آخری شخص دجال کے ہمراہ ہو گا۔"[33]

شیخ ابن تیمیہ کے عقائد وافکار

یہ تصنیف علامہ حافظ سید عبد الصمد چشتی سہسوانی[34] کی ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ سے ہوئی۔ دوسری اشاعت ۲۰۰۳ء میں انجمن حافظ بخاری پھپھوند شریف کے زیر اہتمام "ابن تیمیہ اور علما حق" کے نام سے ہوئی۔ اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۱۲ء میں کی۔ ترتیب و تخریج کا کام دلشاد احمد قادری نے سرانجام دیا۔ اس کے عناوین میں سب سے پہلے علامہ اسید الحق قادری کا ابتدائیہ شامل ہے۔ جس میں کتاب کے مفصل احوال درج ہیں۔ اس کے بعد حافظ بخاری، حیات و خدمات پر ایک نظر کے عنوان سے مولانا مجاہد رضا قادری کا مضمون شامل ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کے مباحث جدید انداز اور سہل زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔[35]

32- نفس مرجع، ۸۔

33- نفس مرجع، ۲۷۔

34- سید عبد الصمد چشتی سہسوانی ۱۴ شعبان ۱۲۶۹ھ / جنوری ۱۸۵۳ء بروز جمعہ سہسوان ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب خواجہ ابو یوسف قطب الدین مودود چشتی سے جا کر ملتا ہے۔ جب آپ کی عمر چار سال ہوئی تو والدہ ماجدہ نے تعلیم کی غرض سے اپنے بھانجے مولانا سخاوت حسین کے سپرد کیا۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور گیارہ سال کی عمر تک سخاوت حسین سے صرف و نحو اور علوم شرعیہ و منطق وغیرہ متوسطات تک پڑھا۔ بعد ازاں بدایوں میں فضل رسول بدایونی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے عبد القادر بدایونی کے سپرد کیا اور نصیحت کی کہ تم ان کی تربیت کرو اور کتابوں کا دورہ کراتے رہے۔ چودہ سال کی عمر میں آپ نے جملہ علوم سے فراغت حاصل کر لی۔ مولانا سخاوت حسین سے آپ کو محمد علی خیر آبادی کی خانقاہ پر لے گئے اور اس وقت خانقاہ کے شیخ کامل حافظ محمد اسلم خیر آبادی سے بیعت ہوئے۔ آپ کا وصال ۱۷ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ / اگست ۱۹۰۵ء پھپھوند میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (دیکھیے: محمد حسین بدایونی، **تذکرہ علمائے ہندوستان**، ۱۲۶)۔

35- سید عبد الصمد سہسوانی، **شیخ ابن تیمیہ کے عقائد وافکار**، ترتیب و تخریج، دلشاد احمد قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء)، ۱۵۔

سید عبدالصمد چشتی سہسوانی نے امام یافعی کا قول ابن تیمیہ کے حوالے سے مرأۃ الجنان سے نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> "ابن تیمیہ نے کچھ عجیب و غریب مسائل بیان کئے ہیں جن میں سب سے قوی بات یہ تھی کہ انہوں نے روضہ رسول ﷺ کی زیارت سے منع کیا۔ امام غزالی، امام ابو القاسم قشیری، شیخ ابو الحسن شاذلی جیسے علما و صوفیاء پر طعن و تشنیع کی۔ اس طرح فقہی مسائل طلاق وغیرہ اور عقیدہ کے مسائل جہت باری تعالیٰ کے اثبات میں ابن تیمیہ کے اقوال منقول ہیں۔"[36]

مسئلہ قیام تعظیمی

یہ تصنیف حسین احمد قادری بدایونی[37] کی ہے۔ یہ ۱۳۳۶ھ / ۱۸-۱۹۱۷ء میں مطبع قادری بدایوں سے شائع ہوئی۔ اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۱۳ء میں کی۔ تخریج و ترتیب کا کام خالد قادری مجیدی نے سرانجام دیا ہے۔ اس کے عناوین میں سب سے پہلے اسید الحق قادری کا ابتدائیہ شامل ہے پھر تقریظات ہیں۔ خطبہ کتاب و تمہید، اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ بدعت کا مفہوم و تقسیم، تعامل سلف اور عرف وعادت کی بحث، امور خیر کی ایجاد، نبی کریم ﷺ کا مقام و مرتبہ اور تعظیم کا وجوب، صحابہ، تابعین اور ائمہ محدثین کا ادب رسول، قیام تعظیمی کے اختلاف میں دلائل اور جواز کا احوال، حرمین شریفین کا تعامل، علمائے عرب وہند کے فتاویٰ، قیام وقت ولادت کی وجوہات، حیات بعد الممات، دعوت و انصاف، تصدیقات علمائے کرام اور فہرست مصادر و مراجع شامل ہیں۔[38]

حسین احمد قادری بدایونی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے قیام تعظیمی کے حوالے سے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے:

> "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، حضور ﷺ نے قیام فرمایا اور پیشانی پر بوسہ دیا"۔[39]

36۔ نفس مرجع، ۷۴۔

37۔ حسین احمد قادری بدایوں کے صدیقی حمیدی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی ولادت تیرھویں صدی ہجری کی آخری دہائی میں ہوئی۔ آپ نے اپنے تعلیمی مراحل مدرسہ قادریہ بدایوں میں مکمل کیے۔ محب احمد قادری سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ عبدالمقتدر قادری کی درسگاہ سے استفادہ عام کیا۔ آپ کا سلسلہ بیعت عبدالقادر بدایونی سے قائم تھا۔ (دیکھیے: حسین احمد قادری، **مسئلہ قیام تعظیمی**، تخریج و ترتیب، خالد قادری مجیدی، بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۳ء، ۷)۔

38۔ نفس مرجع، ۲۔

39۔ نفس مرجع، ۴۷۔

شارحة الصدور في أحكام القبور

یہ تصنیف محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی کی ہے۔ پہلی بار نعیمی پریس مراد آباد سے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوئی۔ تقریباً ۸۵ سال بعد اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۰۹ء میں کی۔ تسہیل و تخریج کا کام محمد مجاہد رضا قادری نے سرانجام دیا۔ اس کتاب میں سب سے پہلے اسید الحق قادری کا ابتدائیہ شامل ہے۔ پھر تمہید، آیات قرآنیہ سے دلائل، احادیث وآثار سے دلائل روایات فقہیہ و اقوال ائمہ وعلما، مخالفین کے دلائل اور ان کا رد، شبہات اور ان کا ازالہ، خلاصہ بحث، واقعات پر اجمالی نظر شامل ہیں۔[40]

اس کتاب میں حبیب الرحمٰن قادری نے احکام قبور کے حوالے سے آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور اس کے بعد فقہائے احناف کے اقوال اور جزئیات سے وضاحت کی ہے۔ علاوہ ازیں مخالفین کے دلائل کا تنقیدی جائزہ علمی انداز میں پیش کیا ہے۔[41]

محمد حبیب الرحمن قادری بدایونی احکام القبور کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جو کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ:

> ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لپ دونوں ہاتھوں سے بھر کر ڈالے اور اپنے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر سنگ ریزے رکھے۔“[42]

جامع فتویٰ۔الجواب المشکور

یہ تصنیف عبدالحامد بدایونی کی ہے۔ یہ تصنیف عربی زبان میں ہے۔ اس کی اشاعت مرکز جمعیت تبلیغ اسلام پیر الٰہی بخش کالونی کراچی سے ہوئی۔ اب اس کی جدید اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۱۳ء میں کی ہے۔ ترتیب و ترجمہ کے فرائض دلشاد احمد قادری نے سرانجام دیے ہیں۔ اس کتاب کی فہرست مشمولات درج ذیل ہے۔ ابتدائیہ، اسید الحق قادری،

40۔ محمد حبیب الرحمٰن قادری، شارحة الصدور فی أحكام القبور، تسہیل و تخریج، مجاہد رضا قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)، ۵۔

41۔ نفس مرجع، ۱۴۔

42۔ نفس مرجع، ۲۷۔

تقریظ منظوم یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی، ضروری یادداشت سید عبد السلام باندوی، مکتوب بنام شاہ سعود، مقدمہ شیخ محمود ربیع ازہری، تقریظ شیخ محمد حافظ تیجانی، فتویٰ عبد الحامد بدایونی، تصدیقات علمائے پاکستان، علمائے بنگلہ دیش، علمائے ہند، علمائے شام اور آخری گزارش آزاد بن حیدر شامل کتاب ہیں۔[43]

عبد الحامد بدایونی نے جمعیت علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے تحفظ گنبد خضراء اور صیانت آثار حرمین کی ایک عالمگیر مہم شروع کی۔ اس سلسلے میں آپ نے عالمِ اسلام کے دورے کیے اور وہاں کے علما کی تائیدات حاصل کیں۔ جن کا مفصل احوال اس کتاب میں مذکور ہے۔ ایک عربی کتابچہ جس میں گنبد خضراء اور آثار حرمین کی حفاظت و صیانت کا مطالبہ تھا وہ بھی شامل کتاب ہے۔[44]

الجواب المشکور کے مقدمے میں ابن قداح مالکی کے فتاوی کے حوالے سے لکھا ہے:

"جب میت اہل خیر میں سے ہو تو اس پر کوئی علامت بنادینا بہتر ہے۔ جیسا کہ نوادر الاصول میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہر سال حضرت حمزہؓ کی قبر پر آتی تھیں اور اس کی مرمت و اصلاح کرتی تھیں تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے"۔[45]

حق و باطل کا فیصلہ

یہ تصنیف امام محمد غزالی کی ہے۔ اس کا پورا نام "التفرقه بين الإسلام والزندقه" ہے۔ یہ کتاب مسئلہ تکفیر پر ہے۔ اس کا ترجمہ مفتی دلشاد احمد قادری[46] نے کیا اور اشاعت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۲۰۱۴ میں کی۔ ۲۰۱۵ء میں اسے دارالسلام لاہور پاکستان نے شائع کیا۔ اس کے ابتدائیہ میں علامہ محمد عطیف قادری مسئلہ تکفیر میں امام محمد غزالی کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی مجتہد کی بات کا انکار یا اس کی مخالفت کفر نہیں ہے کہ آپ ﷺ سے اتفاق کرنا ایمان اور اختلاف کرنا کفر ہے۔" [47]

43- عبد الحامد بدایونی، **جامع فتویٰ: الجواب المشکور**، ترتیب و ترجمہ، دلشاد احمد قادری (بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۳ء)، ۵۔

44- نفس مرجع، ۱۱۔

45- نفس مرجع، ۵۹۔

46- مفتی دلشاد احمد قادری مدرسہ قادریہ بدایوں میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور متعدد کتب کے مصنف بھی ہیں۔ (دیکھیے: محمد غزالی، **حق و باطل کا فیصلہ**، ترجمہ، دلشاد احمد قادری، لاہور: دارالاسلام، ۲۰۱۵ء، ۸)۔

47- نفس مرجع، ۶۔

خلاصہ بحث

خانوادہ عثمانیہ (بدایوں) کے مشاہیر، علما اور تلامذہ کی کلامی مباحث پر لکھی جانے والی کتب میں فضل رسول بدایونی کی زیارت روضہ رسول، فصل الخطاب، حرز معظم، عقیدہ شفاعت، بوارق محمدیہ اور سیف الجبار شامل ہیں۔ محمد محی الدین عثمانی کی شمس الایمان، عبد القادر بدایونی کی اسلام کے بنیادی عقائد، حکیم عبد القیوم شہید قادری کی مردے سنتے ہیں، عبد الحامد بدایونی کی عقائد اہل سنت اور جامع فتویٰ: الجواب المشکور، سید عبد الصمد چشتی سہسوانی کی شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار، حسین احمد قادری کی مسئلہ قیام تعظیمی، ترجمہ الدر السینہ اور شارحۃ الصدور از مولانا حبیب الرحمٰن قادری اور امام محمد غزالی کی کتاب کا ترجمہ حق و باطل کا فیصلہ از دلشاد احمد قادری شامل ہیں۔ ان کتب کا اسلوب انتہائی سادہ، علمی اور تحقیقی ہے۔ ایک عام قاری آسانی سے استفادہ کر سکتا ہے۔

مندرجہ بالا کلامی مباحث پر مشتمل کتب کا تحقیقی مطالعہ کرنے کے بعد امت مسلمہ میں عقائد کے حوالے سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں اور ان سے منسلک دیگر مسائل کو قرآن، حدیث اور اسلاف کے اقوال و افکار کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے اور پیچیدگیوں کی تہہ تک پہنچ کر پیش آمدہ مسائل کا پیشگی تدارک کیا جا سکتا ہے۔ اسلاف کی رشحات قلم کا اگر نظر عمیق سے مطالعہ کیا جائے تو ان وسوسوں اور فتنوں کا تدارک بروقت کیا جا سکتا ہے جو متزلزل العقائد لوگ ہر وقت عوام الناس میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سلف صالحین کی علمی و تحقیقی کتب اور اقوال و افکار کو مشعل راہ بناتے ہوئے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سر انجام دیا جائے تاکہ اغیار نے جو تشکیک و الحاد کے بیج امت مسلمہ کے وجود کو بکھیرنے کے لیے بوئے ہیں ان کا شافی تدارک کیا جا سکے۔

Bibliography

1. *Al-Qushairī, Muslim bin Al-Ḥajjāj, Ṣaḥīḥ Muslim, Dār Al-Jail, Beirūt.*
2. *Badāūni, ʿAbd Al-Ḥamīd, ʿAllāmah, ʿAqāid-E-Ahl-E-Sunnat, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2008.*
3. *Badāūni, ʿAbd Al-Qādir, ʿAllāmah, Islām K Bunyādī Aqāid, Translated By Mulānā Dilshād Aḥmad Qādrī, Anwā Al-Salām, Parānī Chishtiān, Punjab, Pākistān, 2013.*
4. *Badāūni, FaẓalRasūl, ʿAllāmah, Saif Al-Jabbār, Taqdīm-O-Taqīq, Takhrīj-O-Tartīb, ʿAllāmah Muḥammad ʿAtif Qādrī, World View Publishers Lāhor, 2018.*
5. *Badāūni, FaẓalRasūl, ʿAllāmah, Aqīdah-E-Shafā ʿT, Tashīl-O-Takhrīj, ʿAllama Asīd-Ul-Ḥaq Qādrī, Tāj Al-Faḥūl Academy, Badāūn, S N.*
6. *Badāūni, Faẓal Rasūl, ʿAllāmah, Burāk Muḥammadīyyah, Translator Mulānā Ghulām Qādir Bhervī, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2009.*
7. *Badāūni, Faẓal Rasūl, ʿAllāmah, Faṣal Al-Khiṭāb, Tashīl-O-Takhrīj, ʿAllāmah Asīd-Ul-Ḥaq Qādrī, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2009.*
8. *Badāūni, Faẓal Rasūl, ʿAllāmah, Ḥarz-E-Mu ʿAẓẓam,Tashīl-O-Takhrīj, ʿAllāmah Asīd-Ul-Ḥaq Qādrī, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2009*
9. *Badāūni, Faẓal Rasūl, ʿAllāmah, Ziārat-E-Roḍah-E-Rasūl, Translation And Arrangement By ʿAllāmah Asīd-Ul-Ḥaq Qādrī, Taj Al-Fahul Academy Badāūn, 2009.*
10. *Badāūni, ʿAbd Al-Ḥamid, Jam ʿFātwā, Al-Jawāb Al-Mashkūr, Compiled And Translated By Mulānā Dilshād Aḥmad Qādrī, Taj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2013.*
11. *Fardusī, ʿAbd Al-Waḥīd, Qādhī, Darbār-E-Ḥaq-O-Hidāyat, Ḥanfiah Press, Patna, 1318 A.H.*

12. *Majīdī,ʿAbd Al-ʿAlīm Qādrī, Tadhkirah Khānwādā, Qādrīah, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn,2012.*
13. *Makkī, Aḥmad Bin Zainī Dahalān, Sheikh, Al-Durur Al-Sunnīyyah, Translator, Mulānā Muḥammad Ḥabīb Al-Rehmān Qādrī Badāūni, 2009.*
14. *Muḥammad Ghazālī, Imām, Ḥaq-O-Bāṭil Kā Faislah, Translated By Muftī Dilshād Aḥmad Qādrī, Dār Al-Islam, Lāhor, 2015.*
15. *Qādrī, ḤakīmʿAbd Al-Qayūm Shahīd, ʿAllāmah, Murday Sunthay Hen, Tashīl-O-Takhrīj, Mulānā Dilshād Aḥmad Qādrī, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2008.*
16. *Qādrī, Ḥussain Aḥmad, Mūlānā, Maslaha-E-Qayām-E-TʿAẓīmī, Tashīl-O-Takhrīj, Mulānā Khālid Qādrī, Majīdī, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2013.*
17. *Qādrī, Muḥammad Ḥabib Al-Reḥmān, Mulānā, Shāriḥah Al-Ṣadūr Fī Aḥkām Al-Qabūr, Tashīl-O-Takhrīj, Mulānā Mujāhid Raḍa Qādrī, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2009.*
18. *Qādrī, Muḥammad Muḥī Al-Dīn, ʿAllāmah, Shams Al-Imān, Tāj Al-Faḥūl Academy Badāūn, 2012.*
19. *Sihaswānī, SīadAbd Al-Bāqī, Mulānā, Ḥayāt Al-ʿUlāmā, Ḥanīf Naqvī, National Council For The Promotion Of Urdu Language New Delhi, 2010.*
20. *Sihaswānī, SīadAbd Al-Ṣamad, Ḥafīz Bukhārī, Sheikh Ibni Taymīyyah K ʿAqāid, Mulānā Dilshād Aḥmad Qādrī, Tāj Al-Faḥūl Academy, Badāūn, 2009.*

Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 107 - 135

برصغیر کے (منتخب) مسلم سلاطین کا طرز حکمرانیاور معاشرتی حالات: تجزیاتی مطالعہ

(Selective) Muslim Rulers' Style of Rulership and Social Structure in Subcontinent: An Analytical Study

Muhammad Mudassar Shafique* M. Sarfraz Khalid(Ph.D)**
*Ph.D. Scholar Islamic studies & Arabic Department, GCU, Lahore
** Associate Professor, Islamic studies & Arabic Department Garrison University,Lahore

Keywords:

Muslim Empire, Hindu Community, History, Subcontinent, Social Structure

Abstract: *During the reign of Muslim emperors in subcontinent, the society was paralleled in each field of life. Hindus and Muslims have differences in their religion as well as their culture but living together and bearing to each other. In start, the Muslims took strong measures to ensure their status on Hindus due to contradictions between the people of two religions but later on they tried to understand the culture, traditions and customs to each other. They became to involve with each other even arrange marriages in their families especially in Mughals time period and participated in religious functions of each other, Hindus were appointed on the high posts even Muslims took their advices. Hindus joined Army and their leadership in Army, Muslims occupied different areas of the region. In Akbar's duration, this coordination was on peak and created a Newly Deen which is known as (Deen e Elahi) in which mostly Islamic teachings were damaged but Islamic scholars took stand against it.*

Shafique, M.M. and Khalid, M.S. (2020).Selective Muslim Rulers' Style of Rulership and Social Structure in Subcontinent. An analytical Study. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *107 - 135*

© 2020 AUJIS. All rights Reserved

[1.] Corresponding author, Email: muhammad mudassaraarbi@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے مدنی الطبع ثابت ہوا ہے اسی لیے وہ آپس میں مل جل کر رہتا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جو انسان کے باہمی میل جول کے نظام کا ربط پیدا کرتے ہیں۔ یہ رابطہ سیاسی بھی ہو سکتا ہے، سماجی بھی، علاقائی بھی ہو سکتا ہے اور قبائل پر مبنی بھی۔ کسی بھی ریاست میں رہنے والے طبقات یا گروہوں میں اگر ہم آہنگی نہ ہو تو کسی بھی موڑ پر کش مکش پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ اسلام کا ایک اعجاز رہا ہے کہ عرب سے نکل کر ایشیا، افریقہ اور یورپ تک اس نے اپنی دھاک بٹھائی اور اثر ورسوخ چھوڑا۔ برصغیر میں بھی جب اسلام آیا تو نصرتِ الٰہی سے یہاں بھی اُس نے اقتدار پر اپنا لوہا منوایا اور ہر دور میں برصغیر کے کسی نہ کسی علاقے میں باطل سے برسرپیکار رہا۔ یہاں غیر مسلموں کی تعداد کافی زیادہ تھی اور اُن کا مذہبی، سیاسی اور معاشرتی رہن سہن تک جداگانہ تھا۔

اس مقالہ میں ہم اس پہلو کو جانچنے کی سعی کریں گے کہ مسلمان حکمرانوں کے مختلف ادوار میں ان اقوام کا آپس میں تعلق کیسا رہا؟ یہ تعلق حکومتی سطح پر کیسا تھا اور عوامی سطح پر کیسا؟ ان کی معاشرت کیسی تھی اور آپسی معاملات کیسے طے پاتے تھے؟ موضوع کی نوعیت کے پیش نظر اس میں بیانیہ، تاریخی اور تجزیاتی طریقہ تحقیق کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں تک سابقہ کام کے جائزے کا تعلق ہے تو **"اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات: ایک تحقیقی جائزہ"** کے عنوان سے ایک مقالہ پاکستان جرنل آف اسلامک سٹڈیز، بہاو الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان میں چھپ چکا ہے۔

سلاطین ہند

جس دور میں (۱۲۵۵ء) مصر و شام میں غلاموں کی حکومت قائم ہوئی تو اس سے پچاس سال قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اس حکومت کا بانی قطب الدین ایبک تھا جو کہ شہاب الدین ایبک کا غلام تھا۔ مصر کی طرح دہلی کے غلام بادشاہ بھی نسلاً ترک تھے اور خاندان غلاماں کی حکومت کا دورانیہ تقریباً چوراسی (۸۴) سال ہے۔ اس دوران ان کے کل دس حکمران گزرے مگر شمس الدین التتمش اور غیاث الدین بلبن معروف ہوئے۔ لیکن یہاں سلاطین ہند کے خاندان میں سے کچھ مخصوص حکمرانوں اور ان کی سلطنت کے امور، احوال، اقتدار اور معاشرتی مسائل و حالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

سلطان شمس الدین التتمش:(شہنشاہ ہند)(۱۲۱۱ء تا۱۲۳۶ء)

التتمش قراختانی ترکوں کے ایک بڑے گھرانے کا بیٹا ہے اس کے باپ کا نام ایلم خان اوراس کی ماں کا تعلق "حنہ" کے ایک معزز خاندان سے تھا۔[1] اس کا باپ البری قبیلے کا سردار تھا اس نے اپنی دولت مندی، اپنے خدمت گاروں اور مصاحبوں کی کثرت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بڑی شہرت حاصل کرلی تھی۔ التتمش اپنی صورت وسیرت کے لحاظ سے بھائیوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا جو کہ والد کی قربت خصوصی کا سبب بھی تھا۔ بھائیوں نے وہی سلوک کیا جو حضرت یوسفؑ کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا۔ ترکستان کے اس یوسف کو گلہ بانی کے بہانے اس کے بھائیوں نے سوداگر کے ہاتھوں بیچ دیا۔[2] سوداگر التتمش کو بخارا لے گیا جہاں صدر بخاری کے عزیز نے خرید لیا۔ کچھ عرصہ پاس رکھ کر جمال الدین کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔[3] جو اسے دہلی لے آیا اور قطب الدین نے ڈھائی ہزار روپے میں خرید لیا اور اپنے بیٹے کی طرح تربیت کی اور پھر گوالیار کا حاکم مقرر کر دیا اور ساتھ ہی عامل کا عہدہ دیا اور پھر بدایوں کا ناظم بنا دیا۔ شہاب الدین اور گکھڑوں کی آخری لڑائی میں التتمش نے بڑی بہادری دکھائی جس کی وجہ سے غوری نے ایبک کو اس کے آزاد کرنے کی سفارش کی۔[4] ایبک نے آزاد کرنے کے ساتھ ہی اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دی کیوں کہ اس کو بہت لائق و فائق سمجھتا تھا۔[5]

آرام شاہ کی کمزور حکومت کے سبب ملک کی عوام کی استدعا سے التتمش اپنے لشکر سمیت بدایوں سے دہلی آیا اور اس پر متصرف ہوا اور اپنا خطاب سلطان شمس الدین التتمش رکھا۔ ۱۲۱۱ء میں تخت پر بیٹھا۔[6] تخت پر بیٹھتے ہی اکثر ملوک و امراء کی رعایت کرتا اور وہ بھی اس کی اطاعت کرتے جب کہ بعض نے ایسی مخالفت کی کہ خونخوار فوج لیکر سلطان سے کارزار شروع کی۔ سلطان نے انہیں جمنا کے میدان میں شکست دی اور ترکوں کے نامی سردار فرخ شاہ کو قتل کیا، الغرض سلطنت کو اس خس و خاشاک سے پاک کیا۔ سال ۱۲۱۵ء میں پنجاب میں قبضہ کرنے کے بعد تھانسیر پر بھی تسلط جمالیا۔ التتمش نے اپنی فوجوں کو جمع کرنے کے بعد نارائن کے میدانوں میں اس پر جنگ مسلط کر دی اور اسے جنگی

1- محمد لطیف، **تاریخ پنجاب** (لاہور: ناشر تخلیقات، ۱۹۹۴ء)، ۲۲۳۔
2- فرشتہ، محمد قاسم، **تاریخ فرشتہ**، مترجم: عبدالحی خواجہ (لاہور: المیزان اردو بازار، ۲۰۰۴ء)، ۱:۱۶۵۔
3- سجاد میرٹھی، **تاریخ ملت** (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۱ء)، ۳:۴۴۴۔
4- مفتی شوکت علی فہمی، **ہندوستان پر اسلامی حکومت** (دین و دنیا پبلیشرز)، ۲۰۵۔
5- فرشتہ، مصدر سابق، ۱:۱۶۶۔
6- محمد ذکاء اللہ دہلوی، **تاریخ ہندوستان** (مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، ۱۹۱۵ء)، ۱:۳۶۸۔

قیدی بنا لیا۔۱۲۱۷ء میں اپنے برادر نسبتی ،ناصر الدین پر حملہ کر دیا اور فتح حاصل کی جو سندھ میں خود مختار بن گیا تھا۔[7] التتمش نے ہندوستان کو ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور تمام ریاستوں کو اپنی مملکت میں شامل کیا، اپنے تمام حریفوں کو مغلوب کیا اور پورے ملک میں امن قائم کیا۔ انہی وجوہات کی بناء پر خاندان غلاماں کا دوسرا بانی قرار پایا۔ ۱۲۳۶ء میں انتقال کیا اور کل ۲۶ سال حکومت کی۔ مرنے سے پہلے اپنی بیٹی رضیہ کو جانشیں بنادیا مگر اس فیصلے کو پسند کی نظر سے نہ دیکھا گیا۔[8]

التتمش ایک خدا ترس اور ایک نیک دل انسان تھا۔اس نے کئی درسگائیں اور خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں اور عدل انصاف کے معاملے میں بڑا محتاط تھا۔ کیوں کہ اس نے یہ حکم دیا ہوا تھا کہ مظلوم لوگ رنگدار کپڑے پہنا کریں تاکہ انہیں دیکھتے ہی سلطان پہلے ان کی شکایات دور کر سکے[9] اور اس نے اپنے محل کے برجوں میں ایک زنجیر لٹکائی ہوئی تھی جس پر ایک گھنٹی بھی تھی کہ رات کو بوقت ضرورت ہر فریادی اسے بجا کر اپنی درخواست سلطان کے کانوں تک پہنچا سکتا تھا اس کے دور میں علوم وفنون اپنے عروج پر تھا اس کے پاس ۴۰ ترکی غلام تھے جنہیں اس وقت کے علوم وفنون میں مہارت حاصل کروائی گئی۔ لہذا ان کا شمار اس وقت کے ہندوستان کے امراءے کبار میں ہونے لگا۔

غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۲ء)

غیاث الدین کا تعلق ترک قبیلے سے تھا اس کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا۔ بلبن کو ایک مغل نے سوداگر کے ہاتھ بیچا تو یہ سوداگر اس کو بغداد لے آیا اور مشہور و معروف بزرگ خواجہ جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ صاحب کو جب معلوم ہوا کہ بلبن اور التتمش کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے تو کئی دوسرے غلاموں کے ساتھ اسے بھی پیش کیا گیا تو التمش نے ان غلاموں کی بڑی قیمت لگائی۔[10] وقت کے ساتھ بہرام نے اسے امیر آخور بنایا اور سلطان ناصر الدین نے بلبن کو خان اعظم کا خطاب دے دیا اور اپنا نائب مقرر کر کے سلطنت اس کے سپرد کر دی اور اس کا اہل ثابت کیا۔ ۱۲۶۶ء میں ناصر الدین کی وفات کے بعد تمام امراء نے بالاتفاق اس کو اپنا بادشاہ منتخب کر

-7 حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کے لیے التمش بالکل تیار نہ تھا۔ بے نظیر جنگی قابلیت کی وجہ سے یلدوز کو شکست دی اور التمش نے اس کو بدایوں میں قید کیا وہیں اس کی وفات ہوئی)۔ فہمی، مرجع سابق، ۲۰۶۔

-8 جوزجانی، **طبقات ناصری** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء)، مترجم: ممتاز لیاقت، ۱: ۱۸۱۔ ۱۸۴۔

-9 کیونکہ لوگ عام طور پر سفید رنگ کے کپڑوں کا استعمال زیادہ کیا کرتے تھے۔

-10 فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۱۹۰۔

لیا۔[11] بلبن کو ہندؤں پر اعتماد نہ رہا کیوں کہ ہندؤ امراء عہد حکومت کے امراء کے ساتھ مل کے بغاوتوں میں شامل تھے ۔اس کے نزدیک جو رویہ ہندؤں کا محمود غزنوی سے لیکر اب تک رہا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان پر اعتماد کرنا کھلی حماقت ہے وہ برہمنوں کے خلاف بڑی نفرت رکھتا تھا کیوں کہ یہ سازشیں کرنے اور عوام کو ابھارنے میں سب سے آگے ہوتے تھے۔[12] محکمہ عدل وانصاف کی خوش تنظیمی حکومت کے وقار اور رعایا کے اطمینان کا باعث بنتی ہے لہذا بلبن نے نظام عدل میں اصلاح کی غرض سے سلطنت کے جملہ قاضیوں کو حکم دیا کہ مقدمات کے فیصلوں میں غیر جانبداری سے کام لیں۔ سلطنت میں اعلان کروایا گیا کہ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ انصاف میں ایک جیسا سلوک ہو گا۔ چنانچہ بدایوں کے حاکم باربک خان نے جب اپنے ملازک کو پیٹتے ہوئے مار دیا تو اس ملازم کی بیوی نے آکر شکایت کی تو باربک کو ۵۰۰ سو کوڑے لگوائے گئے اور انہی کے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے موت کو گلے لگا لیا۔ اسی طرح اودھ کے گورنر ہیبت خان نے بھی کسی کو قتل کیا تو ہیبت خان کو اس کی بیوہ کے سپرد کر دیا گیا تو اس کی بیوہ کو ۳۰ ہزار روپے بطور ہرجانے کے ادا کر کے جان بچائی۔[13] بلبن انتظام سلطنت کا اس قدر خیال رکھتا کہ کسی شخص کی اہلیت اور شرافت کے بارے میں جب تک معلوم نہ کر لیتا، کوئی عہدہ تفویض نہ کرتا اور اگر کوئی ملازم یا حاکم اصلاح و تقویٰ یا امانت سے منحرف ہوتا تو اسے فوراً معزول کر دیتا۔ سنجیدہ اور معقول لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھتا، رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا تھا۔[14]

غیاث الدین بلبن نے تقریباً چالیس سال ہندوستان پر حکومت کی، اس کا زمانہ خیر وبرکت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ انتظام سلطنت، عدل وانصاف، دور اندیشی، رحم وکرم، ہنر شناسی الغرض ہر اعتبار سے اس کا دور بہترین دور تھا اس کی رعایا مسرور و مطمئن تھی۔ علما، فضلا و مشائخ کا ہجوم موجود تھا جن کا علم وفضل ہر جگہ نظر آتا تھا۔ ملک میں امن وسکون کی فضا نظر آتی تھی۔ عدل وانصاف کے معاملات میں امیر اور غریب برابر نظر آتے تھے اگر کوئی امیر زادہ اپنی دولت یا عہدے کے خمار میں کوئی غلط قدم اٹھاتا تو فی الفور مظلوم کی اعانت کے لیے بلبن کا منصفانہ طرز عمل نظر آتا تھا جس کی مثالیں اوپر دی گئ ہیں۔

11- جوزجانی، مرجع سابق،۱:۱۰۴۔
12- شوکت علی فہمی، مرجع سابق، ۲۳۰۔
13- فرشتہ، مصدر سابق،۳:۱۹۱۔
14- سجاد میرٹھی، مرجع سابق،۳:۴۴۴۔

خاندان خلجی کے دور حکومت میں معاشرتی استحکام

خلجی حقیقیت میں ترکی قوم تھی مگر ایک مدت سے افغانستان میں رہنے سہنے کے سبب پٹھان یا افغان کہلانے لگی اور ہند کے فتح کرنے میں ہمیشہ بادشاہان اسلام کی معاون و مددگار رہی۔ اس قوم کے جو لوگ ہند میں تھے ان کا سردار جلال الدین، سلطان کیقباد کا وزیر بن گیا تھا۔ بادشاہ کو قتل کر کے تخت نشین ہوا اور خاندان کا بانی تصور کیا جاتا ہے اس خاندان کی حکمرانی کی عمر تقریباً ۳۰ سال ہے۔[15] لیکن یہاں ہم خلجی خاندان کی اصل پہچان سکندر ثانی کے نام سے مشہور اور اس دور میں انقلاب برپا کرنے والے سلطان علاؤالدین خلجی کی سلطنت کے اسلامی معاشرے اور حالات و وسائل کو زیر بحث لایا جائے گا۔

سکندر ثانی (علاؤالدین خلجی) (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء)

سلطان علاؤالدین، محمد شاہ خلجی کا بیٹا تھا۔ جب سلطان رکن الدین ابرہیم ملتان کی طرف چلا گیا تو اسی سال وہ ۱۲۹۶ء میں امراء کے اتفاق رائے سے قصر شاہی میں تخت نشیں ہوا۔[16] نظم و نسق، فتوحات، دولت اور جاہ و حشمت کے پہلوؤں سے ایسا کامیاب حکمران ثابت ہوا کہ جس کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ظالم اور سفاک انسان تھا، جاہل تھا لیکن مستقل ارادوں کا مالک اور بیدار رہنے والا انسان تھا۔ دکن تک سلطنت کی حدود پہنچانے میں علاؤالدین کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ بڑے بڑے راجاؤں نے سر تسلیم خم کیا اور دولت کے انبار لگ گئے، علما و فضلا سر زمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہوں اور مساجد کی رونقیں دوبالا ہو گئیں، درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبان دل اسفیاء و ارباب ذوق مشائخ رونما ہو گئے۔ سلطنت کی ایسی نظیر پہلے نہ تھی۔

اندرون خانہ خطرات سے نمٹنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ سلطنت مستحکم ہو چکی ہے تو اس نے مزید فتوحات کی طرف دھیان دیا۔ گجرات اسلامی حکومت کا مقبوضہ علاقہ تھا مگر وہاں کے راجہ کرن رائے نے خود مختاری کا اعلان کیا جس کی وجہ سے علاؤالدین نے اپنے دونوں بھائیوں الغ خان اور نصرت خان کو لشکر کے ساتھ بھیجا اور فتح حاصل کی۔[17] ان فتوحات نے علاؤالدین کی طاقت میں اور بھی اضافہ کر دیا اور وہ اس حد تک جا پہنچا کہ موصوف نبوت

15- ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، **تاریخ ہند** (لاہور: ایجوکیشنل پبلیشرز، ۱۹۱۳ء)، ۱۹۹۔

16- ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، مترجم: ڈاکٹر سید معین الحق (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۴ء)، ۳۰۷۔

17- فہمی، مرجع سابق، ۲۴۶۔

کے خواب دیکھنے لگا اور خلفاء راشدین کی دلیل پر قیاس کرتے ہوئے اپنے "چاروں خان"[18] کی بناء پر نئے مذہب کی ایجاد کا سوچنے لگا لیکن امراء اور علما نے اسے اس عمل سے دور رہنے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی چنگیز خان اور اس کی اولادوں کی مثالیں پیش کی گئیں کہ وہ مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہانے کے باوجود دین محمدی ﷺ کو برطرف نہ کر سکا اور چند ہزار سال اپنے مذہب کو ترکستان میں رائج رکھ سکا۔ اس کی مزید اشاعت کرنا چاہتا تھا مگر نہ کر سکا۔[19] علاؤالدین اپنے دور حکومت سے قبل کی ہنگامہ خیزیوں اور بغاوتی اعمال سے خوفزدہ رہتا تھا اس لیے اس نے امراء سے بغاوت و سرکشی کے دروازے بند کرنے کے بارے میں مشاورت کی۔ امراء نے تبادلہ خیال کے بعد چار چیزوں کو بغاوت کا سبب قرار دیا۔

اول: بادشاہ کا رعایا سے بالکل بے خبر رہنا اور اچھائی یا برائی کی پرواہ نہ کرنا۔

دوم: شراب نوشی کا رواج عام ہونا۔ انسان کی نفسانی خواہشات میں شدت کے سبب بدنیتی کا مادہ بھرتا ہے۔ جس کی بناء پر ہم خیال لوگ ملک میں ہنگاموں اور شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں۔

سوم: امراء اور اراکین سلطنت کا آپس میں گہرے مراسم رکھنا، جس کے باعث غلط افعال کے ارتکاب میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا۔

چہارم: مال و دولت کی فراوانی، کم ظرف اور کم حیثیت لوگوں کو روپے کا ملنا ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات کا سبب بنتا ہے اور حکومت پر قبضہ کرنے کی حرص پیدا ہونے لگتی ہے۔[20]

علاؤالدین اس تمام گفتگو کو سن کر متنبہ ہوا اور اس نے جاسوسی کے محکمے قائم کیے کیوں کہ اس دور میں بغاوتوں کا سلسلہ بڑا طول پکڑ تا جا رہا تھا اور تخت نشیں بادشاہ ان تمام معاملات سے بے خبر ہوا کرتے اور رات ہی رات میں پانسے الٹ جاتے۔ بادشاہوں کے درباروں میں تعریف کے قصیدے جب کہ کمر پیچھے قتل کی سازشیں اس معاشرے کا خاصہ تھیں۔ محمد قاسم فرشتہ ان کا ذکر کچھ یوں کرتا ہے:

> اس معاشرتی وباء کے خاتمہ کے لیے علاؤالدین نے جاسوس مقرر کیے اور خبر رسانی کا ایسا انتظام کیا کہ رات کو گھروں میں کی گئی گفتگو بھی بادشاہ کے علم میں ہوتی تھی۔ امراء کو صبح پرچے پر لکھ کر بتا دیا جاتا تھا کہ رات کو تم نے کیا گفتگو کی جس کی بناء پر لوگ خائف ہونے لگے، خلوت و جلوت میں بات کرنا دشوار ہو گیا لہٰذا سازش اور

18- ا۔ الغ خان ۲۔ نصرت خان ۳۔ الپ خان ۴۔ ظفر خان۔

19- محمد ذکاء اللہ دہلوی، مرجع سابق، ۲:۴۵۔

20- فرشتہ، مصدر سابق، ۱:۲۵۲۔

سر گوشی کا سد باب ہو گیا۔ دوسرا انتظام شراب نوشی کی بیخ کنی تھی جو کہ معاشرے میں اس قدر عام تھی کہ عوام الناس تو کجا خود بادشاہ بھی عادی تھا لیکن اس نے اپنی طبیعت پر جبر کیا، اپنے آبدار خانہ کو درہم برہم کیا، چینی کے برتن تڑوا دیئے اور اعلان کروا دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے۔ اب اگر کوئی شراب نوشی کرے گا یہاں تک کہ بنائے گا تو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ بادشاہ وقت نے امراء کے آپس میں تعلقات، رشتے ناطے اور دعوت و طعام پر پابندی عائد کر دی، اراکین سلطنت آپس میں بیگانے ہو گئے اگر کسی امیر کے ہاں کوئی مہمان آ جاتا یا امراء آپس میں کسی سے رشتہ کرنا چاہتے تو بادشاہ سے خاص اجازت لی جاتی۔ دولت کی فراوانی کو ختم کر کے وہ تمام قصبات جو معافی یا کسی اور وجہ سے رعایا کے قبضہ میں تھے، شاہی تحویل میں لے لیے گئے۔ ہر امیر غریب پر جائز و ناجائز ہر طرح کا اثر و رسوخ ڈال کر تمام دولت شاہی خزانے میں جمع کرا دی۔ نتیجتاً عوام کھانے پینے سے محتاج اور روزگار حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگ گئے اتنی فرصت ہی نہ رہی کی ہنگاموں کی طرف توجہ ہو۔[21]

برصغیر کے تمام ادوار حکومت میں راہزنی اور لوٹ مار کا معاملہ عام رہا ہے، نہ کسی کی جان محفوظ اور نہ کسی کا کوئی پرسان حال ہوتا۔ لیکن خلجی نے ملک کے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ قافلے آزادی کے ساتھ آتے جاتے اور مال کو رات میں بغیر کسی سبب کے کھلا چھوڑ دیتے۔ راہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو چکی تھی۔ حکومت شودھری اور مقدم سے وصولی مالگزاری کیا کرتے اور عوام کو سخت تنگ کیا کرتے۔ سلطان نے پیمائش کے مطابق مالگزاری وصول کرنے کا حکم دیا۔ کوئی شخص مقدم ہو یا کاشت کار، تمام کو چار بیل، دو بھنسیں، دو گائے اور بارہ بکریوں یا بھڑوں کا رکھنے کا حق حاصل تھا، چرائی کی مقدار مقرر کی گئی اور آباد گھروں کا کرایہ معین کیا گیا۔ اگر کوئی محرر یا عامل بد دیانتی کرتا یا ان احکامت کو پامال کرنے کی کوشش کرتا تو اس کو سزا دی جاتی۔ اس سختی کا نتیجہ یہ نکلا کہ خائن و محرر ملازمت سے بیزار ہو کر نوکریوں کی تلاش میں نکلے اور مقدم اور شوہدری جو امیرانہ زندگی گزار رہے تھے بالکل محتاج ہو گئے۔[22] علاؤالدین کے آخری ایام مایوسیوں اور مشکلات سے بھرپور تھے۔ گجرات اور جیتپور کی بغاوتوں اور بری طرح سے ہار کی خبریں سن کر علاؤالدین اندر اندر بل کھاتا رہا جس سے اس کی صحت گرتی چلی گئی اور آخر کار ۶ شوال ۷۱۶ھ کی رات کو اس کی روح پرواز کر گئی۔ بعض لوگ بادشاہ کی موت کا سبب زہر خوانی کو بھی قرار دیتے ہیں۔[23]

21- مصدر سابق، ۱: ۲۵۱۔ ۲۵۳۔

22- میر ٹھی، مرجع سابق، ۳: ۵۱۵۔

23- فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۲۸۷۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علاوالدین انتہائی بیدار مغز اور مستقل ارادوں کا مالک شخص تھا۔ اس کے زمانے میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے تھے، بڑے بڑے راجوں نے سر تسلیم خم کیا۔ اس کے دور میں دولت کی کوئی انتہاء نہ تھی، خانقاہیں آباد ہوئیں، مساجد کی رونقوں کو بحال کیا، مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہوا۔ جاسوسی کا انتظام انتہائی منظم تھا جس کی بدولت ملک کے تمام راستے اس قدر محفوظ ہو گئے کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ رات کو سفر کرتے۔ راہزنی اور قزاقی بالکل مفقود ہو چکی تھی۔ چیزوں کے نرخ خود بادشاہ مقرر کرتا اور پورے ملک میں وہی لاگو ہوتا۔ منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لیے تین افراد کی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جو الگ الگ بازاروں کے مال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو مطلع فرماتے۔ پورا بازار ایک مشین کی مانند چل رہا تھا۔ اس کے دور میں دیہاتی انقلاب آیا اور کسانوں کو اونچی ذات کے طبقوں کے تسلط اور ان کے ظلم سے آزاد کروایا گیا۔ گاہے بگاہے کامیابیوں کی وجہ سے اس کے دل و دماغ میں کچھ خرافات نے بھی جنم لیا جن میں سے ایک نبوت کا اعلان اور نئی شریعت کا قیام تھا تاکہ اس کا نام قیامت تک باقی رہے اور اپنے مصاحبوں سے اکثر اس کا ذکر کیا کرتا تھا۔

لیکن تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے: کوتوال دہلی علاوالدین عرف علاء الملک نے جرات سے کام لیتے ہوئے اس کا مذہب سے متعلق نظریہ درست کیا اور واضح کیا کہ نبوت کا سلسلہ نبی اکرم پر ختم ہو چکا لہٰذا آپ کے نئے مذہب کے جاری کرنے پر مسلمان آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور ملک میں نئے فتنے اور فساد کا دروازہ نکل آئے گا۔ علاء الملک کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے وہ اپنے اس ارادے سے باز رہا۔[24]

خاندان تغلق

لفظ تغلق ترکی لفظ قتلغ سے نکلا ہے بلکہ یہ کہہ دینا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہندوستانیوں نے کثرت استعمال سے قتلغ لفظ کو توڑ کر تغلق بنا دیا اور بعض لوگ اس لفظ کا تلفظ "قتلو" ادا کرتے ہیں۔ خاندان تغلق کے بارے میں تاریخ کی کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں لکھا گیا لیکن حسب و نسب کے لحاظ سے کچھ معلومات حاصل ہیں۔ ملک غیاث الدین بلبن ترکی غلام تھا اور غیاث الدین تغلق اس کا بیٹا تھا اس نے جٹ خاندان سے رشتہ ازدواج قائم کیا جو غیاث الدین کی ماں تھی۔[25] مؤرخین کے درمیان سلطان تغلق کے متعلق کافی اختلاف ہے ایک رائے میں تغلق ترکوں کے قراؤنہ قبیلے سے تھا جو ترکستان اور سندھ کے درمیان پہاڑی علاقہ میں آباد تھے، دوسری رائے میں یہ مخلوط نسل کے لوگ قرار دیے

24- برنی، مرجع سابق، ۴۸۷۔

25- فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۲۹۳۔

جاتے ہیں جن کے باپ تاتاری اور مائیں ہندوستانی تھیں، تیسرا خیال یہ ہے کہ لفظ قراونہ کا تعلق سنسکرت کرن سے ہے جس کا معنی مخلوط النسل ہے اور جو اس شخص کیلیے استعمال کیا جاتا ہے جس کا باپ کھشتری لیکن ماں شودر ہو۔[26] ایک رائے یہ بھی ہے کہ تغلق بطور لقب استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ آغا مہدی حسین لکھتے ہیں:

> "It is still regarded as the cognomen and is commonly attributed to all the monarchs of the Tugluq dynasty, although none except the first two rulers. Gheyyas us din Sultan Muhammad really used it along with their deenTaghluq and names of all the names borne by the successors of Sultan Muhammad there is none with the suffix Tughluq. [27]"

تغلق ایک لقب کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور تغلق سلطنت کے تمام بادشاہوں کو اس سے نسبت ہے جن کو تغلق خاندان کے پہلے دو بادشاہوں غیاث الدین اور سلطان محمد تغلق نے اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا لیکن سلطان محمد تغلق کے کسی جانشین نے اسے اپنے ساتھ شامل نہ کیا۔ غیاث الدین جو کہ اس خاندان کا پہلا بادشاہ ہے ابتداء میں ایک تاجر کے گھوڑے چرایا کرتا تھااور رفتہ رفتہ جنگی سواروں میں شامل ہو گیا جلد ہی جرات وشجاعت اور محنت سے خاص پوزیشن حاصل کرلی۔ ۱۳۰۵ء میں سلطان علاؤالدین نے اسے دیپالپور کے اہم سرحدی صوبے کا محافظ سرحد متعین کیا۔

اے۔ایل۔ سری واستوا لکھتے ہیں:

> He seems to have begun his life as an ordinary trooper, but he rose to a position of importance by dint of his ability and hard labor. By 1305, he was appointed Governor of the Punjab with his headquarters at dipalpur. He was entrusted with the duty of the protection of the North western frontier.[28]

تغلق خاندان کے محمد بن سلطان تغلق کے دور حکومت پر مفصل بحث ہو گی جس میں اس کے دور حکومت کی پالیسیوں اور حالات پر گفتگو کریں گے۔

26- محمد عبد اللہ ملک، جامع تاریخ ہند، ۶۵۳۔

27- Agha Mahdi Hussain, The rise and fall of M. Bin Tughluq, Burleigh press, Bristol, London, 1938, P: 45.

28- A. L Srivastava, The sultanate of Delhi, educational publishers, Agra,1950, P,182.

سلطان محمد تغلق

سلطان محمد شاہ، سلطان غیاث الدین کا بڑا بیٹا تھا اس کا اصل نام فخر الدین جونا خان تھا جب غیاث الدین نے وفات پائی تو محمد شاہ تغلق نے تین دن تک صف ماتم بچھائی۔ ۱۳۲۵ء میں تخت سلطنت سنبھالا اور اس کے چالیس دن بعد تغلق آباد سے دہلی آیا۔ اس کی آمد کے موقع پر لوگوں نے شہر کو خوب سجایا ہوا تھا۔ جب تمام صوبوں پر اس کا قبضہ مستحکم ہو گیا تو اس نے اپنے تمام امراء وملوک اور ارکان سلطنت کو جو اس سے متفق اور موافق تھے ان کے مرتبے اور مقام کے مطابق خطابات والقابات عطا کیے۔[29]

آغا مہدی حسین کے مطابق محمد تغلق خاندان تغلق کے عظیم حکمرانوں میں سب سے بلند حیثیت کا مالک تھا کیوں کہ اس کے زیر اقتدار تغلق سلطنت بام عروج کو پہنچی۔

> "The three great rulers of the Taghluq dynasty the most important is Sultan Muhammad bin Taghluq, for under him The Tughluq Empire reached its greatest extent.[30]"

محمد تغلق شیریں بیاں اور فصیح مقرر تھا، عربی اور فارسی میں ایسے مراسلات تحریر کرتا کہ بڑے بڑے ماہرین فن حیرت میں مبتلا ہو جاتے۔ ذہانت و فراست ایسی کہ کسی کو دیکھتے ہی تمام محاسن و مصائب سے اس طرح آگاہ ہوتا جیسے کہ برسوں کے تجربے کا نتیجہ ہو۔ علم تاریخ میں ایسی مہارت کہ کسی مؤرخ کا اس کے سامنے گفتگو کرنا انتہائی مشکل تھا ۔حافظہ اس بلا کا تھا کہ ایک بار کچھ دیکھ لیتا یا سن لیتا وہ نقش ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی و منطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ معمولی بات کے ساتھ حل کر دیتا۔ مذہب کا احترام کرتا، شراب نوشی سے دور رہتا ،عبادات میں فرائض کے علاوہ نوافل اور مستحبات کا خصوصی اہتمام کرتا، قدیم سلاطین و امراء کی طرح امور لہو ولعب سے دور رہتا۔ سخاوت اس قدر تھی کہ اگر کوئی درویش آتا تو خزانے کے انبار لگا دیتا، غریب، فقیر یا کسی بیوہ کی سدا پہنچتی تو مالا مال کر دیتا۔[31]

اس دور میں شراب کا رواج نہیں تھا کیوں کہ بادشاہ کو اس سے نفرت تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھ لے جب کہ اس کے برعکس پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔ محمد

29- برنی، مرجع سابق، ۴۲۸۔

30- Hussain, The rise and fall of M. Bin Tughluq, P: 53.

31- محمد ذکاءاللہ دہلوی، مرجع سابق، ۱:۱۰۹۔

تغلق انہی صفات کی بناء پر ایک بے مثل حکمران تھا۔ عزم و استقلال، سطوت و جبروت، بذل و کرم، زہد و تقویٰ، شجاعت وبسالت اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ خود امور کا انتظام کرتا تھا، قوانین نافذ کرتا تھا اور انصاف کے معاملے میں خود کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھتا۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں: ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کر لیا۔ چنانچہ یہ حاضر ہو گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا، جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہ ہو گیا۔[32] خبر رسانی کا انتظام اس دور میں شاندار تھا اس کے علاوہ جاسوسوں کی ڈاک کی آمد و روانگی کے لیے ہر کارے بھی مقرر تھے، شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے اور خبریں افسران کے ذریعے بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد تغلق ایک دیندار شخص تھا لیکن اس کے باوجود اس کے دور میں ہندوؤں کے ساتھ اس کا طرز عمل مثالی تھا اور اس وقت کے ہندو مسلم تعلقات کی ایک اساس نمک حلالی تھی۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے معاملہ میں اس نے وسیع النظری کا ثبوت دیا۔ نگر کوٹ کی مہم کے دوران مندروں کے انہدام سے خاص طور پر گریز کیا۔ سیرت فیروز شاہ میں درج ہے: (**سلطان مغفور مرحوم محمد شاہ انار اللہ برھانہ نگر کوٹ سایہ افگندہ بود بالتماس راءے نگی کوٹ بت خانہ جوالا مکھی دا**[33]) سلطان مغفور مرحوم محمد شاہ انار اللہ برہانہ جب نگر کوٹ پر سایہ فگن ہوئے تھے تو انہوں نے رائے نگر کوٹ کی التماس پر جولا مکھی کے مندر کو چھوڑ دیا تھا۔

اس معاشرے میں انصاف لاگو کیا ہوا تھا جو کہ نظر آتا تھا لیکن پورا معاشرہ شاہ خرچ ہو چکا تھا۔ وہی لوگ جن پر بادشاہ وقت کی طرف سے پیسے کی بھرمار کی گئی بعد میں انہی نے بغاوت کا علم اٹھایا لیکن تب تک خزانہ خالی ہو چکا تھا جو کہ بعد میں بادشاہ کے ظلم و زیادتی کا ایک سبب بنا اور لوگوں پر غضبناک ہونا شروع ہوا۔ اس دور میں ہندو اور مسلمانون کے درمیاں رواداری کا پہلو نمایاں پایا جاتا تھا کیوں کہ اس دور میں ہندو بھی نمایاں عہدون پر براجمان تھے۔ سلطان محمد تغلق کی کچھ حماقتوں کی وجہ سے ملک تباہ ہو گیا اور رعایا دربدر پھرتی رہی، حکومت کی ساکھ بالکل ختم ہو گئی۔ اپنی تدابیر میں ناکامی کی بناء پر ایک مطلق العنان بادشاہت کی مانند غضب ناک ہو جاتا اور بات بات پر قتل کروا دینا اس دربار کا معمولی سا منظر ہو گیا۔ اگر قصر شاہی کے ایک دروازے پر انعام کی بارش ہوتی تو دوسرے پر کسی لاش کو پھڑکتے بھی دیکھا جا سکتا تھا جس کی وجہ سے رعایا متاثر ہو رہی تھی کیوں کہ محمد تغلق کی بر ہمی اور ظلم و ستم میں شدت آتی جا رہی تھی۔

32- مرجع سابق، ۱:۳۰۴۔

33- برنی، مرجع سابق۔

سلطان محمد تغلق کی حکومت ۲۶ سال تک رہی اور اس میں شک نہیں کہ قوانین بنانے کے اعتبار سے یا سلطنت کے نظم و نسق اور کثرت فتوحات کی وجہ سے یہ زمانہ تاریخ ہند کا یادگار زمانہ ہے جس سال وہ مرنے والا تھا اس سال سندھ میں بغاوت ہوئی۔ سلطان محمد تغلق نے دریائے سندھ عبور کیا اور لشکر کے ساتھ ٹھٹہ کی طرف روانہ ہوا ۔۱۳۵۰ء میں ٹھٹہ سے صرف تیس کوس دور تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد مچھلی کھائی، طبیعت پہلے بہتر نہ تھی تو اسی وجہ سے مزید خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ ایک ہفتے تک سلطان اسی طرح رہا۔ ۲۱ محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس کا انتقال ہو گیا اور خاندان تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہد حکومت ختم ہو گیا۔[34]

مغلیہ دور حکومت اور معاشرتی حالات

مغلیہ دور عملاً چنگیز خان کے عہد سے شروع ہے کیوں کہ تیمور اسی نسل سے تھا جو ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ کش کی گورنری پر مامور ہوا اور بعد میں چغتائیہ خان کا وزیر ہو گیا۔ اس کی حکومت پر ۱۳۶۹ء میں قابض ہوا اور اس کے لڑکے محمود کو برائے نام بادشاہ رہنے دیا۔ تیمور عرصے تک ایران میں برسر پیکار رہا، سات سال میں خراسان ، سجستان، افغانستان، فارس، آذربائیجان اور کردستان فتح کیے۔ بغداد فتح کرنے کے بعد جزائر پر قبضہ کیا اور دوسرے سال کشمیر سے دہلی پر یورش کی۔ ۱۴۰۱ء میں ترکوں سے مقابلہ کیا اور ممالک عثمانیہ زیر و زبر ہوئے ۔ مصر، حلب، دمشق قلمروئے تیموری میں داخل ہو گئے۔ تسخیر چین کے لیے جا رہا تھا کہ راہ میں ۱۴۰۵ میں زندگی نے وفا نہ کی اور سمندر قند میں دفن ہوا۔[35] اس بحث میں صرف ان مغل سلاطین کا ذکر ہو گا جنہیں مغلیہ خاندان میں عروج ملا، جن میں ظہیر الدین بابر، جلال الدین اکبر اور اورنگ زیب عالمگیر شامل ہیں۔

ظہیر الدین محمد بابر

عمر شیخ مرزا ایک عادل اور منصف حکمران تھا جب وہ یہاں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا تو اس کی بیوی قتلق نگار خانم کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس بلند اقبال بیٹے کا نام بابر مرزا رکھا۔ محمد بابر کا باپ چھت سے گرا اور جاں بحق ہو گیا اور بابر نے ۱۲ سال کی عمر میں اندخان کی حکومت کی بھاگ دوڑ سنبھال لی اور اراکین کے صلاح و مشورے

-34 سجاد میر ٹھی، مرجع سابق، ۳:۵۵۴۔

-35 مرجع سابق، ۳:۶۴۲۔

سے باپ کا ولی عہد بن گیا۔[36] بابر اس بلا کا اولوالعزم اور بہادر تھا کہ خوف وہراس پاس نہ پھٹکتا تھا۔ ارادوں میں مستقل اور ناکامی میں ہمت نہ ہارنے والا تھا۔ فتح کی نسبت اللہ کی طرف کرتا کہ یہ میری بہادری یا لیاقت سے نہیں بلکہ اللہ کی مہربانی سے حاصل ہوئی ہے۔ یہی کلمات اس خدا پرست اور جواں مرد بادشاہ نے پانی پت کی مشہور لڑائی فتح کر کے اپنی زبان سے کہے۔ ظہیر الدین بابر کے لقب سے شہرت حاصل کی[37] اور سیاسی اعتبار سے سلاطین دہلی کی طرح مغل بادشاہوں نے بھی اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ راجپوت جاگیری عناصر کو مسخر کرنے کے ساتھ بعض مندروں کو بھی گرادیا بالخصوص ایسی حالت میں جب سامنتوں نے اطاعت تسلیم کرنے کی بجائے شہنشاہ دہلی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہو۔[38] سمرقند کو فتح کرنے کی تمنا بابر کو شروع سے تھی اسی لیے رشتہ داروں سے امداد لینے کے بعد ایک چھوٹی سی فوج تشکیل دی اور اپنی سلطنت کا ایک حصہ بحال کر لیا۔ دراصل سمرقند محلات اور باغات کا عالیشان شہر تھا اور اس کا قدیم وطن بھی تھا۔

بابر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

> "سمرقند ایک سو چالیس سال سے میرے خاندان کا دارالخلافہ رہا ہے ایک اجنبی قزاق نے ہمارے شاہی عصا پر دست تصرف کر لیا جو ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور خدا نے آج مجھے لٹا ہوا شہر واپس دلا دیا۔"[39]

بابر نہ صرف بہادر اور جنگجو باشاہ تھا بلکہ اصولوں کا محکم انسان تھا جب اس نے سمرقند پر حملہ کیا تو وہاں کے سوداگروں کو محاصرے کی وجہ سے کاروبار میں نقصان ہونے لگا تو انہوں نے شہر سے باہر آکر لشکر میں اجناس کا تبادلہ کیا جس کی وجہ سے لشکر والوں کو ہر چیز میسر ہوئی اور سوداگروں کو فائدہ ہونے لگا۔ ایک دن لشکر کے لوگوں پر حرص اور طمع غالب آ گیا اور تاجروں کا مال لوٹ لیا۔ تاجروں کی شکایت پر بابر نے لوٹا ہوا تمام مال سوداگروں کو واپس کر دیا۔ بابر کے اس سلوک سے وہ تاجر بہت خوش ہوئے۔[40] بابر تمام مغل بادشاہوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ وہ سلطنت مغلیہ کا بانی تھا، کئی اعلیٰ اوصاف کا مالک تھا۔ بیک وقت صاحب سیف و صاحب قلم تھا اور اس کی کتاب **"تزک بابری"** ایک شاندار علمی شاہ کار ہے اس میں لفاظی کی بجائے مشاہداتی بیانات ہیں۔ قرآن کے کئی نسخہ جات لکھ کر مکہ

-36 فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۴۱۴۔

-37 شیخ محمد اقبال، مرجع سابق، ۱۰۹۔

-38 ڈاکٹر مبارک علی، **تاریخ اور مؤرخ** (لاہور: فکشن ہاؤس مزنگ روڈ)، ۸۰۔

-39 ظہیر الدین بابر، **تزک بابری** (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۰ء)، ۱۷۔

-40 اسلم راہی، **ظہیر الدین بابر** (کراچی: شیخ بک ایجنسی)، ۱۔

بھجوائے۔[41] ہند کی آب و ہوا اس کو موافق نہ آئی، اکثر بخار کی شکایت رہتی اور اس کی صحت جاتی رہی، قریب المرگ شہنشاہ نے ہمایوں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اڑتالیس سال کی عمر میں دسمبر ۱۵۳۰ء میں آگرہ میں جاں بحق ہو گیا۔ بابر کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کابل لے گئے اور باغ نور افشاں میں دفن کیا جس سے اس کو بہت انس تھا۔[42]

بابری دور کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کے دور میں رواداری کے اصول کو فروغ دیا گیا اور مذہبی اختلافات کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کرایا۔ اس نے جنگوں میں کامیابی کے باوجود رحم دلی کا برتاؤ کیا۔ ہندوں اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی، سماجی اور تہذیبی تعلقات اس قدر مضبوط تھے بلکہ بڑھ چکے تھے کہ جب بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اسے ہندوں اور مسلمانوں کی مشترکہ فوج سے نبرد آزما ہونا پڑا لیکن بابر نے بھی یہاں آکر معاشرتی استحکام اور مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان امن اور محبت کے پہلو کو ہی فروغ دیا ہے اس بات کا اندازہ اس وصیت سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ اس کے چند مندرجات ذیل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۔　مذہبی تعصب کو اپنے دل میں بالکل جگہ نہ دینا۔

۲۔　گاؤکشی سے بالکل پرہیز کرنا تاکہ لوگوں کے دلوں میں جگہ مل جائے۔

۳۔　کسی قوم کی عبادت گاہ مت گرانا۔

۴۔　ہمیشہ انصاف کرنا کیوں کہ اسلام کی اشاعت ظلم و ستم کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔

۵۔　سنی شیعہ اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرنا کیوں کہ اس سے اسلام کے کمزور ہونے کا خدشہ ہے۔[43]

اس تمام گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بابر کے دور میں بھی مسلم ہندو تعلقات بہتر رہے ہیں اور اس معاشرے میں مذہب یا رنگ و نسل کی بنیاد پر قتل و غارت یا بے انصافی کے معاملات نظر نہیں آتے۔ کرنل میلن ہندوستان کے عام حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بابر کے طرز حکومت کے بارے میں لکھتا ہے کہ بابر تو ایک ایسے طرز حکومت کا عادی تھا جو ہندوستان کے طریقہ سلطنت سے کہیں بڑھ کر زبردست تھا۔ اس کے دور میں صوبوں کے

41- خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات** (لاہور: نگارشات، س ن)، ۹۷۔

42- میرٹھی، مرجع سابق، ۱:۶۵۹۔۶۶۰۔

43- سید صباح الدین عبدالرحمن، **بابر اور اس کا ہندوستان** (لاہور: پرنٹ لائن پبلیشرز، س ن)، ۳۴۴۔

حاکموں اور ضلعوں کے سردار اپنے علاقے میں پوری حکومت رکھتے تھے لیکن بادشاہ کا اختیار تھا کہ جب چاہے ان کو معزول کر دے۔لہذا اس بات کا خیال رہتا تھا کہ ایسا انتظام رکھیں کہ جس سے انصاف پورا پورا ہو یا شاہی دربار میں کارندے رکھیں جو ان کی بہتری کے نگران رہیں۔[44] لیکن اس کی فوجی مہمات کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مقصد غیر مسلموں کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا تھا اس کے لیے چاہے (مسلمان لودھی) حکمران ہی راستے میں کیوں نہ ہوں، ان سے نبرد آزما ہوا کرتا۔

جلال الدین محمد اکبر

برصغیر پاک وہند میں جلال الدین محمد اکبر کا انچاس سالہ عہد حکومت مغلیہ دور کا ایک نہایت ذرین اور تاریخی دور ہے وہ برصغیر کے ممتاز تاجداروں میں سے اور مغلیہ دور کا عظیم ترین حکمران تھا۔ اگرچہ وہ کتابی علوم سے نابلد تھا لیکن اس کی فہم وفراست ودور اندیشی اور انتظامی قابلیت قابل ستائش تھی۔اس کے دور حکومت میں علوم وفنون کو خوب ترقی ہوئی۔اس کی گراں قدر اصلاحات، حیران کن فتوحات اور شہرہ آفاق سلطنت نے مغلیہ سلطنت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ایک ایسے معاشرے کی تشکیل نظر آئی جس کے امور سلطنت میں ہم آہنگی اور امن وامان کی فضا قائم ہوئی بلکہ وہ ایسی بصیرت سے کام لیتا تھا کہ ہندوؤں اور راجپوتوں کو قرابت کے رشتوں میں استوار کر کے اپنا اطاعت گزار بنالیتا تھا۔

اکبر کے اخلاق اور اچھے رویے کی وجہ سے ہندو قوم اس قدر طرف دار ہو گئی کہ کئی راجوں نے اپنی بیٹیوں کی شادی اکبر سے کر دی۔دختر راجہ بہارامل والئی جے پور اور راجہ بھگوان داس کی بہن، دختر کلی ن مل والئی بیکانر، دختر راجہ ڈونگر پور، ان سب ہندو رانیوں سے اکبر نے شادی کی۔راجہ بہارامل کی بیٹی سے شہزادہ سلیم (جہانگیر) پیدا ہوا۔اس بیوی کو اکبر نے مریم زمانی کا خطاب دیا۔[45] اس نے جو چند ہندو معاشرتی رسومات اپنائی تھیں تو وہ صاف صاف ہندو رانیوں کے ساتھ مراعات کا مظہر تھیں۔جیسا کہ راکھی (کلائی پر دھاگہ پہننا)، دیپاولی (دیوالی کے چراغاں کا تہوار)، وہ کبھی کبھار ہندوں کا مقدس جنیو (زنار) بھی پہن لیتا تھا جس نے بدایونی) جیسے کٹر مسلمان برانگیختہ ہو جاتے تھے حالانکہ صوفیانہ شاعری میں صدیوں تک اسے شبحہ کے برابر سمجھا گیا ہے۔[46]

44- کرنل میلن، **رولز آف انڈیا سیریز**، مترجم:لالو شودیال (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، س ن)، ۶۳۔

45- میر ٹھی، مرجع سابق، ۳:۶۷۹۔

46- عبدالقادر بدایونی، **منتخب التواریخ**، مترجم: محمود احمد فاروقی، (لاہور: شیخ غلام علی سنز اینڈ پبلیشرز، س ن)، ۲:۳۶۵۔

اکبر مغلیہ بادشاہوں میں سے تیسرا بادشاہ ہے اور اس کے عہد میں شمالی ہند اور دکن کے ایک حصے میں سلطنت مغلیہ کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ اکبر ۱۵۴۲ء میں سندھ کے ریگستان میں امر کوٹ کے مقام پر اس وقت پیدا ہوا جب اس کا باپ ہمایوں، شیر شاہ کے ہاتھ سے بھاگتا پھرتا تھا۔[47] اکبر ۱۵۵۶ء میں جب تخت نشین ہوا تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ با قاعدہ اور مستحکم حکومت تو کسی خاندان کو نصف صدی سے زیادہ نصیب نہ ہوئی۔ اس دور میں دس پندرہ سال ایک خاندان کو پاؤں جمانے میں لگتے، ابھی حالات سمجھنے کا موقع ہی ملتا تھا کہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔[48] حالانکہ اکبر زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن سلطنت کو اٹھارہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ کاشت کاروں کے معاملہ میں شیر شاہ سوری کی اصلاحات کو ترقی دی۔ مختلف علاقوں اور قلعوں کو فتح کیا اور متعلقہ رعایا کی آسودگی کا انتظام کیا۔ اکبر کو عمارتیں بنوانیں کا بہت شوق تھا۔ آگرہ کا قلعہ، دہلی میں ہمایوں کا مقبرہ، لاہور اور سری نگر کے کئی قلعے اس نے تعمیر کروائے۔[49]

اکبر کے دور میں مذہبی و معاشرتی حالات

سیاسی بصیرت کے تحت اکبر نے اپنے لڑکوں کی شادیاں ہندو راجاؤں کی لڑکیوں سے کیں اور اس کا مقصد یہ تھا کہ تفرقے ختم ہوں اور معاشرے میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو اور ایسا کرنا کسی اور طریقے سے ممکن نہ تھا۔ سلطنت کے مفاد کی خاطر ہندو لڑکی سے شادی کرنا کوئی نئی بات نہ تھی کیوں کہ عربوں کے سندھ آنے پر ہی یہ روایت پڑ چکی تھی لیکن یہ نیا پن ضرور تھا کہ اکبر کے دور میں ہندو عورتوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے، اپنے تیوہار اور رسومات کو اندرون حرم داخل کرنے کی آزادی تھی اور ہمدردانہ طور پر افہام و تفہیم کے لیے بہت سے تجربات اس نے جذب کر لیے تھے۔ سید محمد لطیف شہنشاہ اکبر کے مذہبی خیالات کے بارے رقمطراز ہیں:

> اکبر کے مذہبی خیالات انتہائی کمزور تھے اس نے ایک نئے مذہب کو تشکیل دیا تھا۔ اس مذہب کی وضع قطع اور رسوم قدیم ایرانیوں سے اخذ کی گئیں۔ کرامات کا دعویٰ کرتا، لوگ اس کے پاؤں سے دھلے ہوئے پانی کو متبرک سمجھ کر استعمال کرتے، بیماری کے لیے پھونک مرواتے اور عوام نہ جانے کس قسم کی توہم پرستی میں مبتلا تھی۔ اکبر برہمنوں کے ہمراہ سورج کی پوجا کرتا، عیسائیوں کے ساتھ صلیب کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیتا، یہودیوں کی تعلیمات کا احترام کرتا اور تحمل و برداشت سے راہبوں یا دانشوروں کے دلائل کو قبول یا رد کرتا۔[50]

47- اقبال، مرجع سابق، ۱۰۹۔

48- محمد اکرم، **رود کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س ن)، ۹۷۔

49- ثروت صولت، **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۲: ۲۸۱۔

50- لطیف، نفس مرجع، ۳۰۱۔

اکبر نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد ایک فیصلہ یہ کیا کہ ہندوا اور مسلمانوں کو باتمیز رتبے دیئے جائیں اور اس بات پر آخر تک ڈٹا رہا۔ پرانا دستور تھا کہ جو فوج فتح پاتی اسے اختیار ہوتا کہ مفتوح لوگوں کی عورتوں، بچوں اور متعلقین کو چاہیں تو غلام بنا کر رکھیں یا بیچ ڈالیں۔ لیکن اکبر نے یہ حکم موقوف رکھا اور ان کو اختیار دیا کہ چاہیں تو اپنے گھروں کو چلے جائیں، رشتہ داروں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کوئی امیر یا غریب غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اس آزاد بادشاہ کی یہ سوچ تھی کہ اگر خاوند کا جرم ہو تو عورت کا کیا قصور؟ اور اگر باپ باغی ہو جائے تو اولاد کا کیا واسطہ؟[51] اسی طرح مغلیہ دور میں آمدنی کا ایک اہم حصہ ٹیکس سے آتا تھا لیکن ایک ہندو کی شکایت پر تیرتھ کرنے پر حاصل ہونے والا محصول ہندوں پر بند کر دیا گیا۔ اکبر کے خیال میں تیرتھ کرنا ہندوازم کا ایک تاکیدی حکم ہے اس لیے اس کی اطاعت میں ذرا بھی رکاوٹ ڈالنا جائز نہیں۔[52] اکبر کے ٹیکس معاف کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی سلطنت وسیع تھی جس سے کافی آمدن حاصل ہوتی تھی، ہو سکتا ہے اس نے ہندو امراء کو خوش کرنے کے لیے یہ ٹیکس معاف کر دیا ہو۔[53] اس کے ساتھ ساتھ اکبر نے جزیہ بھی موقوف کر دیا، اس نے عوام کو مکمل مذہبی آزادی دی جس سے غیر مسلم رعایا بہت خوش ہوئی۔ جزیہ کی موقوفی اکبر کی آزادروی اور تمام شہریوں کے لیے قانونی مساوات کی حکمت عملی سے ہم آہنگ تھی لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ اکبر کے اس فیصلے کو فتح اللہ شیرازی جیسے فقہاء کی تائید حاصل ہو جو تاریخ اسلام اور فقہ میں اس قسم کے نظائر سے باخبر ہوں جن میں غیر مسلموں کو جزیہ سے اس لیے مستثنی کیا گیا ہو کہ وہ اسلامی سلطنت میں عسکری اور معاشری خدمات انجام دے رہے ہوں۔[54]

اکبر کے سکھوں کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے اس نے سکھ گروامرداس کو ایک شخص جیٹھا کے ذریعے یہ مشورہ دیا کہ وہ ہر دور میں زیارت کے لیے جائے اور وعدہ کیا کہ اس کے ساتھیوں پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں لگایا جائے گا بلکہ اکبر نے گروجی سے دور خواست کی کہ چتوڑ کی مہم میں اس کے لیے دعا کرے۔ گروامرداس کا جانشین، رام داس کی اکبر بڑی عزت کرتا تھا۔ اسے ایک جاگیر عطا کی جس کی حدود میں امرتسر کا مشہور تالاب تعمیر کروایا گیا جو اب سکھوں کا ایک متبرک مقام ہے۔[55] دور اکبری میں عبادت خانوں میں اسلامی فرقوں کے علاوہ عیسائی، پارسی، ہندو غرض کہ ہر مذہب

51- میلن، **رولز آف انڈیا سیریز**، ۱۴۰۔

52- مصدر سابق۔

53- عشرت بصری، **اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق** (ملتان: الماس سنز پبلیشرز، ۲۰۱۰)، ۲۷۰۔

54- عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س ن)، ۱۸۔

55- مبارک علی، **جہانگیر کا ہندوستان** (لاہور: سانجھ ٹیمپل روڈ، ۲۰۰۸ء)، ۲۲۔

کے علما کو شرکت کی دعوت دی جاتی اور ہر ایک کے عقائد و شعاء ر سیکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بجائے خود قابل اعتراض بات نہ تھی لیکن اس کا اعلان ایسے اعمال سے ہوا جو مسلمانوں کے ظاہری اعمال کے سراسر خلاف تھا۔[56] اکبر کے دور میں موسیقی کے فن کو کافی ترقی ملی اور اس میں سب سے زیادہ حصہ تان سین نے لیا تھا، وہ درباری گویا تھا۔ ہندوں اور مسلمانوں نے اس کے کمال فن کا یوں اعتراف کیا ہے کہ دونوں ہی اسے اپناتے ہیں۔ یوں تان سین کا معاملہ بھگت کبیر اور گرونانک جیسا ہو گیا۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ تان سین گوالیار کے ایک ہندو گھرانے میں محمد غوث گوالیاری کی دعا سے پیدا ہوا تھا اور اس کی پرورش اسی درویش کی خانقاہ میں ہوئی تھی۔[57]

اسی طرح مغلوں کے دور میں بہت سے ہندوں نے فارسی میں کتابیں تصنیف کیں, کیوں کہ فارسی سرکاری زبان تھی ا س کے ساتھ ہی مسلمانوں نے سنسکرت کتابوں کے فارسی میں تراجم کیے اور ہندی میں کتابیں تصنیف کین۔ ملک محمد جالسی نے پدماوت تصنیف کی اور عبد الرحیم خانخاناں جو اکبر کے دربار کا ایک ممتاز امیر اور اس کے اتالیق کا بیٹا تھا، ہندی کے مشہور شاعروں میں گزرا ہے۔ خانخاناں عربی، فارسی اور سنسکرت کا عالم تھا اور ہندی میں بہت اعلیٰ درجے کا شعر کہتا تھا۔[58]

ابو الفضل[59] نے اکبر کو امام کا درجہ دے دیا حالانکہ سنیوں کے ہاں امام اور اہل تشیعہ کے ہاں امام کا میعار، مقاصد اور مقام مختلف ہے لیکن شیخ مبارک جو کہ اسماعیلی تھا اس نے اس کو امام اکبر، امام زماں اور امام عادل بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ جب اکبر کے حکم سے بدایونی نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تو ابو الفضل نے اس پر ۳۶ صفحات کا مقدمہ لکھا جو بقول بدایونی الکفریات والحشویات کا مجموعہ تھا۔ ابو الفضل نے مہابھارت کے مقدمہ میں اکبر کو ”خلیفۃ اللہ“ بھی لکھا ہے۔ ابو الفضل کی اس تحریر سے بدایونی کے اس بیان کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اکبر کے خوشامدی درج ذیل کلمہ پڑھا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔[60]

56- سید ہاشمی فرید آبادی، **تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت (محمد ابن قاسم سے اورنگ زیب عالم گیر تک)** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی منثورہ، س ن)، ۱:۳۷۴۔

57- قاضی جاوید، **ہندی مسلم تہذیب** (لاہور: نگارشات، ۱۹۹۵ء)، ۵۱۔

58- سید صباح الدین عبد الرحمن، **مقالات سلیمان: سید سلیمان کے تاریخی مضامین کا مجموعہ** (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء)، ۱:۱۵۔

59- اکبر کے مشہو زمانہ نورتن میں سے ایک تھا۔

60- پروفیسر محمد اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر** (لاہور: ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۰ء)، ۱۱۰۔

اب نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے ہزار سال پورا کرنے کی کوشش کی گئی جو کہ ابھی مکمل نہ ہوئے تھے اور کہا گیا کہ اب نئے دین کا آغاز ہونا چاہیے۔ اس دین کو دین الٰہی کی نئی اصطلاح سے متعارف کروایا گیا جس میں نئی نئی خرافات کو شامل کیا گیا جیسا کہ بادشاہوں کو سجدہ کرنا، بیماری کے لیے شراب کو لازم قرار دینا اور اس کے بیچنے کا انتظام کرنا یہاں تک کہ بادشاہ نے خود ہی شراب کے نرخ مقرر کیے۔ علاقہ سے باہر طوائفیں اور فواحشہ عورتوں کی بستی جس کا نام **"شیطان پور"** تھا بنائی گئی۔ اور زنا کی مکمل اجازت دی گئی۔ یہ ایسی برائیاں تھیں جس نے پورے معاشرے میں لڑائی، فساد اور خون ریزی برپا کر رکھی تھی۔ احکام اسلام کی مخالفت میں سور اور کتے کو پاک قرار دے دیا گیا۔ نئے دین کی شریعت میں ناپاکی کے غسل کی فرضیت کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ عربی زبان پڑھنا عیب قرار دیا گیا، حدیث اور تفسیر پڑھنے والے مطعون کیے جانے لگے۔ [61] نئے دین کی ایجاد دراصل شیخ مبارک اور اس کے دونوں بیٹوں (فیضی اور ابو الفضل) کی تحریک تھی۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ ابو الفضل کے خاتمے کے ساتھ اکبر کی بد اعتقادی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ ایک پاکباز مسلمان کی طرح خدا کے پاس گیا۔ اکبر کا تذکرہ کرتے ہوئے جہانگیر لکھتا ہے:

> میرے والد بزرگوار اکثر ہر دین و مذہب کے علما، خاص کر پنڈتوں اور ہندو مذہبی پیشواؤں کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ [62] بہر حال اکبر کی وفات پر ۱۶۰۵ء میں لوگوں کے تاثرات ایسے تھے کہ پورا شہر خوف و ہراس میں مبتلا تھا اور ہر فرد نے گھبراہٹ سے گھر کے دروازے بند کر لیے، دولت کو چھپانا شروع کر دیا، گھروں میں ہتھیار جمع کرنا شروع کر دیئے۔ یہ افراتفری تب ختم ہوئی جب دس دن بعد آگرہ سے ایک خط آیا کہ دارالحکومت میں سب خیریت ہے تو صورتحال معمول پر آگئی۔ [63]

اکبر کے دور حکومت میں رواداری، انصاف اور بین المذاہب ہم آہنگی اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور طرز حکمرانی میں وسعت دینے کے لیے اس نے تمام مذاہب کے لوگوں میں یا تو خود شادیاں رچائی ہوئی تھیں یا اپنے بیٹوں کی شادیاں ہندوؤں میں کی ہوئی تھیں۔ حالانکہ پڑھا لکھا ہوا نہ تھا لیکن سلطنت کا انتظام بڑے وسیع پیمانے پر کیا ہوا تھا۔ اکبر نے کئی ایسے کام ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے کیئے جن میں جزیے کا موقوف ہونا بھی شامل تھا۔ لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی دی جس کی بدولت غیر مسلم رعایا بڑی خوش ہوئی۔ کئی ہندوانا رسومات میں اصلاحات کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا جیسے کہ ستی کرنے کی رسم کے خاتمے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دور اکبری میں عبادت خانوں میں اسلامی فرقوں

61- بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۴۹۴-۵۰۰۔

62- نور الدین جہانگیر، **تزک جہانگیر**، مترجم: مولوی احمد علی رائے پوری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۵۳۔

63- مبارک علی، **عہد وسطیٰ کا ہندوستان** (لاہور: سانجھ، ۲۰۰۸ء)، ۷۸۔

کے علاوہ ہر مذہب کے علما کو شرکت کی دعوت دی جاتی، تمام کے عقائد و شعار سیکھنے کی کوشش ہوتی اور ان تمام افعال کا مقصد حاکم و محکوم کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنا اور ایسا طرز زندگی قائم کرنا تھا کہ جس قوم کے لوگوں سے ملاقات ہو تو اپنائیت کا پہلو پیدا ہو جائے۔ بہر حال اکبر کے دور کے کئی ایسے پہلو ہیں جو کہ غیر شرعی بھی تھے لیکن بحیثیت حکمران اس نے ہر ایسے دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی جہاں سے بغاوت پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ ہندوؤں کے جزے معاف کیے، ان کو اچھے عہدوں پر تفویض کیا، مندروں کی تعمیر کی مکمل آزادی تھی۔ لیکن اکبر کے دور کو اسلامی یا مسلم ریاست کا نام نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ اس نے دین الہی کے نام پر کئی عجیب و غریب خرافات کو جنم دیا اور اپنے دربار میں تمام مذاہب کی تعلیمات کو یکجا کر کے عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا۔ متحدہ ہندوستان کا پرانا خواب اکبر کے دور میں پورا ہوا اور ہندوستان صرف سیاسی طور پر ایک متحد ریاست ہی نہیں بلکہ تہذیب کے لحاظ سے بھی ایک متحد قوم نظر آتا ہے۔

جہانگیر عہد حکومت اور معاشرتی حالات

جہانگیر ۱۵۶۹ء میں پیدا ہوا اور اس کا نام سلیم رکھا گیا کیوں کہ اکبر بادشاہ کی اولاد پیدا ہوتی تو مر جاتی، اس لیے وہ شیخ محمد چشتی[64] کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ شیخ سلیم فتح پور سیکری میں رہتے تھے۔ اکبر نے سلیم کی پیدائش کے بعد اس جگہ کا نام فتح پور رکھ کر اس کو دار لحکومت قرار دیا اور یہاں کئی شاہانہ عمارتیں تعمیر کروائیں۔[65] اکبر کے دونوں بیٹے مراد اور دانیال چونکہ عالم جوانی میں ہی وفات پا گئے تھے تو اکبر کی وصیت کے مطابق شہزادہ سلیم تخت نشین ہوا اور اس نے اپنے لیے جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔[66] ۱۵۸۵ء میں راجہ بھگوانداس کی بیٹی سے جہانگیر نے شادی کی، دوسری شادی راجہ اودے سنگھ کی بیٹی جودہ بائی سے ہوئی۔ اسی طرح بالترتیب راجہ گیشوداس لاہور، راجہ رائے سنگھ راول والی جیسلیر کی بیٹیاں بھی جہانگیر کے عقد میں آئیں۔ بالاخر نور جہاں بنت غوث الدین سے جہانگیر کی شادی ہوئی، اس کا نام مہر النساء تھا، پھر نور محل اور بعد میں نور جہاں کے خطاب سے سرفراز ہوئی۔[67] جہانگیر کا اچھا کام زنجیر عدل لگوانا تھا جو کہ عدل جہانگیر کے نام سے مشہور ہے۔ جہانگیر فن مصوری کا بڑا شوقین تھا اس کے دور میں مصوری نے

64- آپ بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۴۹۲ میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک اسلامی ممالک: حجاز، روم، بغداد، شام اور نجف میں سرگرم سیاحت رہے۔ خلیق احمد نظامی، **تاریخ مشائخ وچشت**، (اسلام آباد: دارالمؤلفین، س ن)، ۲۲۷۔

65- خواجہ نظام الدین احمد، **طبقات اکبری**، مترجم: محمد ایوب قادری (لاہور: اردو سائنس اکیڈمی۔ ۱۹۹۰ء)، ۲:۳۵۲۔

66- فرید آبادی، **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک**، ۳۷۴۔

67- جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ۲۰۔

بڑی ترقی کی۔ کشمیر میں کئی باغات اور عمارتیں بنوائیں، ان میں شالامار باغ اور نشاط باغ آج بھی موجود ہیں۔ آگرہ کے قریب سکندرہ میں اکبر کا شاندار مقبرہ بھی جہانگیر کے دور کی تعمیر ہے۔ لاہور اور آگرہ کے قلعے میں بھی اس نے کئی عمدہ عمارتیں بنوائیں۔[68]

دور جہانگیر میں ہندوؤں کے ساتھ رواداری کی پالیسی اپنائی گئی، جہانگیر بھی اپنے والد کی طرح ہندوں پر مہربانی کرتا تھا۔ اس نے پوری سلطنت میں یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کو زبردستی اسلام میں نہ لائے۔ اس نے غیر مسلموں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔[69] جہانگیر کے دور میں ہندو جرنیل برابر خدمت بجالاتے رہے اور سلطنت مغلیہ کی حدود وسیع سے وسیع تر کرتے رہے۔ مثلاً اوداجی نے دکن کی مہمات میں حصہ لیا۔[70] اس دور میں مدد معاشیات ارضیات کا ادارہ دیہاتی ہندوستان کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے اہم اثرات کا حامل ہوا۔ اجتماعی اعتبار سے اس ادارے کے باعث دیہاتی آبادی میں مذہبی رواداری کا احساس پیدا ہوا اور مسلمان ملک کے اندرونی علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور ہندو آبادی سے براہ راست ربط و ضبط پیدا کیے۔ مسلمانوں نے مذہبی معتقدات کو تو محفوظ رکھا البتہ مقامی رسومات سے ضرور متاثر ہوئے۔ مقامی جشن اور میلوں میں حصہ لینے لگے اور دیہاتی زندگی کے مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے۔ ہندو مسلمانوں کو ماضی کی بنیاد پر ترک اور ملیچھ اصطلاحات سے یاد کرتے تھے لیکن وقت کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی آئی اور یہ تعصب دور ہوا۔[71] مذہبی رواداری کے مثبت رجحان نے مغلیہ دور میں قابل ذکر ترقی کی ہے۔ اس دور میں ہر انسان کو مذہب کی پیروی کی مکمل آزادی تھی۔ دور جہانگیر میں بھی ہندو اور مسلم نہایت اطمینان کے ساتھ رہتے تھے فوجی اور غیر فوجی ملازمتوں میں برابر کے مواقع حاصل تھے اور ایک مناسب اور خوشحال معاشرہ نظر آتا ہے۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکومت اور معاشرتی حالات

شاہ جہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ اورنگ زیب تیموری خاندان کا ہندوستان میں سب سے بڑا حکمران تھا اور اس کے دور میں تیموری سلطنت نقطہ عروج پر پہنچی۔ جب بھی شاہ جہاں نے اس کو معرکہ آرائی

68- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۳۶۳۔

69- بانو محبوب، **جہانگیر کی مذہبی پالیسی** (لاہور: سانجھ ٹیمپل روڈ، ۲۰۰۸ء)، ۹۰۔

70- عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، ۱۵۴۔

71- نعمان احمد صدیقی، **مغلوں کا نظام مال گزاری** (لاہور: سمیر اپبلی کیشنز، ۱۹۰۰ء)، ۲۰-۲۱۔

کے لیے بھیجا، سرخرو ہوا۔اور نیک اس قدر تھا کہ بدخشاں میں ازبکوں سے لڑائی کے دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔اورنگ زیب نے لڑائی کے دوران نماز ادا کی، اس کا یہ عمل دیکھ کر ازبکوں کے سردار عبد العزیز خان نے فوراً لڑائی بند کی اور کہا جو شخص خدا سے ڈرتا ہو اسے کسی کا ڈر نہیں اور ایسے شخص سے لڑنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔[72] اورنگ زیب، شاہ جہاں کا تیسرا لڑکا تھا جو ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ میں ممتاز محل دختر آصف جاہ مشہور ملکہ نور جہاں کی بھتیجی کے بطن سے پیدا ہوا۔[73] شاہ جہاں کے چار بیٹے تھے ایک اورنگ زیب، دوسرا داراشکوہ اور تیسرا شجاع جو اورنگ زیب سے بڑے تھے۔چوتھا چھوٹا بھائی تھا جس کا نام مراد تھا۔[74] عالمگیر عہد شہزادگی میں ہر کام کی نگرانی خود کرتا ،ہر آنے جانے والے پر نظر رکھتا، شہر کی خبروں سے باخبر رہتا، روزانہ کی بنیاد پر بازاروں کے نرخ معلوم کرتا، افسران فوج کی عزت کرتا۔ علما اور صوفیا سے محبت اور احترام کا تعلق رکھتا تھا۔ ملا عبد اللہ سیالکوٹی کے علم و عقل کا سن کر ان کو اجمیر بلا لیا۔ ان کی رحلت کے بعد بادشاہ نے ان کے چاروں بیٹوں اور اہلیہ کے وظائف مقرر کر دیئے۔ شیخ نظام الدین اولیا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزارات پر حاضری دیتا اور وہاں کے خدام کو انعام و کرام سے نوازتا۔[75] عدل وانصاف کے معاملے میں ایسا سخت کہ اعلان کروا رکھا تھا کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ ہو تو عدالت میں چلایا جا سکتا ہے "محکمہ احتساب" قائم کیا تھا جس کا مقصد لوگوں کو ناجائز اور برے اعمال سے روکنا تھا۔ یہ محکمہ شراب، جوا اور دوسرے برے کاموں کی روک تھام کے لیے تھا۔ اس سے پہلے بادشاہ شعراء کی سرپرستی کرتے لیکن اس نے درباری شعراء کی بھی سرپرستی ختم کر دی۔ امراء کو ہیرے جواہرات سے جڑے لباس زیب تن کرنے سے بھی منع کر دیا۔ دور دراز کے علاقوں تک سڑکوں کے ساتھ مسافر خانے، مساجد، کنوئیں اور حمام بنوائے تاکہ مسافروں کے لیے منزل تک پہنچنے میں کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس نے محل اور مقبروں کی بجائے مساجد تعمیر کروائیں۔ اس دور کی عمارتوں میں سب سے مشہور لاہور کی شاہی مسجد ہے۔ ماضی کی برائیوں اور بگڑی ہوئی عادات کا اس نے سختی سے نوٹس لیا۔

شیخ محمد اکرم مغلیہ دور کی معاشرتی برائیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> " یہ معاشرے میں اس قدر سرایت کر چکی تھیں کہ بد چلنی کے سیلاب کے ساتھ توہم پرستی بھی عام ہو چکی تھی ۔ جادوگروں، نجومیوں اور کرامت کے دعوے داروں سے دار الحکومت بھرا پڑا تھا۔ نجومی دریوں پر بیٹھ کر رمل و

72- فرید آبادی، **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک**، ۵۳۶۔

73- میرٹھی، مرجع سابق، ۱۹:۳-۱۷۔

74- اقبال، **تاریخ ہند**، ۱۴۱۔

75- میرٹھی، مرجع سابق، ۱۹:۳-۱۷۔ ۲۲۔

نجوم کی گفتگو کرتے اور اپنے الو سیدھے کرتے۔ چنانچہ عالمگیر کے بادشاہ بنتے ہی اس نے اپنی ساری کوششیں ان معاشرتی برائیوں کے خاتمہ میں صرف کر دیں ۱۶۶۴ء میں اس نے "ستی" کی ممانعت کی۔ بچوں کو غلام کے طور پر یا خواجہ سرا کے طور پر بیچنے پر پابندی عائد کی۔" [76]

اسلامی قوانین کے متعلق کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو تمام حنفی مسائل پر حاوی ہو۔ عالمگیر کو خود بھی شرعی احکام سے لگاؤ تھا اسی وجہ سے اس نے کتاب کے لکھنے کی طرف توجہ دی۔ عالمگیر نے ایک مستقل محکمہ " تالیف فتاویٰ " قائم کیا اور شاہی دربار کے کتب خانے کو اس کام کے لیے وقف کر دیا۔ تقریباً دو لاکھ روپے صرف کر کے یہ کتاب مکمل کروائی۔ جو " **فتاویٰ عالمگیری**" کے نام سے موسوم ہے۔[77] عالمگیر کے دور میں مذہبی رواداری کے معاملات میں کمی نظر آتی ہے جس کی بدولت مختلف اطراف میں نفرت کے آثار نظر آنے لگے۔ ہندوؤں کو پالکیوں اور گھوڑوں کی ممانعت کر دی گئی اور ہندو امراء کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور عہدوں سے معزول کر دیا جاتا۔ ان کے محصول بڑھا دیئے گئے جس کی بدولت انہوں نے کاروبار بند کر کے احتجاج کیا لیکن عالمگیر پر کوئی اثر نہ ہوا جو کہ اس کے خلاف نفرت کا سبب بنا۔[78] لیکن دوسری طرف یہ عالم تھا کہ ہندو اور مسلمان ابتدائی مکاتب، مدارس میں اکھٹی تعلیم حاصل کرتے اور اس وقت مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ یہاں سے فراغت پا کر ہندو اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے۔[79] یہاں تک کہ عالمگیر دور میں تمام مذاہب کے افراد کو مذہبی رسومات ادا کرنے کی روک ٹوک نہ تھی، شراب نوشی مسلمانوں کے لیے منع تھی لیکن اوروں کو پینے کی اجازت تھی۔ عیسائیوں کے معبد خانے دارالحکومت تھے۔ لوگ بلا روک ٹوک مذہبی فرائض انجام دیتے تھے۔ ہندوؤں کو اپنے مندروں میں پرستش کرنے کی کوئی پرسش نہیں کی جاتی۔[80]

مذہبی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے ظہیر الدین فاروقی لکھتے ہیں:

"Muslims freely joined in Hindus festivals and took active part in celebrations. Aurangzeb's own attitude is reflected in the

76- اکرم، رود کوثر، ۱۵۷۔
77- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۳۴۷۔
78- محمد لطیف، نفس مرجع، ۳۰۷۔
79- میرٹھی، مرجع سابق، ۳:۳۹۷۔
80- مرجع سابق، ۳:۲۷۷۔

fact that during the festival of Dasahra he used to distribute robes of honor among his Hindus nobles.[81]"

موت ایک حقیقت ہے چاہے کوئی کسان ہو یا بادشاہ، اس کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہے۔ آخری عمر میں عالمگیر دکن کے انتظامات میں مصروف تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے بیمار ہوا۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۱۱۱۸ھ کو وفات پا گیا۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری کے مزاروں کے درمیان دفن کیا گیا۔ اورنگ زیب پچاس سال دو ماہ اور ستائیس دن بحیثیت بادشاہ سلطنت پر معمور رہا۔[82]

خلاصہ بحث

برصغیر کا معاشرہ مسلم دور میں اگرچہ جاگیر دارانہ تھا لیکن اس کے باوجود اعلیٰ پیمانے پر ثقافت پرور اور ترقی پذیر تھا۔ علوم وفنون کی سرپرستی، ذوق سلیم کی حوصلہ افزائی، روشن خیالی، شوکت و نمود کی قدر شناسی اور مذہبی رواداری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ ملکی آبادی ضرورت سے زیادہ نہ تھی جس بناء پر لوگ آسائش و خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ذرائع آمد و رفت محفوظ تھے۔ سڑکوں کے ارد گرد مسافر خانے، سایہ دار درخت اور مناسب فاصلے پر سرائیں موجود تھیں۔

برصغیر کا معاشرہ زیادہ تر دیہاتی علاقہ پر مشتمل تھا اور ہندو عوام زیادہ تر کاشتکار تھے۔ معاشرے میں سب سے ارفع و اعلیٰ بادشاہ کی شخصیت ہوا کرتی۔ بادشاہوں کا دربار عالیشان اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہوتا تھا۔ دربار اور محل کی زندگی سے وابستہ افراد کے مہذب و شائستہ افکار و اطوار، تہذیب و شائستگی کے میعار تصور کیے جاتے۔ ان سے معاشرتی قدریں بہت زیادہ متاثر تھیں۔

مغلیہ ادوار کے امراء اور جاگیر دار ملک کے امیر ترین طبقے میں شمار ہوتے تھے، اقتدار انہی کے ہاتھوں کی زنجیر تھا۔ متوسط طبقہ جس میں علما، اساتذہ، اطباء، سرکاری ملازمین، تاجر، فنکار اور دستکار شامل تھے۔ یہ دور بڑے علمی اور قابلیت رکھنے والے لوگوں پر مشتمل تھا اور مغلیہ دور کے معاشرے میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔

اس معاشرے کا طرز زندگی مذہبی تکلفات سے آزاد تھا۔ دونوں اقوام ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے بہت قریب تھے اور قربت کا یہ عالم تھا کہ کہیں کہیں آپس میں رشتہ داریاں بھی پیدا ہو چکی تھیں اسی طرح ہندوں کے

81- ZahiruddinFaruki: Aurangzeb, Dr. Khan east India trade, Al Rahman building, The Mall Lahore, 1977, P: 213.

82- صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ۳: ۳۷۔

خاندانوں میں مسلسل شادیاں کرنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ان کے شعائر کو حکومتی سطح پر نہ صرف منایا جاتا بلکہ آہستہ آہستہ اس کو اپنایا جاتا رہا۔ دونوں کو فوجی اور غیر فوجی معاملات میں برابری کے مواقع حاصل ہوتے تھے۔

دونوں اقوام نے ایک دوسرے کا ادب پڑھا جس سے دونوں اقوام کی تہذیبوں پر اثرات مرتب ہوئے۔ تمام ادوار میں مذہبی رواداری کا پہلو انتہائی نمایاں نظر آتا ہے لیکن یقیناً بہت سے ایسے افعال منظر عام پر آنے لگے تھے جو صریحاً غیر شرعی تھے یہاں تک کہ کہ ایک دوسرے کے تہواروں اور رسم و رواج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے لیکن اس کا مثبت پہلو یہ تھا کہ اسی بناء پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خلوص و محبت پر مبنی خوشگوار اور مستحکم معاشرہ وجود میں آیا۔ مغلیہ دور میں مذہبی رواداری کے مثبت رجحان نے قابل ذکر ترقی کی۔ یہاں ہر فرد کو اپنے مذہب کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ ہندو مسلم نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

نتائج تحقیق:

مسلم سلاطین نے اپنے ادوار میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو اپناتے ہوئے برصغیر میں اس کو لاگو کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جو کہ اسلام کے آفاقی ہونے کی دلیل ہے اور ان اصولوں کا اطلاق مسلم و غیر مسلم کے لیے یکساں نظر آتا ہے۔

۱۔ قطب الدین ایبک پہلا حکمران تھا جس نے مقامی ہندو ملازمین پر اعتماد کیا۔ اس کے بعد التتمش نے بھی اپنے دور میں کافی جدت لانے کی کوشش کی۔ خوبصورت عمارتیں بنوائیں، عدل و انساف کے عمل کو تیز کیا اور عوام کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے اپنے آرام تک کی قربانی دی۔ جس کی ایک مثال محل کے برجوں میں زنجیر کا لٹکانہ تھا۔

۲۔ غیاث الدین بلبن نے تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ قرار دیا جاتا تھا۔ انتظام سلطنت اور عدل و انصاف میں امیر اور غریب کی برابری کی مثال شاندار تھی، الغرض اس کی رعایا مسرور و مطمئن تھی۔ قاضیوں کو مقدمات کے فیصلوں میں غیر جانبداری سے کام لینے کے احکامات دیئے جاتے تھے۔

۳۔ تغلق دور میں مسلم، ہندو کی تفریق سے قطع نظر عوام نے راحت کی زندگی بسر کی۔ ایسے اصول وضع کیے گئے جن سے عوام کی خوشحالی ممکن ہو پائی۔ زراعت کو ترقی دی گئی، خراج اور لگان کے معاملات میں آسانی کر دی گئی۔ محمد تغلق نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ ہندوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا، دولت کی فراوانی سے عوام کو نوازا لیکن بعد میں حکومتی گرفت کمزور ہوئی تو انہی لوگوں نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔

۴۔ برصغیر کے مسلم حکمرانوں میں مذہبی اختلافات کا تعصب نظر نہیں آتا۔ بابری دور کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس نے رواداری کے اصول کو فروغ دیا اور جنگوں میں کامیابی کے باجود رحم دلی کا برتاو کیا۔

۵۔ مسلم سلاطین نے رفاہ عامہ کے کئی مفید کام کیے جس سے ملکی ترقی میں اضافہ ہوا۔ سڑکوں کے نظام کو بہتر کیا، ان کے کناروں پر سایہ دار درکت لگوائے جس سے تجارت کو فروغ ملا۔ ڈاک کا انتظام انتہائی موثر ہوا۔ جگہ جگہ مسافروں کے لیے سہولت کے لیے سرائیں بنی ہوئی تھیں۔

٦۔ اکبر نے خود اور خاندان کے لڑکوں کی شادیاں ہندو خاندانوں میں کیں، اس کا مقصد تفرقے کو ختم کر کے یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اکبر نے ہندو مسلم کی تفریق کو مٹا دیا اور سب سے بلا امتیاز سلوک کرنے لگا۔ تمام لوگوں کو مراتب کے مطابق دربار میں بلاتا، تمام مذاہب کے علما و فضلا کو عزت و تکریم دیتا۔

۷۔ جہانگیر نے بھی ہندوں کو مندر بنانے کی مکمل آزادی دے رکھی تھی جس طرح کہ اکبر کے دور میں تھا۔ ایسے ہی مذہبی رواداری کے مثبت رجحان نے مغلیہ دور میں قابل ذکر ترقی کی ہے۔

Bibliography

1 Aslam Rāhī, ZahīruddīnBābar, Karachi: Sheikh Book Agency.

2 BānoMehbūb, Jahangir kīMazhabī Policy, Lahore: Sanjh Temple, ..2008

3 Muhammad Aslam, DīnIlāhi or us ka PasiManzar, Lahore: Nadwat Al-Musnafin, .1980

4 SarwatSolat, Milat Islamiyah kiMukhtasarTarīkh, Lahore: Islamic Publications, .2004

5 Jawzjānī, TabaqātNasiri, Lahore: Sang-e-Mīl Publications, .1998

6 Khaliq Ahmad Nizamī, Saltīn Delhi kyMazhabīRujhanāt, Lahore: Nigarshat, .1980

7 Dr. Sheikh Muhammad Iqbal, Tarīkh Hind, Lahore: Educational Publishers, .1913

8 Dr. Mubarak Ali, Tarīkh or Moarakh, Lahore: Fiction House, .1992

9 SajjādMīruthī, Tarīkh-e-Millat, Lahore: IdārahIslamiyāt, 1991

10 Syed Sabahuddīn Abdul Rahmān, Maqālāt-e-Sulaiman: Syed SulaimankyTarīkhiMadhamīnkāMajmūah, Islamabad: National Book Foundation, Islamabad, .1979

11 Syed Sabahuddīn Abdul Rahmān, Babar or us kāHindostān, Lahore: Print Line Publishers.

12 Zia-ud-Din Burnī, TarīkhFerozShahi, Lahore: Urdu Science Board, .2004

13 Zaheer-ud-Dīn Babar, Tuzak-e-Babrī, Delhi: National Council for the Promotion of Urdu Language, .2010

14 Abdul QadirBadayūnī, Muntakhib al-Tawārīkh, Lahore: Sheikh Ghulam Ali Sons & Publishers.

15 Aziz Ahmad, Baresaghīr main IslamīKalchar, Lahore: IdarahThaqāfat-e-Islamiah.

16 IshratBasrī, Islam main GhairMuslimonkyHuqūq, Multan: Almās Sons Publishers, .2010

17 Mohammad QasimFarshta, TarikhFarshta, Lahore: Al-Mizan.2004

18 Faridabadī, Muhammad Bin Qasimsy Aurangzeb Alamgir,tak Lahore: IdarahMuaraf-e-Islamī Mansoura.

19 QaziJaved, Hindi-Muslim Tahzīb, Lahore: Nigārshāt, .1995

20 Col. Mellon, Rules of India Series, Karachi: City Book Point, .2008

21 Mubarak Ali, JahangīrkāHindostān, (Lahore: Saanjh Temple, .2008

22 *Mubarak Ali, 'Ahid-e-WustākāHindostān, Lahore: Sanjh Temple .2008*

23 *Mohammad Akram, Rwod-e-Kauthar, Lahore: IdārahThaqāfat-e-Islamiah.*

24 *Muhammad ZakaullahDehlavī, Tarīkh-e-Hindostān, Ali Gharh: Matba' Institute, .1915*

25 *Muhammad Latif, Tarīkh-e-Punjab, Lahore: Takhlīqāt, .1994*

26 *Mufti Shokat Ali, Hindostān par IslamīHukumat, Delhi: Din-o-Dunya Publishers.*

27 *Nizamuddin Ahmad, Tabqāt al-Kubrā, IdārahTahqīq-o-Tasnīf,*

28 *Noman Ahmad Siddiquī, MughlonkāNizām-e-mālguzārī, Lahore: Sumsirā Publications, .1900*

29 *Nūr-ud-DīnJahangīr, Tuzk-e-Jahangīr, Lahore: Sang-e-Mīl Publications, .2004*

30 *A. L Srivastava, The sultanate of Delhi, educational publishers, Agra, .1950*

31 *Agha Mahdi Hussain, The rise and fall of M. Bin Tughluq, Burleigh press, Bristol, London, 1938*

32 *ZahiruddinFaruki: Aurangzeb, Dr. khan east India trade, Al Rahman building, The Mall Lahore,1977*

Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 136 - 166

مغلیہ دور حکومت میں علوم دینیہ کی تدریس کا اہتمام: ایک تجزیاتی مطالعہ

Arrangement of Religious Education in Mughal Empire
An Analytical Study

Rehana Kanwal*, Irshadullah[1]**

*M. Phil Scholar, Department of Islamic studies, National College of Business Administration and Economics Lahore
**Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University D.I. Khan

Keywords:

Muslim, Education, Religious, *Islam*, Curriculum, Mosque

Abstract: Muslims in the Subcontinent were strongly believed on religious education. It was considered mandatory for spiritually life here in this world and hereafter. This article defines the word "Education" and explains the importance of education in Islam. It discusses the system of Muslim religious education particularly focusing on its objectives and curriculum and the role of Mosque in it during the Muslim Empire in the Subcontinent. The trends of Muslim Education during the reigns of Mughal Empire are discussed in detail with all the famous Masājid (mosques), schools, centers of learning, pieces of writing and scholars of those eras. With the coming of the Mughals, educational and cultural activities received great fillip. Babur, the first Mughal ruler, was a man of literary taste and possessed perfect knowledge of Persian, Arabic and Turkish. His memoirs, is a work of great literary importance. Hamayun (1530—1556 A.D.) was also a great scholar. He was fond of the company of scholars and spent lot of time in scholarly pursuits. Akbar, the great Mughal ruler, showed much greater interest in education. During his reign, subjects like philosophy, history, literature and arts made tremendous progress. He introduced certain changes in the existing curriculum of subjects like logic, arithmetic's, astronomy, accountancy and agriculture etc. were included in studies. Shāh Jahān was an educated person and gave great encouragement to scholars and spread of education. Aurangzeb, the last great Mughal Emperor, was also educated and had love for education.

Kanwal, R. and Irshadullah. (2020). Arrangement of Religious Education in Mughal Empire: An Analytical Study. *Al-ʻUlūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *136 – 166.*

© 2020 AUJIS. All rightsreserved

KAUJIE Classification: S0, S7
JEL Classification: H75, I22, I28, I29

[1] Corresponding author, Email: irshadullah7850@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-ʻUlūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک فرد اور ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کو زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی، ذہنی اور فکری ورثے کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرتی ہے۔ تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے۔ کسی قوم کا تعلیمی نظام اُس کے دین، مذہب، معاشرتی حالات اور وقت کے تقاضوں کی روشنی میں فروغ پاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کا نظام بھی اسی طریق پر پروان چڑھا۔ برصغیر پاک و ہند میں (۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک) تین سو اکتیس سال تک مغلیہ عہد حکومت رہا۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک یہ حکومت عروج وزوال کے تمام مراحل طے کر چکی تھی۔ مغلیہ حکومت کے نامور حکمران بابر، ہمایوں، شیر شاہ سوری، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر تھے۔ مغلیہ حکمران اکبر کی بے دین تحریک کے خلاف شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء تا ۱۶۲۴ء) کا کام قابل تعریف ہے۔ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے تجدید و احیاء دین کے لیے کام کیا۔ اسلامی حکمت و فلسفہ پر کتابیں لکھیں اور صحاح ستہ کی درس و تدریس کا آغاز کیا۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد "**برصغیر پاک و ہند میں مسلم اور برطانوی سامراج کے دوران تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ**" کرنا ہے تاکہ برصغیر کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کے رجحانات سے آگاہی حاصل کی جاسکے، اسلامی تہذیب و ثقافت اور اس کی نمایاں خصوصیات اور اس کے مثبت اثرات کی نشاندہی کی جاسکے، مغلیہ حکومت کے دوران مقاصد تعلیم، نصاب تعلیم، طریقۂ تدریس اور اس کے اثرات کا مطالعہ کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت اور ان کے عروج و زوال پر روشنی ڈالی جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر میں پاکستان میں دی جانے والے تعلیم کی اصلاح کے لیے تجاویز دینا بھی اس مقالے کے مقاصد میں شامل ہے۔

تعلیم کا معنی و مفہوم

اپنی اصل کے اعتبار سے تعلیم لفظ "علم" سے ماخوذ ہے۔ علم کے معنی کسی چیز کو جاننا یا حقیقت کا ادراک کرنا ہے۔ اور "تعلیم" کا لغوی مطلب ہے سکھانا، پڑھانا، تربیت دینا۔

انگریزی زبان میں تعلیم کا متبادل لفظ ایجوکیشن (Education) ہے جو کہ لاطینی زبان کے لفظ "educere" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب رہنمائی کرنا ہے۔[1]

1- Oxford Advanced Learner's Dictionary, 8th ed., S.V. "Education".

غزالی (۱۰۵۸-۱۱۱۱) کے نزدیک تعلیم وہ عمل ہے جس کے ذریعے فرد کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکے اور نیکی و بدی میں تمیز کر سکے۔[2]

ابن خلدون (۱۳۳۲-۱۴۰۶) کے نزدیک تعلیم کا مقصد اس حقیقت کا علم حاصل کرنا ہے جو پیغمبروں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔[3]

یعنی اصطلاحی معنوں میں لفظ "تعلیم کا مطلب بہت وسیع ہے، مادی و روحانی ضروریات کے پیشِ نظر زمانے کے نشیب و فراز کو سمجھنا، اپنی سوچ و سمجھ سے فکری صلاحیتوں کو بہتر بنانا، ماضی و حال کے مختلف واقعات کے تناظر میں معاشرتی، اقتصادی، جغرافیائی ضروریات کا شعور اور ان تمام پہلوؤں کے انسانی سماجی زندگی پہ مرتب ہونے والے اثرات کی حقیقت کو سمجھنا اور اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے موجود معلوم حقائق کی روشنی میں خوبیوں و خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کارآمد شہری بنانے کی تربیت کرنے کو تعلیم کہتے ہیں۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام میں تعلیم کی جو اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی الٰہی نازل ہوئی، اس کا آغاز لفظ "اقراء" سے ہوا تھا جس کا معنی ہے "پڑھ"۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)﴾[4]

(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔ اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلّق وجود سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا۔ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اسلام تعلیم و تربیت کا ایک ایسا نظام دیتا ہے جس کی عمارت کی پہلی اینٹ ہی "اقراء" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو سب سے پہلے انہیں اسمائے اشیاء کا علم عطا فرمایا۔ علم کی اہمیت و فضیلت کو قرآن میں کئی مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

2- ابو حامد محمد غزالی، منہاج المتعلم (دمشق: دار البیان، ۲۰۰۵)، ۴۴-۴۶۔

3 - مقبول احمد، علمی اساسیات علم التعلیم (لاہور: علمی کتاب خانہ، ۲۰۱۵)، ۵-۸۔

4 - القرآن ۹۶: ۱-۵۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[5] (جو لوگ نہیں جانتے کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو جانتے ہیں؟)۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ[6](علم کی طلب ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے)۔

گویا یہ اسلام ہی ہے جس نے ہر شخص کے لیے علم کا تصور پیش کیا۔ ایک طرف اسلام نے تعلیم کو بنیادی ضرورت قرار دیا تو دوسری طرف اس کو حاصل کرنے کی ذمہ داری فرد اور معاشرے دونوں پر عائد کی ہے۔ اسلام کا یہ اصول ہے کہ جو چیز سب پر فرض ہو، اس کی فراہمی کی اوّلین ذمہ داری فرد پر جب کہ آخری ذمہ داری معاشرے اور ریاست پر عائد کرتا ہے۔[7]

اسلامی نظام تعلیم

تعلیم کے عناصر کا ایسا مجموعہ جو باہم مربوط ہو کر اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہوں اور ہم آہنگ ہو کر ؟ کی حیثیت اختیار کر لیں تو یہ عناصر کا مجموعہ اسلامی نظام تعلیم کہلائے گا۔ اسلامی نظام تعلیم سے انسان کو اخروی اور دنیوی فوز و فلاح حاصل ہوتی ہے۔ اخروی فلاح و بہبود سے انسان جہنم کے عذاب سے بچ جاتا ہے اور جنت کی نعمتوں کو پالیتا ہے۔ دنیاوی فلاح و بہبود حاصل ہونے سے انسان امن و سکون کی زندگی گزارتا ہے۔

مغلیہ عہد میں علوم دینیہ کی تدریس کا اہتمام

برصغیر پاک و ہند میں لودھی خاندان کے دور حکومت کے خاتمے کے بعد مغلیہ دور حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔ برصغیر میں مغلیہ دور حکومت اڑھائی سو سال پر مشتمل ہے۔ مغل وسطی ایشیائی علاقے سے برصغیر میں آئے تھے۔ برصغیر میں ان کے دور حکومت میں زندگی کے مختلف شعبوں میں کئی نئے تصورات آئے۔ انہوں نے شعر، ادب، تعلیم، سائنس، فلسفہ، خطاطی، مصوری اور فن تعمیر میں ترقی کی۔ مغلیہ حکمرانوں نے پہلے حکمرانوں کی طرح تعلیم و تعلم میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ ان کے درباروں میں اعلیٰ پایے کے علما موجود رہے۔ حکمرانوں نے اپنے اپنے دور حکومت میں دل کھول کر مکاتب و مدارس کے لیے روپیہ خرچ کیا۔

---

5 ۔ **القرآن** ۳۹:۹ ۔

6 ۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن ، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم (**بیروت**: داراحیاء الكتب العربیة، س ن)، رقم: ۲۲۴ ۔

7 ۔ محمد اقبال، **مقالات اسلامیہ** (**فیصل آباد**: انجمن نوجوانان اسلام، ۲۰۰۵)، ۱۴۰۔

مراکز تعلیم

مغلیہ دور حکومت میں ابتدائی تعلیم مساجد میں دی جاتی تھی۔ اس سطح کے مدارس "مکتب" کہلاتے تھے۔ مغل حکمرانوں کی علمی سرپرستی اور تعلیم سے دلچسپی کی بدولت شہروں میں بکثرت مدارس اور مکاتب قائم ہوئے جن میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانہ میں عام مسجدیں بھی تعلیمی مراکز کا کام دیتی تھیں۔ جب کہ دہلی، آگرہ، لاہور، جون پور، بیجاپور، احمد آباد اور گجرات وغیرہ میں جو عظیم الشان مساجد تعمیر ہوئیں، ان کے طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بڑا حصہ درس وتدریس کے کام آتا تھا۔ مساجد کی طرح بزرگوں کی قائم کردہ تعلیمی خانقاہیں بھی عموماً درس گاہ کا کام دیتی تھیں۔ ان کے مصارف کے لیے حکومت عطیے دیتی تھی۔ جاگیریں اور جائیدادیں وقف ہوتی تھیں جن کی آمدنی خانقاہوں کو دی جاتی تھی۔ کسی مخیر شخص کی وقف کردہ جائیداد کی آمدنی سے بھی ان خانقاہوں کا خرچ چلتا تھا۔ سرکاری مدرسوں اور کالجوں میں درس وتدریس کا کام ہوتا تھا۔ ایسے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہندو رعایا کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا پہلا دور (۹۳۳ھ-۱۵۲۶ء تا ۹۴۷ھ-۱۵۴۰ء)

بادشاہ ظہیر الدین بابر اور تعلیم

پہلا مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر تھا۔ اس کے دور میں علم وادب کمال تک پہنچا۔ بابر کا کتب خانہ مختلف نوعیت کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ وہ سفر وحضر میں بھی بہت سی کتابیں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء) میں بابر کے ہاتھ افغان حاکم غازی خان کا کتب خانہ لگا جو بابر کے نزدیک سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔ غازی خان بھی بڑا علم دوست تھا اور شاعرانہ مزاج رکھتا تھا۔ اس کے کتب خانہ میں عمدہ اور خوش خط لکھی ہوئی کتابیں موجود تھیں۔ بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ کتابیں اپنے لیے منتخب کیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو پڑھنے کے لیے دیں اور کچھ کامران کو کابل بھجوادیں۔

بابر کے وزیر سید معتبر علی کی کتاب **'التواریخ'** سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے عہد میں محکمہ تعلقات عامہ / محکمہ تعمیرات عامہ کو اس کے دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی سپرد کیا گیا کہ وہ ڈاک کا کام کرے، ایک گزٹ نکالے اور مدارس ودارالعلوم تعمیر کرائے۔ یہ محکمہ بعد کے حکمرانوں کے دور میں بھی بدستور کام کرتا رہا۔ تعلیمی عمارتوں کی تعمیر کے کام سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت تعلیمی امور پر توجہ دے رہی تھی۔ بابر خود بھی عربی، فارسی اور ترکی زبان کا عالم تھا جیسا کہ این۔ این۔ لاء لکھتا ہے:

"He was a great scholar in Arabic, Persian and Turkish, and a fastidious critic.[8] "

علم وادب میں بابر کی دلچسپی

بابر علم و ادب سے خاص لگاؤ رکھتا تھا۔ اس کے دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی عظیم روایات قائم ہوئیں۔ ظہیر الدین بابر نے علم و ہنر کی ترویج کے لیے انتظام کیا، جابجا مدرسے کھولے، مسجدیں بنوائیں اور مختلف فلاحی کاموں میں دلچسپی لیتا رہا۔ بابر کی علم سے دلچسپی کے بارے میں جمیل یوسف لکھتے ہیں:

"ساری زندگی جنگ و عدل میں مصروف رہنے کے باوجود بابر علم و ادب کے موتی رولتا رہا۔ تیموری خاندان کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے اس کے پیچھے تہذیب و تمدن کی شاندار روایات تھیں"۔ [9]

تعلیمی نظم و نسق

عہد مغلیہ میں برصغیر پاک و ہند میں مسلمان آبادی کے مکانات، محلہ کی مسجدوں کے حجرے طلبہ کے لیے اقامت خانوں کا کام دیتے تھے یعنی "فری بورڈنگ" کا نظام قائم تھا۔ مساجد، شہروں، قریوں اور قصبات میں امراء کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں سے بھی مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا۔

بابر کی وفات

بابر نے بارہ سال کی عمر میں تاج شاہی سر پر رکھا اور اڑتیس برس حکومت کی جس میں پانچ برس ہندوستان کے عہد حکومت کے بھی شامل ہیں۔[10] بابر کی اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت: اسلام کی اشاعت ظلم و ستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔[11]

ہمایوں عہد (۹۳۷ھ-۱۵۳۰ء)

بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹے نصیر الدین محمد ہمایوں نے ۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ (۲۹ دسمبر ۱۵۳۰ء) کو آگرہ میں ہندوستان کا تاج شاہی سر پر رکھا۔ ہمایوں ترکی، فارسی، علم ہیئت، ہندسہ، نجوم، شعر اور معما گوئی میں ماہر تھا۔۔ اس کا

8- Law, N.N. Promotion of Learning in Muslim India. London: Oxford Press (1916) 121.

9۔ جمیل یوسف، بابر سے ظفر تک (اسلام آباد: کتاب گھر، ۱۹۸۹)، ص ۱۶۔

10۔ محمد اسحٰق بھٹی، فقہائے ہند (لاہور: دار النوادر، ۲۰۱۳)، ص ۴۶۸۔

11۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰)، ص ۲۳۔

کتب خانہ بڑا وسیع اور مختلف عنوانات کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا۔ اکثر مہمات پر بھی اپنے ساتھ مطالعہ کے لیے کتابوں کی ایک منتخب لائبریری لے جایا کرتا تھا۔ ایس ایم جعفر لکھتے ہیں:

"جس وقت وہ ہندوستان چھوڑ کر جا رہا تھا، وہ اپنے ساتھ اپنی پسند کی کتابیں اور اپنے وفادار لائبریرین لالہ بیگ کو بھی جو باڈ بہادر کے نام سے موسوم تھا، لے گیا تھا۔"[12]

ہمایوں نے تعلیمی ترقی کے لیے بھرپور کوشش کی۔ اس کے عہد میں ایک مدرسہ دہلی میں موجود تھا جس کا مدرس شیخ حسین تھا۔ اس کے عہد میں دریائے جمنا کے کنارے بھی تعلیمی مدارس موجود تھے جو اس کی تعلیمی دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں:

ہمایوں کے عہد میں آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے شیخ زین الدین خوافی نے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔[13]

مدارس

ہمایوں کے مقبرے کے اوپر جو چھت تھی، وہ بھی دراصل ایک مدرسہ تھا جس میں بڑے بڑے اساتذہ تعلیم کے لئے وقت دیتے تھے اور مقبرہ کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے کمرے طلبا کی اقامت کے لیے بنے ہوئے تھے۔

علمائے کرام

ہمایوں کے عہد حکومت میں بہت سے مدارس موجود تھے جن میں علما و فضلا تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ان علما میں سید عبداللہ لاہوری بھی موجود تھے جو سید عبدالقادر بھاکری کے فرزند اور تصوف کے قادری سلسلے سے وابستہ تھے۔ وہ معقولات اور منقولات میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر حدیث، تفسیر اور فقہ کی تدریس میں گزار دی۔ اس کے متعلق رحمان علی لکھتے ہیں:

وہ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ انہوں نے تمام عمر فقہ، حدیث اور تفسیر کے درس میں گزار دی تھی۔[14]

وفات

۷ ربیع الاول ۹۶۳ھ (۲۰ جنوری ۱۵۵۶ء) کو ہمایوں اس کتب خانے کی چھت پر گیا جو دہلی کے قلعہ دین پناہ میں قائم کیا گیا تھا۔ مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد چھت سے اتر رہا تھا تو اذان کی آواز سن کر اذان کے احترام میں وہیں

12 - Jaffar, S.M.Mughal Empire (Lahore: Maktaba Aalia, 1988), P. 73.

13 - ابوالحسنات ندوی، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں** (امرتسر: الیکٹرک پریس، ۱۹۹۲)، ۲۹۔

14 - رحمان علی، **تذکرہ علمائے ہند**، (لکھنو: مطبع منشی نولکشور، ۱۹۱۲)، ۱۰۳۔

سیڑھیوں میں بیٹھ گیا۔ اٹھنے لگا تو عصا ٹوٹ گیا۔ اس حادثے کے سات روز بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ھ (۲۸ جنوری ۱۵۵۶ء) کو اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ہمایوں نے اکیاون برس عمر پائی اور پچیس سال سے زائد عرصہ فرائض حکمرانی انجام دیے۔[15]

شیر شاہ سوری عہد

ہمایوں کے ترک وطن کے بعد شیر شاہ سوری تخت نشین ہوا۔ اس نے ہندوستان پر قریباً پانچ سال حکومت کی۔ اس کا اصل نام فرید خان تھا۔ اس کے باپ کا نام حسن اور دادا کا نام ابراہیم تھا۔ ابراہیم اصل میں افغانستان کے علاقے رن کا رہنے والا تھا اور وہاں کے سور خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ فرید خان، شیر شاہ کے نام سے (خطاب شیر شاہ) بادشاہ بنا۔[16] شیر شاہ بڑا مدبر، عالم و فاضل، علما کا دوست و ہمدرد اور عادل بادشاہ تھا۔ اس نے ملک میں باقاعدہ اصلاحات جاری کیں اور اپنی قلمرو کو نظم و نسق کی مضبوط لڑی میں پرو دیا۔ اس کے دور حکمرانی کو برصغیر میں زریں دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مدرسہ نارنول

قلیل عرصہ حکومت کرنے کے باوجود اس نے متعدد تعلیمی مدارس بنوائے جو علوم و فنون کی ترقی کے لیے کام کر رہے تھے۔ یہ مدارس شیر شاہ سوری نے اپنے عہد حکومت (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) سے پہلے بنوائے تھے۔ ان مدارس میں نارنول (پٹیالہ) کا عظیم الشان مدرسہ شیر شاہ سوری کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ مدرسہ کی عمارت بڑی شاندار تھی۔ یہ مدرسہ شیر شاہ سوری نے اپنے داد کے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر بنوایا تھا۔ ان کے دادا ابراہیم سوری کی قبر بھی یہیں واقع ہے۔ یہ مدرسہ بھی تعلیمی ترقی کے لیے کام کرتا رہا۔ اس مدرسہ پر ایک کتبہ ابھی بھی موجود ہے جس سے اس کی تاریخ تعمیر ۹۲۷ھ / ۱۵۲۱ء ظاہر ہوتی ہے۔[17]

وفات

شیر شاہ سوری کی مدت بادشاہت قریباً چار سال، چار ماہ، پندرہ دن ہے۔ اس نے ۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ بمطابق ۲۴ مئی ۱۵۴۵ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات بہادر قلعے میں بارودی گولے کے پھٹنے سے ہوئی۔ شیر شاہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا اور سارا جسم جل کر سیاہ ہو گیا۔ اسی سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کو اس کی پرانی جاگیر سہسرام میں دفن کیا گیا۔

15۔ محمد اسحٰق بھٹی، **فقہائے ہند** (لاہور: کتاب سرائے پبلشرز، س ن)۔ ۴۸۱۔

16۔ نفس مصدر، ۴۷۳-۴۷۶۔

17 - ندوی، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں** (امر تسر: الیکٹرک پریس، ۱۹۹۲)، ۲۸۔

شیر شاہ کا ذاتی کردار اور اوصاف

شیر شاہ بہت بڑا عالم تھا، اس لیے وہ علما کی بڑی قدر کرتا تھا۔ روزہ نماز کا بڑا پابند تھا۔ تہجد کے وقت اٹھتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ تہجد اور اشراق کی نماز پڑھتا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت پابندی کے ساتھ کرتا تھا۔ اس نے ملک سے بدعنوانی اور بدچلنی کو ختم کرنے کے لیے سخت ترین قوانین نافذ کر رکھے تھے۔

سلیم شاہ سوری

شیر شاہ سوری کے بعد اس کا بیٹا جلال خان ۱۵ ربیع الاول ۹۵۴ھ بمطابق ۱۵۴۵ء کو قلعہ کالنجر میں تخت نشین ہوا۔[18] جلال خان نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنا لقب "سلیم شاہ" اختیار کیا لیکن وہ حکومت کو سنبھالنے کا اہل نہ تھا۔ وہ وسیع حکومت کا انتظام چلانے میں قطعی نااہل ثابت ہوا۔ لیکن زہد و عبادت کے پہلو میں وہ بڑا عبادت گزار اور نیک نفس بادشاہ تھا۔ علما سے عزت و تکریم سے پیش آتا اور علمی مسائل میں ان سے مذاکرہ کرتا۔ سلیم شاہ سوری کا زمانہ علم و علما کے اعتبار سے بڑا زرخیز تھا۔ یہ بادشاہ اہل علم کا بہت قدر دان تھا۔ اس کے دربار میں شعر و شاعری اور مختلف مسائل پر علما کے درمیان مذاکرے اور مباحثے جاری رہتے۔ اس بارے میں این این لا لکھتے ہیں:

> "Shir Shah's son has love of learning. He could compose extempore verses. Two learned men with whom he used to mix often were Shaikh Abdul Hasan Kambu and Shaikh Abdullah Sultanpuri Maqdum-ul-Mulk ." [19]

> (شیر شاہ کا بیٹا علم سے محبت رکھتا تھا۔ وہ فی البدیہہ اشعار کہہ سکتا تھا۔ وہ اکثر شیخ عبد الحسن کمبوہ اور مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری جیسے، علما کی صحبت سے مستفید ہوتا تھا۔)

سلیم شاہ نے ہندوستان پر نو سال بادشاہت کی۔ ۹۶۱ھ -۱۵۵۴ء میں وفات پائی۔ اس سال کو بادشاہوں کی موت کا سال بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ گجرات کے خدا ترس اور عادل بادشاہ محمود کو برہان نامی ایک خادم نے شہید کیا اور اسی سال دکن کے بادشاہ نظام الملک کا انتقال ہوا۔

18۔ شوکت علی فہمی، **ہندوستان میں اسلامی حکومت** (لاہور: جہان علم و ادب، س ن)، ۲۸۷۔

19- Law, N.N. Promotion of Learning in Muslim India. (London: Oxford Press 1916) 138.

اکبر کا دور حکومت (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء)

۵ رجب ۹۴۹ھ بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو ہمایوں کا بیٹا اکبر پیدا ہوا۔ اس کی والدہ کا نام حمیدہ بیگم تھا۔ ہمایوں نے اپنے بیٹے کا نام جلال الدین محمد اکبر تجویز کیا۔[20] جلال الدین محمد اکبر باختلاف روایات ۲ یا ۷ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / جنوری ۱۵۵۶ء کو چودہ برس کی عمر میں اپنے باپ نصیر الدین ہمایوں کی وفات کے بعد تخت ہند پر بیٹھا۔[21]

اکبر خود زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن مردم شناس اور جوہر قابل کا قدر دان تھا۔ اس نے فرض شناس اور لائق افراد اپنے دربار میں جمع کر لیے تھے۔ اس کا دور، علم و فن کے اعتبار سے بے حد زرخیز تھا۔ بے شمار علما و فضلا جو مروجہ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اس کے دربار میں موجود تھے اور ملک کے مختلف علاقوں اور صوبوں میں بھی اہل علم بہت بڑی تعداد میں علمی خدمات انجام دیتے تھے۔ بڑے بڑے شہروں میں مدارس دینی قائم تھے۔ مثلاً دہلی، آگرہ، احمد آباد، جون پور، لاہور، ملتان، سیالکوٹ، سرہند، وغیرہ میں مشہور زمانہ حضرات علمانے تشنگان علوم کی علمی تشنگی بجھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔

علوم و فنون کی سرپرستی

اکبر کے دور کے تعلیمی تغیرات و انقلابات کے بارے میں غلام جیلانی مخدوم اور صفدر حیات صفدر لکھتے ہیں:

> ”اکبر کے دور میں تعلیمی تغیرات و انقلابات پیدا ہوئے۔ سب سے بڑا تغیر ابتدائی تعلیم میں یہ ہوا کہ مدت تعلیم گھٹ گئی اور جو کام برسوں میں ہوتا تھا، مہینوں میں ہونے لگا۔ اس کے نصاب میں وسعت پیدا ہوئی اور بہت سے علوم کا اضافہ کیا گیا“۔[22]

اکبر نے اپنے دور میں بہت سی تعلیمی اصلاحات بھی نافذ کیں۔ جو علوم اس دور میں پڑھائے گئے، ان میں اخلاقیات، علم الحساب، بہی کھاتہ اور فن زراعت، وغیرہ ہیں۔ ابو الفضل ان علوم کی مکمل فہرست بیان کرتا ہے:

> اخلاقیات، علم حساب، بہی کھاتہ، فن زراعت، علم الہندسہ، علم الساحت، علم ہیئت، علم رمل، معاشیات، انتظام ملکی، طبیعات، منطق، فلسفہ و حکمت، ریاضیات، الٰہیات اور تاریخ۔[23]

---

20 - فہمی، **ہندوستان میں اسلامی حکومت** (لاہور: جہان علم و ادب، س ن)، ۲۵۷۔

21- بھٹی، **فقہائے ہند**، ۳۳۔

22 ۔ صفدر حیات صفدر و غلام جیلانی مخدوم، **اسلامی ہند کے مسلم حکمرانوں کے تہذیبی اور سیاسی کارنامے** (لاہور: نیو بک پیلس، ۱۹۸۹)، ۵۵۔

رسمی تعلیم

اکبر کے دور کا سب سے بڑا تعلیمی کارنامہ یہ ہے کہ اس کے دور میں عام اسکولوں میں رسمی تعلیم دینے کا رواج عام ہوا تھا۔ کچھ مشترکہ اسکول بھی قائم ہوئے جن میں ہندو اور مسلمان طلبا ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس نے مختلف طلبا کے لیے مختلف قسم کا نصاب مقرر کیا۔ ہندو طلبا کے لیے ان کے مذہب اور معاشی و معاشرتی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب مقرر کیا گیا۔ اس عہد میں تعلیم اور نصاب میں واضح تبدیلی ہوئی۔ تعلیم و تدریس کے نئے طریقے متعارف کرائے گئے۔ حروف تہجی کو ختم کر کے حروف کے جوڑ پیوند کو لکھنا اور پڑھنا سکھایا جاتا۔ اس طرح طالب علم میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی کہ وہ اشعار اور حکمت و نصیحت کی باتیں جلدی یاد کر لیتا۔ تدریس میں اس طریقہ کو ملحوظ رکھا گیا کہ بچہ خود حروف کو پہچانے اور ان کو ملا کر الفاظ بنائے۔ اس طریقے سے حروف کی شناخت، الفاظ کے معانی، مصرع، شعر اور آموختہ پر استاد زیادہ توجہ دیتا اور طالب علم جلدی پڑھنا، لکھنا سیکھ جاتا۔ ابوالفضل لکھتے ہیں:

> اکبری دور میں طریقہ تدریس میں اصلاح کے لیے یہ کوشش کی جاتی کہ بچہ خود حروف کا جوڑ پہچانے اور ان کو ملا کر الفاظ نکالے اور بخوبی جھے کر سکے۔ اور ان امور میں استاد بہت کم مدد دیتا۔ چند روز میں ایک مصرع یا ایک مقولہ اس طرح پڑھایا جاتا اور یاد کرایا جاتا کہ بچہ قلیل مدت میں رواں پڑھنے لگتا۔[24]

علوم وفنون کی سرپرستی

اکبر نے علوم وفنون کی وسیع پیمانے پر سرپرستی کی۔ اس کے دور میں ملک میں متعدد مدارس قائم ہوئے جو علوم وفنون کی ترویج و اشاعت میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان مدارس کے علما و فضلا نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ بعض کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ اس سے ادبی معیار بہت بلند ہوا۔ جیسا کہ ایس۔ ایم۔ جعفر لکھتے ہیں:

> اکبر کے دور میں ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مدرسے قائم تھے اور دور دور سے ان مدرسوں میں اہل علم پڑھنے اور پڑھانے آتے تھے۔ جون پور، آگرہ، دہلی، احمد آباد، ملتان اور دوسرے علمی مراکز میں علوم وفنون کی ترویج درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ انہی مرکزوں کے علما نے اپنی تصنیف و تالیف کے ساتھ ہندوؤں کی بعض کتابوں کے ترجمے کیے۔[25]

---

23 ۔ ابو الفضل ابن مبارک(متوفی 1602ء)، **آئین اکبری**، ترجمہ مولوی فدا علی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۵)، ۲۷۸۔

24 ۔ نفس مصدر، ۴۱۷-۴۱۸۔

25 ۔ ایس، ایم، جعفر، **تعلیم، ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں** (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷)، ۶۵۔

اکبر نے فتح پور سیکری شہر کو آباد کیا اور اس میں علوم وفنون کی ترویج کے لیے کئی مدارس قائم کیے۔ اس نے فتح پوری سکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا۔ مشہور عبادت خانہ جو اصل میں مذہبی بحث ومباحثہ کے لیے وقف تھا، نامور علما و مفکرین کی توجہ کا اہم مرکز بنا۔ عہد اکبری میں ماہم بیگم نے جو اکبر عظیم کی مرضعہ تھیں، ۹۶۹ء میں پرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا۔ مدرسہ کا نام " **خیر المنازل**" رکھا گیا۔ مختلف علوم وفنون کے لیے مقامات مخصوص ہوتے تھے جہاں سے ان علوم کی تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ مثلاً صرف و نحو کی تعلیم پنجاب میں دی جاتی تھی۔ حدیث و تفسیر کی تعلیم دہلی میں دی جاتی تھی۔ منطق و حکمت کی تعلیم رام پور میں دی جاتی تھی۔ فقہ، اصول فقہ اور کلام لکھنو میں پڑھائے جاتے تھے۔ فارسی تعلیم کے علاوہ سنسکرت اور دیگر مذہبی علوم کی تعلیم کے لیے، ملک کے بڑے بڑے مشہور شہروں میں بڑی بڑی درسگاہیں تھیں جہاں دور دور سے طلبہ آکر شریک درس ہوتے تھے۔

نصاب تعلیم کا تیسرا دور

برصغیر پاک و ہند میں مسلم دینی تعلیمی نصاب کے تیسرے دور کا آغاز ۱۵۸۳ء میں میر فتح اللہ شیرازی (م ۱۵۸۸ء) کی اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے دربار میں آمد سے ہوتا ہے۔ ہمایوں عقلی علوم کا دلدادہ تھا مگر اکبر مذہبی آزادی کی حمایت کرنے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا دربار صرف فلسفہ و حکمت کا دربار بن گیا۔ میر فتح اللہ شیرازی نے سابقہ نصاب میں اضافہ کیا۔ اکبر کے دور میں کئی طرح کی تبدیلیاں نصاب تعلیم میں رونما ہوئیں۔ فتح اللہ شیرازی نے درسی کتب پر حاشیہ نگاری کی اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس کا درس صرف اعلیٰ درجوں کی انتہائی نایاب کتب ہی تک محدود نہ تھا بلکہ امراء اور وزراء کے سات آٹھ سال کے بچوں کو بھی ابتدائی نصاب پڑھایا جارہا تھا۔ نئے نصاب تعلیم کو علما نے فوراً قبول کیا۔ شاہ ولی (۱۷۶۲ء) (جو اس دور میں سب سے آخر میں آئے) نے "**الجزاء اللطیف** "میں اپنی درسیات کو اس ترتیب سے لکھا ہے:

نحو: کافیہ۔ شرح جامی۔

منطق: شرح شمسیہ۔ شرح مطالع۔

فلسفہ: شرح ہدایت الحکمۃ۔

کلام: شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی۔ شرح مواقف۔

فقہ: شرح وقایہ۔ ہدایہ (کامل)۔

اصول فقہ: حسامی۔ توضیح و تلویح (کچھ حصہ)۔

بلاغت: مختصر۔ مطول۔

ہیئت وحساب: بعض رسائل مختصرہ۔

طب: موجز القانون۔

حدیث: مشکوۃ المصابیح (کل)۔ شمائل ترمذی (کل)۔ صحیح بخاری۔

تفسیر: مدارک۔ بیضاوی۔

تصوف وسلوک: عوارف المعارف۔ رسائل نقشبندیہ۔ شرح رباعیات جامی۔ مقدمہ شرح لمعات۔ مقدمہ نقد النصوص۔

اکبر کے عہد حکومت میں نصاب تعلیم میں جو تبدیلیاں ہوئیں، ان کا تجزیہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں:

"اکبر کے زمانے میں درس و تدریس میں کئی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ خلجی اور تغلق خاندانوں کے زمانے میں علوم و فنون کی کتابیں ہندوستان میں کم تھیں کیوں کہ ان کے عہد میں فقہ اور اصول فقہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ لودھیوں کے زمانے میں معقولات کی چند کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن اکبر کے عہد میں معقولات میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کی بڑی وجہ ایران اور سمرقند سے بعض علما کی آمد تھی جنہوں نے منطق اور فلسفے کو پھر سے رواج دیا"۔[26]

علما کی آمد اور اشاعت تعلیم:

اکبر کے عہد میں علما کی ایک بڑی تعداد لاہور میں موجود تھی۔ **ہفت اقلیم** کے مصنف امین الدین رازی نے اکبری عہد میں لاہور کے علما کی تعداد کے بارے میں لکھا ہے:

" لاہور میں فضلا اور علما کی اتنی بڑی تعداد آباد ہے کہ وہ گنتی اور شمار میں نہیں آسکتی"۔[27]

اکبر کا عہد برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کے لیے امن وخوشحالی کا باعث بنا۔ اس کے دور میں علوم وفنون نے بہت ترقی کی۔ اکبر کا دربار علما اور فضلا سے بھرا پڑا تھا۔ فیضی، اکبری دربار کا ملک الشعرا تھا جہاں بیسیوں اہل زبان (ایرانی) شعرا موجود تھے۔ علامہ ابو الفضل، ابو الفیضی، عبد القادر بدایونی، خان خاناں عبد الرحیم جیسے علما و اہل کمال دربار اکبر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں تصنیف و تالیف پر گہری توجہ رہی۔ " آئین اکبری" بھی اسی دور میں تالیف ہوئی جس پر

[26] ۔ شیخ محمد اکرام، **موج کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۵)، ص ۱۶۲۔

[27] ۔ امین احمد رازی، **ہفت واقلیم** (کلکتہ: رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۳۹)، ص ۱۳۳۔

علمائے حق نے آواز بلند کی۔ آگرہ میں متعدد مدارس قائم تھے۔ یہاں کی تعلیمی درسگاہوں کے لیے شیراز سے علما بلائے جاتے تھے۔ جیسا کہ این۔ این۔ لاء لکھتے ہیں:

> آگرہ، اکبر کے عہد میں علوم وفنون کا ملجاوماویٰ اور تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ اسی شہر میں بہت سے اسکول تھے جہاں طلبہ دور دور سے مشہور علما کے درس میں شرکت کرنے کے لیے آتے اور جن میں شیراز کے ممتاز اساتذہ درس دیا کرتے تھے۔[28]

اس دور میں بہت سے علمائے کرام نے درس وتدریس کی مسندیں بچھائیں۔ مولانا علاؤالدین، شیخ منور لاہوری، شیخ مبارک ناگوری، شیخ معین لاہوری، ملا عبدالرحمٰن لاہوری، ملا اسحاق، شیخ نعمت لاہوری، شیخ نورالدین کنبوہ لاہوری، شیخ موسیٰ حداد، ملا ہادی محمد، مولانا محمد مفتی، مولانا الہ داد لنگر خانی، قاضی صدرالدین لاہوری، ملا ابوالفتح لاہوری، ملا ہاشم کنبوہ لاہوری، ملا یزید لاہوری، مفتی اسماعیل، ملا حسام الدین لاہوری، مولانا اسماعیل مدرس میاں وڈا، وغیرہ کا شمار لاہور کے معروف علما اور اساتذہ میں ہوتا تھا۔ شیخ سعد اللہ بن اسرائیلی علاقہ نخاس میں درس دیا کرتے تھے اور بہت سے لوگ آپ سے استفادہ کرتے تھے اور آپ کو عزت واحترام دیتے تھے۔ ملا بدایونی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> شیخ سعد اللہ (موجودہ سلطان کی سرائے) میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو لوگ وقت کا ولی سمجھتے تھے۔[29]

جلال الدین اکبر کی وفات:

اکبر نے پچاس سال سے کچھ زائد عرصہ حکومت کرکے ۱۳ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء کو وفات پائی اور دارالسلطنت آگرہ میں سکندرہ کے مقام پر دفن کیا گیا۔[30]

نورالدین جہانگیر عہد (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء)

نورالدین، مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کا سب سے بڑا بیٹا اور بابر کی نسل کا چوتھا بادشاہ تھا جو ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ / ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء کو نواح آگرہ میں سیکری کے مقام پر پیدا ہوا۔[31] اکبر نے اس کا نام اپنے مرشد شیخ سلیم چشتی کے نام پر رکھا۔ جہانگیر کی والدہ کا شاہی نام مریم زمانی تھا۔ وہ راجہ پہاڑ امل کی بیٹی تھی اور ہندوستان کے راجپوت خاندان

28_ Law, N.N. Promotion of Learning in Muslim India. P: 163.

29۔ عبدالقادر بدایونی، **منتخب التواریخ**، ترجمہ عبدالحئی علوی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ص ۵۹۰-۵۹۱۔

30۔ محمد قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ترجمہ عبدالحئی خواجہ (لاہور: المیزان ناشران وتاجران کتب، س ن)، ۲: ۵۳۵۔

31۔ نورالدین جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴)، ص ۱۸۔

سے تعلق رکھتی تھی۔[32] جہانگیر کی ولادت کے بعد اکبر نے سیکری کے مقام کو مبارک سمجھ کر اپنا دارالحکومت بنایا۔ فتح گجرات کے بعد اس کو فتح پور سیکری کے نام سے موسوم کیا گیا۔

تخت نشینی:

جہانگیر ۱۴ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ / ۱۷ ستمبر ۱۶۰۵ء کو چھتیس برس کی عمر میں اپنے والد جلال الدین اکبر کی وفات کے بعد دارالحکومت آگرہ میں جہانگیر (دنیا کا فاتح) کے نام سے تخت نشین ہند ہوا۔[33] اور برصغیر کی وسیع سلطنت کی زمام اختیار ہاتھ میں لی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر قلعہ کے دہلی دروازہ میں پتھر کے ایک حاشئے پر عبارت درج کی گئی جو آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کا اختتام ایک دعا پر ہوتا ہے: دعا ہے ہمارا بادشاہ جہانگیر پورے عالم کا بادشاہ ہو جائے۔ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ کاروبار حکومت کا آغاز کیا۔ جیسا کہ سید عبدالحیٔ حسنی لکھنوی لکھتے ہیں:

> وافتتح أمره بالعدل والسخاء وقرب إليه العلماء وكان صحيح العقيدة خلافا لوالده-[34]
> (جہانگیر نے اپنا سلسلۂ حکومت عدل و انصاف اور جود و سخا کے ساتھ شروع کیا۔ علمائے کرام اس سے قرب و تعلق رکھتے تھے اور وہ اپنے باپ (اکبر) کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان تھا)۔

مطالعہ کتب کا شوق

اس کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ سرکاری کتب خانے کے علاوہ اس کا ایک شاندار اور ذاتی کتب خانہ تھا۔ اس کے مہتمم کا نام مکتوب خان تھا۔ جہانگیر، سفر میں بھی کتابیں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تزک جہانگیری میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب بادشاہ گجرات گیا تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتب خانے سے کتب پیش کیں۔ وہ اپنے بارھویں سال جلوس کے واقعات کے حوالے سے لکھتا ہے:

> مشائخ گجرات میرے پاس آئے تو میں نے ان کے مرتبے کے مطابق انہیں خلعت، مصارف اور اراضی دے کر رخصت کیا۔ ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک کو اپنے ذاتی کتب خانے سے **تفسیر کشاف**، **تفسیر حسینی** اور **روضۃ الاحباب** وغیرہ کتابیں پیش کیں اور ان کتابوں کی پشت پر اپنی گجرات میں آمد اور کتاب دینے کی تاریخ تحریر کی۔[35]

---

[32] ۔ محمد اسحاق بھٹی، **فقہائے ہند** (لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۳)، ۴: ۲۱۲۔

[33] ۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، **مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے** (اعظم گڑھ (یو، پی): دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۹)، ص ۳۶۔

[34] ۔ عبدالحیٔ حسنی لکھنوی، **نزہۃ الخواطر** (حیدر آباد (دکن): دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۵)، ۵: ۱۲۰۔

وہ ترکی زبان کا عالم بھی تھا۔ یہ زبان اس نے 'عبدالرحیم خانِ خاناں' سے سیکھی۔ چہل حدیث کا درس شیخ عبدالنبی سے حاصل کیا۔

عہد جہانگیر میں تعلیمی ترقی اور اس کا تعلیمی رجحان:

جہانگیر کا عہد علمی لحاظ سے بہت درخشاں تھا۔ بادشاہ خود بھی پڑھا لکھا اور مستند صاحب تالیف تھا۔ تزک جہانگیری اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جہانگیر نے تعلیم کی ترقی کے لیے بہت کاوشیں کیں۔ مدارس کی مرمت اور از سر نو تعمیرات اس بات پر شاہد ہیں کہ جہانگیر اپنے والد جلال الدین اکبر سے تعلیمی معاملات اور علوم و فنون کی ترویج میں سبقت لے گیا۔ جہانگیر کو بے نظیر انشاء پرداز تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ رائے مولانا شبلی نعمانی نے دی ہے:

> سلسلہ تیموریہ میں یوں تو ہر فرماں روا، سخن فہم اور اداشناس گزرا ہے لیکن اس فن میں جہانگیر اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا۔[36]

ایک روایت کے مطابق عہد جہانگیری میں وباء پھیلنے سے پہلے لاہور کے محلہ تلہ میں مرد و زن صغیر و کبیر تین ہزار حفاظ موجود تھے۔[37]

علاوہ ازیں وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ بہترین شاعر، ظریف طبع، فصیح البیان، ذکی و فطین اور اپنے وقت کا بہترین عالم تھا۔ جیسا کہ ایس۔ ایم۔ جعفر رقم طراز ہے:

> Jahangir was a scholar as well as a poet. He wrote his autobiography which is the main source of our information about his reign. He was an unfailing friend of the learned.[38]

تزک جہانگیری کے علاوہ فارسی زبان میں **"پندنامہ"** کے نام سے اپنے بیٹوں کے لیے ایک رسالہ قلم بند کیا جو چند اوراق پر مشتمل ہے۔

قرآن پاک کا لفظی ترجمہ

35۔ جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ص ۳۴۶-۳۴۷۔

36 - مولانا شبلی نعمانی، **شعر العجم**، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲)، ۱: ۱۶۵۔

37۔ داراشکوہ، **سفینۃ الاولیاء** (ناشر ندارد، ۱۸۷۶)، ص ۱۶۵۔

38- Jaffar, S. M. Education in Muslim India. (Delhi: Idarah-I Adabiyat-I Delli (1972). P: 92.

جہانگیر نے اپنے دور حکومت میں ایک عالم دین شیخ محمد بن جلال حسینی گجراتی کو قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ترجمہ لفظی ہو اور لفظ قرآن سے ایک حرف بھی زائد نہ ہو۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہونا چاہیے۔ الفاظ اور زبان میں کسی قسم کا تصنع اور تکلف نہ ہو۔[39]

علمائے کرام سے محبت وعقیدت

جہانگیر سنی العقیدہ بادشاہ تھا اور اس کو علمائے وقت سے بے حد محبت وعقیدت تھی۔ جہانگیر بادشاہ علما و صلحا کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ ان سے علم کی روشنی حاصل کرتا تھا۔ ان کے فیوض برکات سے استفادہ کرتا تھا۔ ان سے حقائق ومعارف کی باتیں سنتا تھا۔ جیسا کہ تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:

بعلما و دانایان اسلامیہ فرمودم کہ مفردات اسمائے الٰہی را کہ دریاد گرفتن آسان باشد جمع نمائند تاں آں[40]

(میں نے علمائے اسلام اور فقہاء کو حکم دیا کہ وہ مفرد اسمائے الٰہی جمع کریں کیوں کہ ان کو یاد رکھنا آسان ہے۔ میں ان کا وظیفہ کرنا چاہتا ہوں۔ جمعرات کو میں علما وصلحا اور درویشوں کی صحبت اختیار کرتا ہوں)۔

اس کے اپنے بائیس سالہ دور حکومت میں جون پور، دہلی، لاہور، آگرہ، کشمیر، سیالکوٹ، ملتان، سرہند، برہان پور، ٹھٹھہ وغیرہ میں متعدد علمائے کرام موجود تھے۔ ان علاقوں کو فقہاء وشعرا، صوفیاء واتقیا اور علما وصلحاء کے مراکز کی حیثیت حاصل تھی۔ جہانگیر بادشاہ ان علما وفقہاء میں بالخصوص شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی کے علم وفضل کی وسعت پذیری سے متاثر تھا۔ جہاں گیر کی مجدد الف ثانی سے عقیدت مندی اور شیفتگی کے متعلق مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

بادشاہ از محبان شیخ شد، بحدیکہ گاہی آں جناب راازخود جدانمی کرد۔[41]

(جہاں گیر بادشاہ کا شمار محبان شیخ مجدد میں سے ہوا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو حضرت سے جدا نہ کرتا تھا)۔

جہانگیر کے دور کے علما کرام

---

[39]۔ لکھنوی، **نزہۃ الخواطر**، ۵:۱۶۸۔

[40]۔ نور الدین جہانگیر، **تزک جہانگیری** (لکھنو: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۹۱۴)، ص ۱۰۔

[41]۔ مفتی غلام سرور لاہوری، **خزینۃ الاصفیاء** (لکھنو: مطبع نامی گرامی پنڈت بیجناتھ الموسوم بہ ثمر ہند، س ن)، ص ۲۸۳۔

دور جہانگیری کے علمائے کرام اور فقہائے عظام، حکمائے عالی مقام اور شعرائے نام دار کے اسمائے گرامی کی طویل فہرست ہے۔ اقبال نامہ جہانگیری میں ہمیں ان فضلائے عصر کی فہرست دی گئی ہے جن سے جہانگیر بادشاہ نے استفادہ کیا۔ ان میں مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نام قابل ذکر ہیں جیسا کہ این۔ این۔ لاء لکھتا ہے:

> Jahangir tells us in the Tuzak that on Friday evening he used to associate with learned men, darwishes and recluses. [42]

(جہانگیر تزک میں ہمیں بتاتا ہے کہ جمعہ کی شام کو وہ علما کرام، درویشوں اور راہبوں سے ملا کرتا تھا۔)

اقبال نامہ جہانگیر میں ہمیں کچھ علما اور شعرا کی فہرست ملتی ہے جو بادشاہ کے ہم عصر تھے، وہ علما یہ تھے: ملا روزبہاں شیرازی، میر شکر اللہ شیرازی، میر عبدالقاسم گیلانی، ملا باقر کشمیری، قاضی نصر اللہ، ملا فاضل کابلی، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا عبدالطیف سلطان پوری، مولانا عبدالرحمان گجراتی، مولانا حسن فراغی گجراتی، مولانا حسین گجراتی، خواجہ عثمان حساری، مولانا محمد جون پور، مولانا مقصود علی وغیرہ۔[43]

جہانگیر نے لاہور کو ۱۵۲۲ء میں مغلیہ سلطنت کا دوسرا دارالسلطنت قرار دیا۔ اس کے زمانے میں لاہور پنجاب کا اہم ترین تعلیمی مرکز تھا۔ ملا بایزید، ملا عبدالسلام لاہوری، میرک شیخ ہروی، سید میر، مولوی محمد سعید اعجاز اور ملا محمد یوسف جیسے علما اور نامور اساتذہ یہاں موجود تھے۔ عہد جہانگیری میں سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری کے بیٹے مولانا محمد رضا عرف حکیم دانا جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ انہوں نے برسوں تک سیالکوٹ میں علمی مشاغل کی رونق قائم رکھی۔ جہانگیر نے ان کی شہرت اور قابلیت سن کر آپ کو ایک مجلس میں بہت یاد کیا تھا۔

مدارس دینیہ کی تعمیر

جہانگیر مدارس دینیہ کی تعمیر کا بھی شوق رکھتا تھا۔ اس دور میں قدیم مدارس کی مرمت کی گئی اور ان میں پھر سے تعلیم و تدریس کا انتظام قائم کیا گیا۔ "**جام جہاں**" کا مصنف لکھتا ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے تخت نشینی کے بعد قدیم مدارس کو جو کچھ مدت سے پرندوں اور جانوروں کا مسکن بنے ہوئے تھے، طالب علموں اور استادوں سے بھر دیا۔ ان مدارس میں طلبا جوق در جوق داخل ہونا شروع ہوئے۔ جو لوگ تعلیم کے حصول کو مذہبی فریضہ سمجھتے تھے، وہ ان مدارس میں آکر اطمینان کے ساتھ علوم و فنون کی اشاعت میں مشغول ہو گئے نیز پرانے مدرسوں کے ساتھ ساتھ نئے مدارس بھی قائم ہوئے۔ اس نے بہت سی خانقاہیں بھی تعمیر کروائیں۔ اس نے یہ قانون بھی وضع کیا کہ حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا

42- Law, N.N. Promotion of Learning in Muslim India P: 179.

43- Ibid.

بیرونی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے مر جائے تو اس کی تمام جائیداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں اور خانقاہوں پر صرف ہو۔

عید گاہ جہانگیری جو اس عہد کی ایک شاندار مسجد تھی، اس کے ساتھ بھی ایک مدرسہ ملحق تھا۔ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی اس زمانے میں لاہور کی اس سرکاری درس گاہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ان کا شہرۂ کمال جہانگیر تک پہنچا تو اس نے ایک معقول جاگیر، مولانا کے نام مقرر کر دی۔

مدرسہ قلیج خان خانی

لاہور میں جہانگیر کے عہد حکومت میں ایک مدرسہ قلیج خانی کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ یہ مدرسہ اکبری دور میں قلیج خان اندجانی نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر معقولات میں خود بھی درس دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلی جو جہانگیر کے عہد میں تھے، اخبار الخیار میں ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہیں جہاں انہوں نے تعلیم پائی تھی۔ اس مدرسے میں تعلیم کا وقت صبح سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا۔ چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہیں اوقات میں مدرسہ جایا کرتے تھے۔

مدرسہ خس

مولانا علاء الدین جنہوں نے شرح عقائد نسفی پر حواشی لکھے ہیں، آگرہ میں درس دیا کرتے تھے۔ جو مدرسہ انہوں نے قائم کیا، وہ "مدرسہ خس" کے نام سے مشہور ہوا کیوں کہ یہی اس کا تاریخی نام تھا۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں:

"بآگرہ آمدہ بدرس مشغول شدند و مدرسہ از خس ساختند و مدرسۂ خس تاریخش شد۔"[44]

مولانا علاء الدین آگرہ آئے، خس وخاشاک سے مدرسہ بنایا اور پڑھانا شروع کر دیا اس کا تاریخی نام مدرسہ خس پڑ گیا۔

جہانگیر بادشاہ کا انتقال پر ملال

بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کی وفات حالت سفر میں واقع ہوئی جب وہ کشمیر کے دورے پر تھا۔ راجوڑی سے بھمبر جاتے ہوئے راستے میں چاشت کے وقت ہفتے کے روز ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو اٹھاون برس کی عمر پا کر

[44]- ابوالحسنات ندوی، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں** (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۴)، ص ۳۲۔

اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔[45] اس نے بائیس سال بر صغیر پاک وہند پر حکومت کی۔ اس کی میت لاہور میں لائی گئی اور اسی شہر میں اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کے مقام تدفین کا انتخاب اس کی زوجہ محترمہ نور جہاں نے کیا اور اس نے اپنے خرچ سے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا۔ بابر کی نسل کے اس چوتھے بادشاہ کی آخری رسوم (تعزیت) شاہی روایات کے مطابق ادا نہ کی گئیں۔ اس کی وجہ سیاسی حالات کا موزوں نہ ہونا تھا۔

شہاب الدین شاہجہاں (۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء)

مغلیہ خاندان کا سب سے مہذب، صاحب ذوق اور اعلیٰ مزاج رکھنے والا بادشاہ تھا۔ وہ چہار شنبہ کے روز ۲۸ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ / جنوری ۱۵۹۲ء کو لاہور میں پیدا ہوا۔ اس کا نام خرم رکھا گیا۔ شاہجہاں کی والدہ کا نام جودھا بائی تھا۔ وہ جودھ پور کے راجا بھگوان داس کی بیٹی تھی۔

تخت نشینی

جہانگیر کا بیٹا شاہجہاں ۱۰۳۸ھ / ۲ فروری ۱۶۲۸ء کو سینتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس دور میں دارالحکومت آگرہ تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ شاہجہاں کی ولادت بھی لاہور میں ہوئی اور تاج شاہی بھی اسی شہر میں سر پر رکھا گیا۔ اس نے اکتیس سال بر صغیر پاک وہند میں حکمرانی کے فرائض نبھائے۔[46]

بدعات کا خاتمہ

اس پابند شریعت بادشاہ کے عہد میں بر صغیر پاک وہند میں اسلام کو بڑی تقویت ملی اور بدعات کا خاتمہ کیا گیا۔ سجدہ تعظیمی جو پہلے بادشاہوں کے لیے رائج تھا، اس کو موقوف کر دیا گیا۔ اس دور میں علماو مشائخ کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا۔ شاہجہاں کے دربار میں ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، ملا محمد فاضل بدخشانی، قاضی محمد اسلم، قاضی محمد سعید، ملا میرک ہروی، ملا عبد اللطیف، میر محمد ہاشم، ملا فرید دہلوی اور میر محمد صالح نے رہ کر اس کے مذہبی خیالات کی نشو و نما میں بڑی مدد پہنچائی۔

تعلیمی ترقی

شاہجہاں نے اپنی رعایا کی اخلاقی اور تعلیمی ترقی کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ اس دور میں جو تعلیمی ترقی ہوئی، اس کے متعلق این۔ این۔ لاء نے لکھا ہے:

---

45 - بھٹی، **فقہائے ہند**، ص ۲۲۷-۲۲۸۔

46 - سید صباح الدین، **مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے**، ص ۳۹۔

تمام تعلیمی ادارے جن کے لیے سابق فرماں رواؤں، امراء اور دوسرے لوگوں نے بڑی بڑی جاگیریں اور اوقاف عطا کیے تھے، وہ اس کے عہد میں بھی اسی فراغ اور خوشحالی سے چلتے رہے۔[47]

شاہجہاں کے عہد حکومت میں پنجاب میں امن و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ شاہجہاں کئی بار پنجاب کے دورے پر آیا اور لاہور سے گزر کر چار بار کشمیر اور کابل گیا۔ اس نے پنجاب کی تعلیمی ترقی پر خصوصی توجہ دی۔ اس کے دور میں تعلیم بالکل مفت تھی۔ طلبا کا طعام و قیام اور دیگر ضروریات کی ذمہ داری مدرسے پر عائد تھی۔ طلبانہ صرف شوق سے پڑھتے بلکہ اپنا علم دوسرے لوگوں تک پہنچاتے۔ امراء کا طبقہ بھی علم و ہنر کا قدردان تھا۔ وہ حسب توفیق تعلیم پر خرچ کرتے تھے اور اسے دنیاو آخرت کی فلاح کا ضامن قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی گاؤں، کوئی قریہ، کوئی محلہ اور کوئی گلی ایسی نہ تھی جہاں تعلیم و تدریس کے لیے کوئی مدرسہ اور ادارہ موجود نہ ہو۔ خاص طور پر جون پور، الہٰ آباد اور دوسرے مشرقی صوبوں میں تعلیم و تدریس کا دور دورہ تھا جس کی بناء پر شاہجہاں کہا کرتا تھا کہ "پورب شیر از ماست" شاہجہاں عہد میں کوئی بھی قصبہ تعلیمی لحاظ سے خالی نہ تھا۔ بستی، بستی، قریہ قریہ علم و ہنر کی روشنی سے منور تھے۔ عہد شاہجہانی کے معروف مؤرخ محمد صادق اس ضمن میں لکھتے ہیں: اس وقت شاہجہانی دور میں ہر گاؤں میں ایک مدرسہ موجود تھا۔ کوئی قصبہ تعلیمی چرچے سے خالی نہ تھا۔[48] اس دور میں تمام مدرسے آزاد تھے اور ان میں سے اکثر مقامی اوقاف اور نیک دل لوگوں کی سخاوت پر چلتے تھے۔ عہد شاہجہانی میں تعلیمی سرگرمیاں بہت اعلیٰ و عمدہ تھیں۔ جیسا کہ مولانا آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

عہد شاہجہانی میں پانچ پانچ دس دس کوس پر شرفاء کی آبادیاں تھیں جنہیں سلاطین وقت سے وظائف اور زمینیں مدد معاش کے طور پر ملی ہوئیں تھیں۔ اس زمانے کے مدرسوں نے ہر جگہ طالب علموں کے لیے علم کے دروازے کھول دیے تھے اور ان کا نعرہ تھا کہ علم طلب کرنے والو ادھر آؤ۔ علم کے طالب علم گروہ در گروہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے۔ ہر آبادی کے صاحب توفیق لوگ طالب علموں کو اپنے ہاں ٹھہراتے اور اس جماعت کی خدمت کو سعادت عظمیٰ خیال کرتے۔[49]

مدارس لاہور

47- Law, N.N. p: 181-

48- علم الدین سالک، **لاہور کے علمائے کرام، دینی مدرسے** (نقوش کا خصوصی شمارہ "نقوش لاہور نمبر" فروری ۱۹۶۲ء)، ص ۴۹۲۔

49 - آزاد بلگرامی، **مآثر الاکرام** (لاہور: مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ، ۱۹۷۱)، ص ۲۲۱۔

شاہجہانی دور میں لاہور میں کثیر تعداد میں مدارس موجود تھے۔ ان میں سے مدرسہ مائی لاڈو، درس میاں وڈا، مدرسہ تیلی واڑہ، مدرسہ میانی صاحب، مدرسہ خیر گڑھ، مدرسہ ابوالحسن خان تربتی، مدرسہ شیخ بہلول، مدرسہ ملا فاضل قادری، مدرسہ ملا خواجہ بہاری، مدرسہ شیخ جان محمد شہروردی، مدرسہ فرید خان خاص طور پر مشہور ہیں۔

آگرہ کی جامع مسجد

آگرہ کی جامع مسجد شاہجہاں کی بڑی لڑکی جہاں آرا بیگم کی یادگار ہے۔ بیگم نے اسی کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اور شاید کسی نہ کسی صورت میں اب تک قائم ہے۔ مسجد کے گرداگرد دکانوں کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف تھی۔ آگرہ میں مدارس کی جو کثرت تھی، اس کا پتا آج بھی محلوں کے نام قدیم عمارات اور زبانی مشہور عام روایتوں سے چل سکتا ہے۔

اس دور حکومت میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۴ء میں سیالکوٹ میں ایک مسجد اور مدرسہ تعمیر کرایا۔ برصغیر پاک و ہند میں اس مدرسے نے بہت شہرت پائی۔ اس مدرسہ میں نہ صرف سیالکوٹ کے نادار طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ بیرون علاقہ جات سے بھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ مستحق اور نادار طلبا کو کپڑے، کتابیں اور کھانا دارالاقامہ سے ملتا تھا۔

دور شاہجہانی میں علما و مشائخ اور فقہائے عظام

دور شاہجہانی میں متعدد علما و مشائخ اور فقہائے عظام ہندوستان میں رونق افروز تھے۔ عہد شاہجہان کے مشہور مدارس میں بڑے بڑے نامور علما طلبا کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ ان علما میں چند علما کے نام یہ ہیں: علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، شیخ جان اللہ، شیخ عبدالکریم چشتی لاہوری، شیخ جان محمد لاہوری، محمد صدیق لاہوری، امام گاموں، مولانا محمد فاضل بدخشی، ملا عبدالسلام، مولانا عبداللطیف سلطان پوری، ملا یعقوب لاہوری، نواب سعد اللہ خان، حاجی محمد سعید اور ملا عصمت اللہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شاہجہان کے وزرا میں بھی جید علما شامل تھے جن میں ایک علامی محمد افضل تھے جو معقولات و منقولات کے جید عالم تھے۔ معاملات سلطنت میں بھی ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ شاہجہان ان پر بہت اعتماد کرتا تھا اور وہ فطانت و فراست میں یگانۂ روزگار تھے۔ ان کے بعد سعد اللہ خان چنیوٹی کو اس اعلیٰ منصب پر فائز کیا گیا۔ برصغیر پاک و ہند کے وسیع العلم بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ معقولات و منقولات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے اس جید عالم نے اپنے علوم و معارف کی روشنی سے طلبا کے ذہنوں کو منور کیا۔ یہ پاک و ہند کے آسمان علم و فضل کے درخشاں ستارے تھے۔ انہوں نے عہد شاہجہانی میں شہرت و ناموری کی منزلیں طے کیں۔ ان کی تصنیفات کو عالم اسلام میں بہت قدر و منزلت

حاصل ہوئی۔ پورے چار سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کی عظمت و فضیلت کا علم دنیا میں لہرا رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس عہد میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کی قدر و منزلت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ یہ اپنے زمانے کے واحد عالم دین تھے جنہیں بادشاہ کی جانب سے ایک لاکھ روپے سالانہ ملتے تھے۔ مولانا عبد الحکیم کی رفعت شان اور منفرد مقام کے بارے میں مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

ملا عبد الحکیم سیالکوٹی علامہ زمان سر آمد اقران خود[50] (ملا عبد الحکیم سیالکوٹی علامہ عصر اور اپنے معاصرین میں سب سے فائق تر تھے)۔

آپ نے بادشاہ کے حکم سے لاہور میں درس قرآن دینا شروع کیا۔ علمائے ہند آپ کے فیصلے کو مانتے تھے اور بادشاہ وقت شرعی احکام میں آپ کا فتویٰ ہی قبول کرتے تھے۔ آپ نے سید عبد القادر جیلانی کی مشہور کتاب "**غنیۃ الطالبین**" کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔[51] مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے ۱۶ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ / ۲۳ دسمبر ۱۶۵۶ء کو وفات پائی اور سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔[52]

وفات

شاہجہاں کو اکتیس سال حکومت کرنے کے بعد شعبان کی آخری تاریخ ۱۰۲۸ھ / ۲۲ مئی ۱۶۵۸ء کو تخت فرماں روائی سے الگ کیا گیا۔ معزولی سے آٹھ سال بعد اس نے سوموار کے دن ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ / ۲۳ جنوری ۱۶۶۶ وفات پائی۔ اس کی زندگی کے یہ آخری آٹھ سال تلاوت قرآن مجید، وظائف اور بعض جید علمائے کرام کی صحبت میں گزرے۔[53]

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

مغلیہ دور کے چھٹے حکمران ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اتوار کی رات ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ / ۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو 'دوحد' کے مقام پر پیدا ہوئے جو گجرات اور مالوہ کی سرحد پر اجین سے سو میل اور بڑودہ سے ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دادا (جہانگیر) نے "اورنگ زیب" نام رکھا۔ اورنگ زیب شاہجہاں کا تیسرا بیٹا اور اس کے چودہ بچوں میں سے بہ اعتبار ترتیب چھٹا بچہ تھا۔ اس کی والدہ کا نام ارجمند بانو تھا جو آصف جاہ ابو الحسن طہرانی کی بیٹی تھی اور **ممتاز محل** کے عرف سے معروف تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر تصوف و سلوک میں بھی دلچسپی رکھتا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ

50۔ رحمان علی، **تذکرہ علمائے ہند** (لکھنو: مطبع منشی نولکشور، ۱۹۱۲)، ص ۱۱۰۔

51۔ مفتی غلام سرور لاہوری، **خزینۃ الاصفیاء**، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور: مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۰)، ص ۳۴۸۔

52 - رحمان علی، نفس مصدر۔

53 - بھٹی، **فقہائے ہند**، ص ۲۴۴۔

احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی شیخ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی۔ اور اپنے والد سلطان شاہجہاں کے حکم سے شیخ موصوف کے ساتھ کامل وابستگی اختیار کر لی تھی۔

اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی

شاہجہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب عالمگیر یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ / ۲۳ جولائی ۱۶۵۸ء کو باغ اغر آباد (دہلی) میں جو بعد میں شالامار باغ کہلایا، جمعہ کے دن تخت ہند پر متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر چالیس برس تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکمرانی بہت طویل ہے۔ اس نے قمری حساب سے برصغیر پاک و ہند پر پچاس سال، دو ماہ اور ستائیس دن حکومت کی۔[54]

اورنگ زیب کی صفات

یہ بادشاہ نہایت عاقل و فہیم، مردم شناس، کشور کشا، جرأت مند اور زبردست منتظم تھا۔ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک، انتہائی بردبار اور حلیم الطبع تھا۔ قرآن کی تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم مروجہ کا عالم تھا اور اپنے دور کے علما و فقہاء اور مشائخ و صوفیاء کا بے حد احترام کرتا تھا۔ متبع سنت اور حامیٔ دین متین تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر خود بہت بڑا عالم اور خطاط تھا۔ علما کی قدر کرتا تھا۔ یہ بادشاہ بہت علم دوست تھا۔ عالمگیر کی تالیف **"فتاویٰ عالمگیری"** اس کی علم دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس کی دینی زندگی کی عکاسی کرنے والی کتاب ہے۔ بادشاہ نے اشاعت تعلیم میں اپنی تمام زندگی صرف کی۔ اس نے مدارس بنوائے اور علما کو مدد معاش دی تاکہ وہ اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے ادا کر سکیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کو مسلم دینی تعلیم اور فقہ اسلامی میں بہت گہری دلچسپی تھی۔ اسی لیے اس کے حکم سے اس کے شاہی کتب خانے میں دینیات، فقہ اسلامی اور دوسرے علوم پر بہت سی اہم کتابیں جمع کی گئیں۔

فتاوی عالمگیری

فتاوی عالمگیری اورنگزیب کے حکم اور کوشش سے معرض تصنیف میں لائی گئی اور پھر اسی کے نام سے منسوب ہوئی۔ اس کو **"فتاویٰ ہندیہ"** کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ محمد ساقی مستعد خان لکھتے ہیں:

> مشہور فتاویٰ عالمگیری جو فقہ اسلامی پر ایک بڑی مستند کتاب ہے۔ آج مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے اس کا وجود ناگزیر ہے۔ اس شاہی کتب خانے میں موجود ہے۔[55]

---

[54] ۔ نفس مصدر، ص ۵۳۵۔

[55] ۔ محمد ساقی مستعد خان، **مآثر عالمگیری** (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۴۵)، ص ۵۳۔

فتاویٰ عالمگیری فقہ حنفی کی ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے۔ اس میں بیان کردہ مسائل فقہ حنفی کی رو سے راجح ہیں یا ظاہر الروایت کے ہیں۔[56]

فتاویٰ عالمگیری کی فقہی اہمیت

فتاویٰ عالمگیری کی فقہی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے اور اس کے مآخذ و مراجع فقہ حنفیہ میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ اورنگ زیب نے بے شمار دارالعلوم اور ان گنت مدارس قائم کیے۔ جیسا کہ مسٹر کین نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے تعمیر کردہ مدارس اور دارالعلوم کے بارے میں لکھا ہے:

اورنگ زیب نے بے شمار دارالعلوم اور مدارس قائم کیے تھے۔[57]

برصغیر پاک و ہند میں اکبری دور میں شروع ہونے والا تیسرا تعلیمی دور اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت کے ابتدائی سالوں ۱۰۶۸ھ /۱۶۵۸ء تک جاری رہا جس میں منطق اور فلسفہ کا بہت چرچا رہا۔ مگر اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں جو تعلیمی انقلاب آیا وہ اسلامی مدارس میں درس نظامی کے نام سے ایک نئے نصاب تعلیم کا لاگو ہونا تھا۔ اس نئے نصاب کے رائج ہونے کے بعد برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں چوتھے تعلیمی دور کا آغاز ہو گیا۔

درس نظامی کا نصاب

درس نظامی کے نصابات کو وضع کرنے والے مولانا نظام الدین انصاری سہالوی ۱۱۶۱ھ /۱۷۴۸ء لکھنو کے نواح میں واقع موضع سہالی (حال واقع بنگلہ دیش) کے رہنے والے تھے اور ہندوستان کے اس وقت کے معروف عالم مولانا قطب الدین عبدالعلیم انصاری سہالوی کے فرزند ارجمند تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کے خاندان کو فرنگی محل لکھنو میں ایک عالی شان محل عطا کیا تو اس طرح آپ لکھنو میں منتقل ہو گئے۔ آپ نے لکھنو میں مستقل سکونت اختیار کی اور اپنے والد کی مسند تدریس کو سنبھالا۔ درس نظامی کے نصابات وضع کر کے رائج کیے اور ہندوستانی علما میں نمایاں مقام کے حامل ہو گئے۔ یہ نصاب انہی کے نام کی مناسبت سے "درس نظامی" کے نام سے موسوم ہوا۔ بہت جلد برصغیر کے اسلامی مدارس میں اس نصاب کو قبول کر لیا گیا۔ اس نصاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدیاں گزر جانے

[56] - محمد اسحاق بھٹی، **برصغیر میں علم فقہ** (لاہور: کتاب سرائے بیت الحکمت، ۲۰۰۹)، ص ۲۷۵-۲۷۶۔

57- Jaffar, S. M. P. 23.

کے باوجود بھی یہ نصاب تعلیم معمولی ردوبدل کے بعد آج تک برصغیر پاک وہند کے جملہ اسلامی مدارس میں رائج ہے۔ درس نظامی کے نصابات کے مختلف شعبوں میں درج ذیل نصابی کتب شامل تھیں:

علم صرف: میزان، منشعب، پنج گنج، زبدہ، صرف میر، فصول اکبری اور شافیہ۔

علم نحو: نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح کافیہ از ملا جامی تابحث حال۔

علم بلاغت: مختصر المعانی، مطول تابحث ما انا قلت۔

علم منطق: صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، تصدیقات مع میر، سلم العلوم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال۔

فلسفہ وحکمت: شرح ہدایۃ الحکمۃ از میبدی، شرح ہدایۃ الحکمت از ملا صدر شیر ازی تابحث مکان، الشمس البازغۃ از ملا جون پوری۔

ریاضی: خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس کا مقالہ اولیٰ، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمینی کا پہلا باب۔

اصول فقہ: نور الانوار، توضیح التلویح تامقدمات اربع، مسلم الثبوت تامبادی کلامیہ۔

فقہ: شرح وقایہ کا نصف اول اور ہدایہ کا نصف ثانی۔

علم کلام: شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی کا پہلا حصہ، میر زاہد، شرح مواقف (بحث امور عامہ)۔

علم تفسیر: جلالین، بیضاوی ابتداتا آخر سورۃ بقرہ۔

علم حدیث: مشکوۃ المصابیح ابتداتا کتاب الجمعہ۔

علم مناظرہ: رسالہ رشیدیہ۔[58]

ملا سہالوی نے اپنے تجویز کردہ نصاب کو ابتدائی طور پر مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنو میں نافذ کیا۔ مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنو کو برصغیر کی عظیم اور قدیم درسگاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس مدرسے کی عظمت کی بڑی وجہ بھی اس کا نصاب ہے جو ملا نظام الدین نے خود مرتب و مدون کیا ہے۔ یہ نصاب علمائے وقت نے جلد قبول کر لیا اور برصغیر پاک وہند کے تعلیمی

58۔ بختیار حسین صدیقی، **برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۲)، ص ۲۲۔

اداروں اور درسگاہوں میں رائج ہوا۔ یہ نصاب اتنا مقبول ہوا کہ اس کے اثرات آج بھی باقی ہیں۔ یہی نصاب برصغیر پاک وہند کی قریباً ہر اسلامی درسگاہ میں رائج ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گذشتہ دو صدیوں میں علمائے کرام نے اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے اس سلسلہ نصابات میں کئی تبدیلیاں کیں۔ غالباً سب سے پہلے تبدیلی لانے کا خیال مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنو کے شیخ مولانا محمد قطب الدین کو ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بعض کتب اور مضامین میں ردوبدل کیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ اسی طرح علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابو المحاسن سجادیہ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور متعدد علماکرام نے ان نصابات کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔[59] چنانچہ یہی درس نظامی کے نصابات اب معمولی ردوبدل کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اور بلا تخصیص مسالک پاکستان و ہند کے جملہ مدارس عربیہ اسلامیہ میں تاحال جاری ہیں۔ البتہ مختلف مسالک کے مدارس میں فقہ وعقائد اور تفسیر وحدیث کی کتب ان کے اپنے اپنے مسالک کے مطابق پڑھائی جاتی ہیں۔

خلاصہ بحث

درج بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں مغلیہ دور حکومت میں علمی، ادبی اور دینی تعلیم کے رجحانات غالب رہے۔ مسلم علماکرام نے اپنی تمام تر توجہ تفسیر، حدیث، فقہ اور عقلی علوم وفنون کی تعلیم پر مرکوز رکھی۔

1. مسلمانوں کا نظام تعلیم دین اسلام کی روحانی واخلاقی تعلیمات پر مبنی تھا۔
2. تمام مسلم حکمرانوں نے علوم وفنون کی ترقی میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ وہ علما کے قدردان تھے اور ان کے دربار علماوفضلا سے پُر رہتے تھے۔
3. ان کے عہود میں طلبا کو مفت تعلیم فراہم کی جاتی تھی اور ان کی مالی اعانت کا بھی انتظام تھا۔
4. تعلیمی ادارے بنیادی طور پر مذہبی نوعیت کے حامل تھے۔ مساجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کے ساتھ طلبا کے درس قرآن کا بھی انتظام تھا۔ مساجد سے ملحق مدارس قائم کیے جاتے تھے۔ ان کی آمدنی اور طلبا کے وظائف کے لیے بڑے بڑے دیہات وقف تھے۔ ہر بڑا شہر علم کا گہوارہ تھا۔
5. ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت میں علم و فن، خطاطی، مصوری، موسیقی، فن تعمیر، شعر و ادب نیز مذہبی اور دینی ادب اپنے عروج کو پہنچ گیا۔

---

59 – حافظ نذر محمد، **جائزہ مدارس عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان** (لائل پور: جامعہ چشتیہ ٹرسٹ، ۱۹۶۰)، ص ۶۷۔

6. اس دور میں بہترین صاحب علم و فن، سپہ سالار، مدبر و منتظم، ماہر تعمیرات و سرپرست علم و فن بادشاہ ہوئے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اشاعت تعلیم کے لیے حکومت کی سرپرستی میں کمی واقع ہو گئی تھی، اس کے باوجود اس دور میں بھی بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے۔ یعنی اوسطاً ہر چالیس ہزار افراد کے لیے ایک مدرسہ موجود تھا۔
7. مسلم حکمرانوں کی علم کی سرپرستی کا اثر عام افراد نے بھی قبول کیا اور انہوں نے ذاتی طور پر مدرسے قائم کیے جن میں "مدرسہ غازی الدین" بھی شامل ہے۔ یہ مدرسہ غازی الدین نامی ایک شخص نے اپنی زندگی میں دہلی میں اجمیری گیٹ کے قریب تعمیر کیا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد، مقبرہ اور ان سب کے انچارج کی رہائش گاہ بھی تھی۔
8. عالمگیر کے دور میں بھی اکرم الدین نامی ایک شخص نے احمد آباد میں ۱۶۹۷ء میں ایک سو چوبیس ہزار روپے کی لاگت سے ایک مدرسہ قائم کیا جس کو چلانے کے لیے اسے شہنشاہ کی طرف سے دو گاؤں دیے گئے۔
9. برصغیر پاک و ہند میں تعلیم کا حصول ہر مسلمان، امیر، غریب، بچے، بوڑھے، مرد و خواتین کے لیے آسان ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام تھا۔ اور دینی تعلیم کے ساتھ ان قائم کردہ مدارس میں زراعت اور اکاؤنٹس کی خصوصی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔
10. دنیاوی علوم کی تعلیم میں قانون، طبیعات، فلسفہ، زراعت، معاشیات اور تاریخ کے مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔

سفارشات:

ہمارے تحقیقی مقالہ کا ایک مقصد موجودہ پاکستانی نظام تعلیم کا جائزہ لینا اور اس کی بہتری کے لیے سفارشات پیش کرنا ہے۔ کسی بھی قوم کی ترقی میں اس کے نظام تعلیم کا کردار اہم ہوتا ہے۔ پاکستان کی کل آبادی کا صرف ۵۸ فیصد حصہ خواندہ ہے جو کہ کافی کم ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہمارا نظام تعلیم ہے جو کہ لارڈ میکالے کے دیے ہوئے اصولوں پر مبنی ہے۔ اس نظام تعلیم کو دینی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

1. نصاب تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ ایسا مواد نصاب میں شامل کیا جائے جو اسے دوسری تہذیبوں سے متاثر کرنے کی بجائے اپنے مذہب اور تہذیب سے لگاؤ پیدا کرے۔
2. اسلامیات لازمی میں تھیوری کم ہونی چاہیے۔ اس کی بجائے اسلامی قصے، انبیا کرامؑ، صحابہ کرامؓ کی زندگیوں اور اسلامی تاریخ سے دوسرے واقعات بچوں کو زبانی سنائے جائیں تاکہ ان کے اندر اسلام اور اسلامی تاریخ سے محبت اور لگاؤ پیدا ہو۔

3. سائنس، معاشیات، سیاسیات اور دوسرے مضامین کو بھی اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ وہ طلبا کو لادینیت اور مادیت جیسے تصورات سکھانے کے بجائے خدا اور اسلام کے قریب لائیں۔
4. اہم غیر نصابی سرگرمیاں بھی اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کی جائیں۔ غیر اسلامی سرگرمیوں اور مشاغل سے اجتناب کیا جائے۔
5. موجودہ نظام تعلیم کے برعکس استاد کو ایک تنخواہ دار ملازم نہیں بلکہ روحانی باپ کی حیثیت دی جائے۔
6. استاد کا انتخاب ان کی تعلیمی قابلیت کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی حالت کو دیکھ کر کیا جائے۔
7. تین ماہ کے طریقہ امتحان کے باعث طلبا پر امتحانات کا نفسیاتی دباؤ کم ہوگا، وہ محض رٹا لگا کر یاد کرنے کی بجائے سمجھ کر پڑھ سکیں گے۔ اس طرح ان کی قابلیت بڑھے گی۔ اس کے علاوہ ہر مضمون کے زیادہ سے زیادہ سوالات معروضی نوعیت کے ہونے چاہئیں تاکہ مکمل نصاب سے انصاف ہو سکے۔

Bibliography

1. *ʿAbd Al-Qadir Badiwānī, Muntakhab Al-Tawārīkh, Translated By ʿAbd Ḥaiī ʿAlvī, Lāhor, Sheikh Ghulām ʿAli & Sons.*
2. *ʿAbd Al-Rashīd Arshad, Pākistān Min Tʿalīm Ka Irtiqā, Lāhor, Educational Research Institute, 1995.*
3. *ʿAbd Ḥaiī Ḥasanī Laknhowī, Nuzhah Al-Khawāṭir, Vol.5, Ḥydar Ābād, Dāirah Al-Māirif Al-ʿUsmānīah, 1955.*
4. *Abū Al-Faḍal, Āīn-E-Akbarī, Translated by Mulvī Fidā ʿAlī, Lāhor, Sang Mīl Publications, 1975.*
5. *Al-Qurān.*
6. *Amīn Aḥmad Rāzī, Hafat Wa Iqlīm, Kalkatah, Rāil Aisīātik Society Of Bangāl, 1939.*
7. *Āzād Balgrāmī, Mulānā, Māthir Al-Ikrām, Lāhor: Maktab Akhīā ʿUlūm Al-Sharqīah, 1971.*
8. *Bukhtyār Ḥusain Sadīqī, Bar-E-Ṣaghīr Pāk-O-Hind Ki Qadīm ʿArbī Madāris Kā Niẓām-E-TʿAlīm, Lāhor, Idārah-E-Thaqafāt-E-Islamīah, 1982.*
9. *Dārih-E-Shikwah, Safīnat Al-Āwlīyā, Without Publisher, 1876.*
10. *Ibni Mājah, Muḥammad Bin Yazīd, Sunan Ibni Mājah, Dār Akhyā Al-Turath Al-Arbī, Beirūt.*
11. *S M JʿAfar, TʿAlīm Hindustān K ʿAhad-E-Ḥakūmat Mn, Lāhor, Maktabah ʿAlīah, 1987.*
12. *Jamīl Yūsaf, Bābar Se Zafar Tak Kā Safar, Islāmabād, Kitāb Ghar, 1989.*
13. *Law, N.N. Promotion Of Learning In Muslim India. London, Oxford Press, 1916.*
14. *Maqbūl Aḥmad, ʿIlamī Asāsīyāt ʿIlam Al-TʿAlīm, ʿIlmī Kitāb Khānah, Lāhor,2015.*
15. *Mulānā Abū Al-Ḥasnāt Nadvī, Hindustān Kī ʿAzīm Qadīmī Islamī Darasgāhin, Amar Tasar, Eletrik Press, 1992.*
16. *Mulvī Reḥmān ʿAlī, Tadhkirah ʿUlāmā-E-Hind, Laknaū, Maṭbʿ Manshī Nolakishwar, 1912.*
17. *Muftī Ghulām Sarwar Lāhori, Khazīnah Al-Aṣfiā, Translated By Pīrzādah Iqbāl Aḥmad Farūqī, Lāhor, Maktabah-E-Nabawīyyah, 1990.*

18. *Muftī Ghulām Sarwar Lāhori, Khazīnah Al-Aṣfiā, Laknaū, Maṭbʿ Nāmī Grāmī Pindat Bījnāt Al-Masūm Bi Hī Thamarhind.*
19. *Muḥammad Iqbāl, Qārī, Professor, Muqālāt-E-Islamīah, Faisalābād, Anjuman Nojawānān-E-Islām (Registered), 2005.*
20. *Muḥammad Isḥāq Bahathī, Bar-E-Saghīr Mn ʿIlam-E-Fiqah, Lāhor, Kitāb Sarā-E-Bait Al-Ḥikmat, 2009.*
21. *Muḥammad Isḥāq Bahathī, Fuqh-E-Hind, Lāhor, Kitāb Sari, 2013.*
22. *Muḥammad Qāsim Farishtah, Tārīkh Farishtah, Volume 2, Translated By ʿAbd Al- Ḥaī Khāwājah, Lāhor, Al-Mīzān Nāshirūn Wa Tājirān Kutub.*
23. *Muḥammad Sāqī MustʿAd Khān, Māisir Ālimgīrī, Lāhor, Sang Mīl Publications, 1945.*
24. *Nadhar Muḥammad, Hāfiz, Jāizah-E- Madāris ʿArabīah Islāmīah Maghrabī Pākistān, Lāilpūr, JamiʿAh Chishtīah Trust, 1920.*
25. *Nūr Al-Dīn Jahāngīr, Tazak-E-Jahāngīr, Translated By Mulvī Aḥmad ʿAlī Rāmpūrī, Sang Mīl Publications, 2004.*
26. *Nūr Al-Dīn Jahāngīr, Tazak-E-Jahāngīr, Laknaū, Maṭbaʿ Nāmī Manshī Nol Kashūr, 1914.*
27. *Oxford Advanced Learner's Dictionary, 8th Ed., S.V. ''Education".*
28. *Ṣafdar Ḥayāt Ṣafdar Wa Ghulām Jilānī Makhdūm, Islāmī Hind K Muslim Ḥukamrānon K Tahdhībī Owar Siyāsī Kārnamy, Lāhor: New Book Pulas, 1989.*
29. *Sālik, Lāhor K ʿUlāmā-E-Karām, Dīnī Madrasay Se, Lāhor, Naqūsh, Without Publisher.*
30. *Shukat ʿAlī Fahmī, Hindstān Mn Islāmī Ḥakūmat, Lāhor, Jahān ʿIlam-O-Adab.*
31. *Sheikh Muḥammad Ikrām, Moj-E-Kusar, Lāhor, Idārah Thafāqat Islāmīah,1975.*
32. *Sheikh Muḥammad Ikrām, Rod-E-Kusar, Lāhor, Idārah Thafāqat Islāmīah, 1990.*
33. *Shiblī NʿUmānī, Mulānā, SheʿR Al-ʿAjam, Islāmabād, National Book Foundation, 1992.*
34. *Sīed Ṣabāh Al-Dīn Abd Al-Reḥmān, Musalmān Ḥukamrānon K ʿAhad K Tammaddunī Jalway, (ʿAẓam Garh (Up): Dār Al-Muṣaniafīn Shiblī Academy, 2009.*

Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)
2020, 1(2), 167 -193

پاکستان میں آبی آلودگی کا حل: اسلامی تعلیمات کا تحقیقی جائزہ

The Resolution to Water Pollution in Pakistan: A Research Appraisal of Islamic Teachings

Allah Ditta*[1], Muhammad Amjad (Ph.D) **

*Lecturer, Department of Islamic Studies, FG Degree Collage for Women, Multan Cantt
** Assistant Prof. Department of Islamic Studies, BZU, Multan

Keywords:

Water Pollution, Islamic teachings, Pakistan, Society, Health, Water Crisis

Abstract: *Water Shortage is well-thought-out to be one of the major threats for human life in recent times. One of the major reasons behind this dilemma is water wastage and its pollution. This article is an attempt to highlight the issue of water pollution and its remedies to tackle with this problem in the light of Islamic teachings. Islam, being perfect code of life provides complete guidance in every aspect of life thus it condemned the excessive usage of Water or to pollute it by any means. The main factor behind water pollution is the municipal, industrial, agriculture and household water effluent which is flowed into rivers or streams and makes it impossible to drink and causes serious threats to humans or animals health. This research exposes the relationship between water pollution and water scarcity and describes the simple methods to avoid from water pollution by acting upon the Islamic teachings and to combat water scarcity in Pakistan.*

Ditta, A.and Amjad, M. (2020). The Resolution to Water Pollution in Pakistan: A Research Appraisal of Islamic Teachings. *Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *167 – 193*

© 2020 AUJIS. All rightsreserved

KAUJIE Classification: H57

JEL Classification: Q50, Q52, Q53

1. Corresponding author email: profabughufran475@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-‘Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

سرزمین پاکستان خداداد نعمتوں سے مالا مال خطہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالی نے اس ملک کو بے شمار دیگر نعمتوں سے نوازا ہے اسی طرح وافر مقدار میں پانی بھی یہاں موجود ہے۔ ہوا کے بعد جس طرح اس کی ضرورت سب سے زیادہ ہے اسی طرح یہ زمین کا سب سے عام مادہ ہے جو زمین کے 70 فیصد سے زیادہ رقبہ پر محیط ہے۔ یہ سمندروں، دریاؤں، چشموں، جھیلوں اور ہوا میں موجود ہے۔ پانی اس زمین کا ایسا عنصر ہے جو ٹھوس، مائع اور گیس تینوں حالتوں میں ملتا ہے۔ ہر زندہ چیز کا دار مدار پانی پر ہے۔ اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[1] (اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔)

ہمارے جسم کا تقریباً دو تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ پانی کی طلب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق 1980ء کے مقابلے میں 2000ء میں پانی کی طلب دگنی ہو چکی تھی۔ پانی کے ذخائر کم ہو رہے ہیں اور زرعی و صنعتی ترقی کی بدولت پانی کا استعمال مزید بڑھتا چلا جارہا ہے۔ پانی کے ضیاع کے بعد جو مسئلہ سب سے اہم ہے وہ آبی آلودگی کا ہے۔ پانی کی آلودگی ہمارے سب سے سنگین ماحولیاتی مسائل میں سے ایک ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم اور توجہ طلب بات ہے کہ (Global Climate Change Risk Index 2017) کے مطابق ماحولیاتی آلودگی سے متاثر ہونے والے ممالک میں پاکستان کا ساتواں نمبر ہے۔ زرعی اور صنعتی فضلہ نہروں اور دریاؤں کو آلودہ کرنے کے ساتھ زیر زمین پانی کو بھی آلودہ کر رہا ہے۔ ان حالات میں ہنگامی بنیادوں پر آبی آلودگی کو روکنے کی ضرورت ہے۔ بہت سی بیماریاں بالخصوص ہیضہ اور ٹائیفائیڈ کا سبب صاف پانی کا استعمال نہ کرنا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق پوری دنیا میں ہسپتال میں آنے والے مریضوں کی پچیس سے تیس فی صد تعداد، آبی آلودگی سے متاثر ہوتی ہے اور شیر خوار بچوں میں سے نصف کی اموات کا سبب بھی آبی آلودگی ہی ہے۔

آبی آلودگی کو روکنے کے بارے میں شریعت اسلامیہ کی تعلیمات بہت واضح ہیں۔ اس مقالے میں آبی آلودگی کے بارے میں شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کو واضح کیا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ آبی ذخائر کو آلودہ کرنے کے بارے میں شریعت اسلامیہ نے کیا رویہ اپنایا ہے؟ ان آبی وسائل و ذرائع کو آلودہ کرنے والے کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں کیا احکامات بیان کیے گئے ہیں؟ آبی آلودگی اور پانی کے بحران کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ آبی آلودگی پر کنٹرول کی بدولت آبی بحران کو کیسے کم کیا جا سکتا ہے؟ اس ضمن میں اسلامی تعلیمات کے کردار کی اہمیت کو واضح کر کے نتائج و سفارشات کو بیان کیا جائے گا۔

---

[1] ـ القرآن ۳۰:۲۱ـ

سابقہ علمی کام کا جائزہ

راقم کی معلومات کی حد تک اردو زبان میں موضوع زیر بحث پر کوئی علمی یا تحقیقی کام نہیں ہوا تاہم اس سے ملتے جلتے موضوعات پر بہت سی کتب، مقالہ جات بلکہ ریسرچ آرٹیکل بھی موجود ہیں لیکن براہ راست آبی آلودگی پر کوئی مقالہ، کتاب یا ریسرچ آرٹیکل بھی موجود نہیں ہے۔ سید ہادی رضا تقوی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انڈیا سے **"قانون اسلامی میں ماحولیاتی تحفظ"** کے عنوان سے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہی محمد مصعب گوہر نے ڈاکٹر احسان اللہ فہد کی زیر نگرانی **"ماحولیات کا اسلامی تصور"** کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر شیر علی کا ریسرچ پیپر بنام "**ماحولیاتی آلودگی کے اثرات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ**"، ڈاکٹر کریم داد کا ریسرچ پیپر بنام **"ماحولیاتی آلودگی اور اس کا سدباب: سیرت نبوی کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ"**، ڈاکٹر انور ادیب کا مضمون **"ماحولیاتی آلودگی اور ہماری ذمہ داریاں"**، سید غلام قادر شاہ کی **صحت مند ماحول اور خواتین، مینول برائے ماحولیاتی آگہی** اور وزارت قانون ،انصاف اور انسانی حقوق نے **ماحول کے تحفظ کا قانون اور پاکستان ماحولیاتی تحفظ کا قانون 1997ء** بھی مرتب کیا ہے۔ عربی زبان میں ڈاکٹر احمد بن یوسف الدرویش کی تالیف **"احکام البیئۃ"** جس کا اردو ترجمہ **"آبی و نباتاتی ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ: فقہ اسلامی کی روشنی میں"** کے نام سے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہو چکا ہے۔ اس موضوع کے بارے میں اہم اور مفید معلومات مہیا کرتی ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈیمی انڈیا کے زیر اہتمام **"آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام"** کے بارے میں ہونے والی کانفرنس کی روداد **"آبی وسائل: شرعی احکام وضوابط"** کے زیر عنوان شائع ہو چکی ہے۔ ناصر آئی فاروقی کی **"اسلام میں پانی کا انتظام"** جو انگریزی میں لکھی جانے والی کتاب **"Water Management in Islam"** کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سلسلے کے اہم مصادر ہیں۔ انگریزی زبان میں براہ راست اس موضوع پر بہت وافر مواد موجود ہے۔ لیکن اختصار کے پیش نظر اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

آبی آلودگی کا مفہوم

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا(Encyclopedia of Britannica) میں آبی آلودگی کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد زیر زمین پانی یا جھیلوں، ندیوں، دریاؤں، آبی گزر گاہوں اور سمندروں میں کیمیائی مادے کا اخراج اس حد تک پہنچ جاتا ہے وہ پانی کے فائدہ مند استعمال یا ماحولیاتی نظام کے قدرتی عمل میں مداخلت کرتا ہے۔ کیمیائی مادوں یا مائیکروجنز جیسے مادوں کی شمولیت کے علاوہ، پانی کے ذخائر میں تابکاری یا حرارت کی شکل میں توانائی کا اخراج بھی پانی کی آلودگی میں داخل ہے۔[2]

[2] - https://www.britannica.com/science/water-pollution (accessed on 30-08-2020 at 2210 hrs).

پانی کی آلودگی اس وقت ہوتی ہے جب نقصان دہ مادے جو کہ اکثر کیمیائی مادے یا مائکروجنز ہوتے ہیں، ندی، جھیل، سمندر یا پانی کے دیگر ذخائر کو آلودہ کرتے ہیں، پانی کے معیار کو بگاڑتے ہیں اور اسے انسانوں یا ماحولیات کے لئے زہریلا بنا دیتے ہیں۔[3]

آبی آلودگی سے مراد عام طور پر انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں آبی ذخائر کی آلودگی ہے۔ آبی ذخائر میں جھیلیں، دریا، ندیاں، سمندر، پانی اور زمینی پانی وغیرہ سب شامل ہیں۔[4]

آبی آلودگی تب وجود میں آتی ہے جب پانی انسان یا جانوروں کے استعمال کئے گئے مختلف مادوں، فضلات، کیمیائی اجزاء، دھاتوں یا تیل سے آلودہ ہوتا ہے۔[5]

ایک اور مشہور انگریزی کتاب میں آلودگی کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے:

> آلودگی سے مراد کسی ایسی جگہ پر کسی شے کی موجودگی ہے جہاں اس کی ضرورت نہ ہو۔ اس کی مثال خام تیل ہے جس کی اپنی جگہ اہمیت وضرورت ہے اور آئل ریفائنریز سے صاف ہونے کے بعد یہ روزمرہ ضروریات میں استعمال ہوتا ہے مگر یہ خام تیل اگر پانی میں مل جائے تو یہ ناپسندہ اور غیر ضروری ہے اور یہی عمل آلودگی کہلاتا ہے۔[6]

آبی آلودگی کی ان مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آبی آلودگی سے مراد بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانی یا حیوانی اعمال کے نتیجے میں پانی یا اس کے ذخائر میں نقصان دہ مادوں کی شمولیت کے ذریعے پانی کی قدرتی ہیئت وحیثیت کو اس اعتبار سے بدلنا ہے کہ وہ انسانی یا حیوانی اور زرعی یا صنعتی لحاظ سے ضرر رساں ہوں اور ایسے پانی کے استعمال کی بدولت ان شعبوں پر نقصان دہ اثرات مرتب ہوں۔

آبی آلودگی کی اقسام

آبی آلودگی کو بنیادی طور پر درج ذیل تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

واحد ماخذ کی آلودگی　　(Point-Source Pollution)

3- Melissa Denchak, Water Pollution: Everything You Need to know, retrieved from https://www.nrdc.org/stories/water-pollution-everything-you-need-know (accessed on 30-08-2020 at 2200 hrs).

4 - https://en.wikipedia.org/wiki/Water_pollution (accessed on 30-08-2020 at 2205 hrs).

5 - Thomas M. Keinath, Water included in "The World Book Encyclopedia" v.21 p.137.

6 - Henry Lansford, "Environmental Pollution" included in The New Book of Popular Science (Grolier International Inc.1987) v.2 p.453.

پانی کی آلودگی متعدد مختلف وسائل سے آسکتی ہے۔ اگر آلودگی کسی واحد وسیلہ، جیسے تیل کے پھیلنے سے آتی ہے، تو اسے **Point-Source Pollution** کہتے ہیں۔

کثیر الماخذ آلودگی (Nonpoint-Source Pollution)

اگر آلودگی بہت سے ذرائع سے آتی ہے، تو اسے (Nonpoint-Source Pollution) کہا جاتا ہے۔[7]

سرحدی آلودگی (Transboundary Pollution)

آبی آلودگی کی زیادہ تر اقسام ماخذ کے آس پاس کے قریبی علاقے کو متاثر کرتی ہے۔ بعض اوقات آلودگی منبع سے سیکڑوں میل دور ماحول پر اثر انداز ہو سکتی ہے، جیسے ایٹمی فضلہ، اس کو (Transboundary Pollution) کہتے ہیں۔

ان تین بنیادی اقسام کے علاوہ مندرجہ ذیل اقسام میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے:

1. پلاسٹکی آلودگی (Microplastics)
2. معطل مادوں کی آبی آلودگی[8] (Suspended Matter)
3. کیمیائی آلودگی (Chemical Pollution)
4. حیاتیاتی آلودگی (Microbiological pollution)
5. زمینی پانی کی آلودگی (Surface Water Pollution)
6. زیر زمین پانی کی آلودگی (Groundwater Pollution)
7. غذائیت سے متعلق آبی آلودگی (Nutrient pollution)
8. آکسیجن میں کمی کی آلودگی[9] (Oxygen–Depletion Pollution)
9. تیل کے اخراج سے ہونے والی آلودگی[10] (Oil Spillage)

7- https://www.water-pollution.org.uk/types/ (accessed on 31-08-2020 at 0910 hrs).

8- https://www.water-pollution.org.uk/types/ (accessed on 31-08-2020 at 0910 hrs).

9- https://www.envirotech-online.com/news/water-wastewater/9/breaking-news/what-are-the-different-types-of-water-pollution/51055 (accessed on 31-08-2020 at 0900 hrs).

10. سمندری آلودگی[11] (Ocean water)

آبی آلودگی کے نقصانات

اس آبی آلودگی کے نتیجے میں قدرتی ماحول شدید متاثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ناقص اور کیمیائی طور پر بغیر صاف کیے گندے پانی کو قدرتی آبی ذخائر میں چھوڑنے سے آبی ماحولیاتی نظام خراب ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ لوگوں کے لئے صحت عامہ کی پریشانیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ وہ یہی آلودہ پانی پینے، نہانے یا آبپاشی کے لیے استعمال کرسکتے ہیں۔ آلودہ پانی سے پیدا ہونے والی بیماریاں دنیا بھر میں موت اور دیگر امراض کی سب سے بڑی وجہ ہیں ۔ آبی آلودگی کے چند نقصانات درج ذیل ہیں:

1. آبی آلودگی ماحولیاتی نظام کو شدید متاثر کرکے اس میں نقصان دہ بگاڑ لاتی ہے۔
2. زرعی ادویات جیسے سپرے اور کھاد وغیرہ کے شامل ہونے سے زیر زمین پانی بھی آلودہ ہو کر ناقابل استعمال ہوتا چلا جا رہا ہے۔
3. آبی آلودگی انسانوں اور جانوروں کی صحت کو شدید متاثر کرتی ہے۔
4. آبی آلودگی کی وجہ سے آبی جانوروں کی صحت پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہی حتی کہ ان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔
5. آبی آلودگی کی وجہ سے انسانوں اور جانوروں کی تفریحی سرگرمیاں بھی متاثر ہوتی ہیں۔
6. آلودگی کی وجہ سے جنگلات اور ان کی افزائش متاثر ہوتی ہے۔
7. آلودگی کی وجہ سے جنگلی جانوروں کی زندگی بھی خطرے سے دوچار ہے۔
8. آلودہ پانی کے اخراج کی وجہ سے پانی میں نقصان دہ کیمیائی مادے و نمکیات بڑھ جاتے ہیں اور آکسیجن کی مقدار کم ہو جاتی ہے جو (eutrophication) کا سبب ہے۔
9. آلودگی پانی پر مبنی ماحولیاتی نظام میں زندگی کو تباہ کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں خوراک کی قدرتی زنجیر (Natural Food chain) میں خلل پڑتا ہے۔

---

[10]- https://eschooltoday.com/pollution/water-pollution/types-of-water-pollution.html (accessed on 31-08-2020 at 0920 hrs).

[11]- https://www.nrdc.org/stories/water-pollution-everything-you-need-know (accessed on 31-08-2020 at 0930 hrs).

10. آبی حیات، غیر حیاتیاتی کیڑے مار دوا اور کیمیائی مادوں کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہے۔

11. آبی آلودگی آبی ماحولیاتی نظام کو متاثر کرتی ہے جس کی وجہ سے پانی سے متعلقہ غذائی نظام تباہ ہو جاتا ہے۔

12. پانی کی (BOD) سطح میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

13. آبی آلودگی ماحولیاتی نظام میں (Host Parasite) میزبان طفیلیوں کے تعلقات میں عدم توازن لاتا ہے، اس سے (Food Chain) غذائی زنجیر متاثر ہوتی ہے۔

14. آبی آلودگی کی وجہ سے زمینی درجہ حرارت بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

آبی آلودگی اور آبی بحران

آبی آلودگی کی وجہ سے پانی ناقابل استعمال اور زہریلا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے پانی کا بحران شدت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔[12] درج ذیل سطور میں آبی آلودگی کے مختلف شعبوں پر اثرات کو واضح کیا جا رہا ہے۔

آبی آلودگی کے پینے کے صاف پانی پر اثرات

پوری دنیا میں پانی کی کثیر مقدار موجود ہے، مگر یہ سارا پانی سمندر کی صورت میں موجود ہے جو کہ نمکیات وغیرہ کی زیادتی کی وجہ سے ناقابل استعمال ہے۔ ہماری زمین کا 70 فیصد حصہ انہی سمندروں پر مشتمل ہے۔ صرف تین فیصد پینے کا صاف پانی موجود ہے۔ جس میں سے دو فیصد پانی گلیشیئر زیا برفانی تودوں کی صورت میں موجود ہے، جب کہ بقیہ ایک فیصد کا نصف حصہ پانی زیر زمین پایا جاتا ہے۔ دریا، جھیلیں اور چشمے اس ایک فیصد کے صرف پانچویں حصے کو محیط ہیں جب کہ بقیہ پانی بارش اور بادلوں کی صورت میں فضا میں موجود ہے۔[13] اس زیر زمین پانی کو آبی آلودگی بڑی تیزی کے ساتھ متاثر کرتی چلی جا رہی ہے، اور پینے کا پانی نایاب و کم یاب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بہت سے علاقوں میں جہاں پہلے میٹھا پانی دستیاب تھا، اب آبی آلودگی کی وجہ سے وہ پانی پینے کے قابل نہیں رہا بلکہ کڑوا اور زہریلا ہو چکا ہے۔ یوں آبی آلودگی کی بدولت پینے کا پانی ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور آبی آلودگی پینے کے صاف پانی کے سخت بحران کا سبب بنتی چلی جا رہی ہے۔

12- Thomas M. Keinath" Water" included in "The World Book Encyclopedia" 21:137.

13- Ibid.

آبی آلودگی کے گھریلو پانی پر اثرات

آبی آلودگی کی وجہ سے گھریلو استعمال کا پانی بھی شدید متاثر ہوا ہے اور آبی آلودگی کی وجہ سے جو پانی عام طور پر گھروں میں استعمال کیا جاتا ہے، چونکہ زہریلا ہوتا ہے، اس لیے انسانوں میں مختلف بیماریاں پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ جیسے کہ بالوں کا ٹوٹنا، گرنا، وقت سے پہلے بالوں کا سفید ہو جانا اور طرح طرح کی جلدی بیماریاں بھی آبی آلودگی کی وجہ سے پیدا ہوتی چلی جارہی ہیں۔ یوں گھریلو استعمال کے لیے بھی صاف پانی کی طلب بڑھتی چلی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے صاف پانی کا بحران مزید شدت اختیار کر رہا ہے۔

آبی آلودگی کے زرعی شعبے پر اثرات

روئے زمین پر آبی آلودگی کا سب سے بڑا سبب زرعی اور صنعتی شعبہ میں پانی کا بے دریغ استعمال اور مختلف کیمیائی مادوں سپرے کھاد وغیرہ کے ذریعے اسے آلودہ کرنا ہے، لیکن یہ شعبہ بھی آلودہ پانی کے استعمال کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ صاف پانی کو استعمال کرنا پسند کرتا ہے۔ مزید یہ کہ جو لوگ زرعی شعبے میں اپنی فصلوں کے لیے گندا پانی استعمال کرتے ہیں وہ زیر زمین پانی کے ذخیرے کو متاثر کرتا ہے اور زیر زمین پانی کی سطح کو بھی زہریلا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے صاف پانی بھی کڑوا اور گندا ہو کر ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔

آبی آلودگی اور صنعتی شعبہ

پوری دنیا میں سب سے زیادہ پانی کا استعمال صنعتی شعبے کے لیے کیا جاتا ہے۔ تمام فیکٹریاں اور کارخانے اپنی مختلف مصنوعات کی تیاری کے لئے صاف پانی کے استعمال کو ہی ترجیح دیتے ہیں، جس کی وجہ سے پانی کی طلب بڑھتی چلی جارہی ہے۔ جب کہ آلودہ پانی دیگر صاف پانی کے ذخیروں میں ملا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے صاف پانی زہریلا ہو کر ناقابل استعمال ہوتا چلا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے پانی کی قلت کا مسئلہ مزید سنگینی اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔

آبی آلودگی کے دریاؤں اور سمندروں پر اثرات

اس بڑھتی ہوئی آلودگی کی آفت نے پوری دنیا کے سمندروں اور دریاؤں کو بھی آلودہ کر دیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب لوگ بلاخوف وخطر دریاؤں کا پانی پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ایک ہندو مصنف لکھتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں جب لوگ گنگا کے قریب سے گزرتے تھے تو اپنے برتن اس پانی سے بھر لیتے تھے اور اس پانی کو مختوم رکھتے اور بوقت ضرورت کسی جاں بلب مریض کو پلاتے تو وہ صحت یاب ہو جاتا لیکن آج اگر اسی گنگا کا پانی کوئی صحت مند شخص پی لے تو وہ

بھی بیمار ہو جائے۔[14] یونیورسٹی آف نیو ساؤتھ ویلز سڈنی (UNSW Sydeny) کے ماحولیاتی ماہر ڈاکٹر مارک براؤن نے اپنی ایک تحقیق میں دنیا کے اٹھارہ سمندری ساحلوں (ہندوستان، برطانیہ، سنگاپور سمیت) سے پانی کے نمونے حاصل کیے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ان میں مصنوعی مادوں سے بنائے گئے کپڑوں کی دھلائی کے دوران فی دھلائی ایک ہزار نو سو فائبر پلاسٹک کے ذرات خارج ہوتے ہیں اور یہ سمندر میں جمع ہو رہے ہیں اور یہ باریک ذرات سمندری جانوروں کے گوشت پوست میں جگہ بنا رہے ہیں۔ خشکی پر بھی یہی عمل ہو رہا ہے، پلاسٹک کھانے والے جانوروں میں ہضم ہو کر یہ ذرات ان کے خون اور گوشت میں اکٹھا ہو کر انسانوں کے خوراک کے دائرہ میں شامل ہو کر انسان کو امراض میں مبتلا کر رہے ہیں۔[15] دین اسلام میں گندگی پھیلانے کو یا فضول خرچی کو ناپسند کیا گیا ہے اور معاملات میں سادگی و اعتدال کو پسند کیا گیا ہے۔[16] اگر اس بڑھتی ہوئی آبی آلودگی کو نہ روکا گیا تو نہ صرف یہ کہ ہمارے پانی کے ذخائر تباہ ہوتے چلے جائیں گے بلکہ ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا میں کہیں بھی پینے کا صاف پانی موجود نہیں ہو گا۔ اس لیے آبی آلودگی کا تدارک کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت مطہرہ میں جو احکامات بیان کیے گئے ہیں وہ بڑے صریح اور واضح ہیں۔ اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾[17]

(کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس نے زمین کے اندر چشمے جاری کر دیئے، پھر وہ اس پانی کے ذریعے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالتا ہے، پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں اور تم ان کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، بیشک اس میں ایک سبق ہے عقل والوں کے لیے۔)

یعنی اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمان سے پانی نازل کر دینا اللہ رب العزت کی طرف سے عظیم الشان نعمت ہے لیکن اگر اس نعمت کو اللہ رب العزت زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کرتا تو انسان اسے صرف بارش کے

14- For Details: N. Seshagiri, Pollution, (Delhi: National Book Trust, 2006),3.

15- For Details: Dr. Mark Browne, Accumulations of Microplastic on shorelines worldwide: sources and sinks, Environmental Science & Technology, Vol. 45 Issue.21, 9175-9179, (2011).

16- محمد بن اسماعیل البخاری (م: 256ھ)، **الجامع الصحيح** (بیروت: دار طوق النجاة، 1422ھ)، 8: 98، رقم: 6463۔

17- القرآن 39 : 21 ۔

وقت پر فائدہ اٹھا سکتا یا پھر چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا۔ اگر اللہ رب العزت اسے زمین کے اندر محفوظ نہ کرتا تو یہ پانی آلودہ ہو جاتا اور انسانی ضرورتوں میں استعمال نہ ہو سکتا۔ اس لیے خالق کائنات نے انسانیت پر کرم کیا اور اسے زمین کے اندر محفوظ کر دیا جس کی وجہ سے پانی آلودگی سے بچ گیا۔ دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ﴾[18]

(کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کر دیے اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں اور گہری سیاہ بھی۔)

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾[19]

(اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت سے ایذاء دیں جو انہوں نے کیا نہ ہو تو (اس طرح بہتان لگانے والے) انہوں نے صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھا۔)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(مومنوں اور مومنات کو اذیت قبیح افعال اور قبیح اقوال کے ساتھ ہوتی ہے، جس طرح گھڑا ہوا بہتان اور فحش تکذیب۔[20] یعنی یہ اذیت قولاً بھی ہو سکتی ہے اور عملاً بھی دوسرے لفظوں میں پانی کو آلودہ کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ قاضی ثنا اللہ پانی پتی کہتے ہیں کہ سبب نزول خواہ خاص ہو مگر الفاظ عام ہیں۔ ہر وہ شخص جو کسی مسلمان مرد یا عورت کو بے وجہ اذیت پہنچائے، آیت کے حکم میں داخل ہے۔)[21]

---

[18]۔ القرآن 35: 27۔

[19]۔ القرآن 33: 58۔

[20]۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر شمس الدین القرطبی ،(م: 671ھ)، **الجامع لأحكام القرآن** (قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، 1384ھ)،14: 240۔

[21]۔ قاضی ثنا اللہ پانی پتی، **تفسیر مظہری** (لاہور: مکتبہ رشیدیہ ،1412ھ)، 7: 382۔

حضرت فضیل کا قول ہے: " جب کسی کتے جیسے جانور کو ایذاء دینا حلال نہیں اسی طرح ناحق خنزیر کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں تو مومنین و مومنات کو ایذاء پہنچانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے "۔[22]

مذکورہ باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی بھی شکل میں مسلمان کو پریشان کرنا یا تکلیف پہنچانا درست نہیں ہے بلکہ یہ عمل ناجائز و حرام ہے اور اللہ رب العزت کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اب جب پانی جیسی عظیم نعمت کو دیکھا جائے تو یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہو گا کہ اگر پانی جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اگر اس عظیم نعمت کو آلودہ کیا جائے گا تو یہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام انسانیت کو کو تکلیف و ضرر پہنچانا ہے اور اگر پانی بہت کم ہو گا تو انسانیت کو تباہی کے عمیق گڑھے میں دھکیلنا ہے جس کی اجازت شریعت مطہرہ قطعاً نہیں دیتی لہذا پانی کو آلودگی سے بچانا ہر صورت میں لازم و ملزوم ہو گا اور اس کی خلاف ورزی ناجائز و گناہ تصور ہو گی۔ ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[23]

(جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ اخنس بن شریق اور ثقیف کے درمیان کچھ نزاع تھا اخنس نے ان پر شب خون مارا اور ان کی کھیتیاں جلا ڈالیں اور انکے مویشی ہلاک کر دیئے اور مقاتل نے فرمایا ہے کہ اخنس اپنے ایک مدیون کے پاس تقاضے کے لیے طائف گیا تھا وہاں جا کر اس کی کھیتی جلا دی اور اس کی ایک گدھی تھی اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔[24]
عبد بن حمید نے مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" آیت " وإذا تولى سعى فى الارض " سے مراد ہے کہ وہ زمین پر فساد برپا کرتا ہے " ومہلک الحرث " یعنی زمین کی کھیتی کو تباہ کرتا ہے " والنسل " یعنی انسان اور حیوان ہر چیز کی نسل کو ہلاک کرتا ہے۔[25] علامہ قرطبی

22۔ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفي (م: 710ھ)، مدارك التنزيل وحقائق التأويل (بیروت: دار الکلم الطیب، 1419ھ)، 45:3۔

23۔ القرآن 205:2۔

24۔ قاضی ثناءاللہ، تفسیر مظہری، 245:1۔

25۔ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطي (م: 911ھ)، الدر المنثور (بیروت: دار الفکر، س۔ن)، 574:1۔

کہتے ہیں کہ آیت اپنے عموم کے سبب ہر فساد اور بربادی کو شامل ہے، چاہے وہ زمین میں ہو یا مال میں یا دین میں اور انشاءاللہ تعالیٰ یہی صحیح ہے۔"[26]

یعنی خرابی و بربادی جس طرح کی بھی ہو گی وہ سب اس میں آجائے گی خشکی پر ہو یا تری پر، زمین پر ہو یا سمندر میں، ایسی ہر حرکت فساد فی الارض شمار ہو گی اور ایسا کرنے والا مبغوض و معیوب ہو گا ظاہر سی بات ہے کہ آج پانی آلودہ ہونے کی سے جہاں نا قابل استعمال بنتا جا رہا ہے وہیں یہ جانوروں اور انسانوں کے لیے بھی موت کا پیغام بر ثابت ہو رہا ہے جس کی اجازت کسی صورت نہیں دی جا سکتی۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکامات حدیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکامات کو بیان کیا گیا ہے یہ احکامات مندرجہ ذیل ہیں۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت نے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاَ يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي المَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لاَ يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ"۔[27]

(تم میں سے کوئی اس ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے جو جاری نہ ہو کہ پھر اس میں غسل کرے۔)

ممانعت کا حکم وجوبی درجے کا ہے اور نہی برائے تحریم ہے۔ حافظ ابن حجر نے امام قرطبی کے حوالے سے کہا ہے:

" پانی میں پیشاب کرنے کو مطلق طور پر حرام کہنا چاہیے اور اس کی دلیل مشہور فقہی قاعدہ سد ذرائع ہے اس لیے کہ اگر اس سے منع نہ کیا جائے تو یہ عمل پانی کی نجاست کو لازم کر دے گا"۔[28]

امام ابن بطال نے مہلب کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کی ممانعت کا حکم اصول کی بنیاد پر ہو گا۔ اگر ماء کثیر ہے تو اس صورت میں ممانعت برائے تنزیہہ ہو گی۔ اس لیے کہ پانی اس وقت تک پاک رہتا ہے جب تک کہ اس کے اوصاف میں تبدیلی نہ آئے ہاں اگر ماء قلیل ہے تو نہی برائے وجوب ہو گی۔ اس لئے کہ

---

[26]۔ القرطبی، 16:3۔

[27]۔ بخاری، 57:1، رقم: 239۔

[28]۔ ابو الفضل احمد بن علي بن محمد بن احمد ابن حجر العسقلاني (م: 852ھ) فتح الباري (بیروت: دار الفکر، س۔ن) 348:1۔

پانی کے اندر ایسی نجاست ہے جو اس کے اوصاف کو بدل دے گی۔[29] معلوم ہوا کہ اگر پانی تھوڑا اور غیر جاری ہو تو اس میں استنجا کرنا حرام ہو گا۔ جبکہ ماء کثیر جاری میں بھی پیشاب کرنے کا یہی حکم ہو گا علامہ عینی فرماتے ہیں جہاں تک تھوڑے ٹھہرے ہوئے پانی میں استنجاء کرنے کی بات ہے تو ہمارے فقہائے احناف کی ایک جماعت نے اسے مطلق مکروہ کہا ہے لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے اور جہاں تک ماء کثیر راکد کا معاملہ ہے تو ہمارے فقہاء نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے لیکن اگر وہ حرام کہتے تو بھی صحیح تھا۔[30]

امام نووی کہتے ہیں:

"اکثر محققین اہل علم واصولیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ نہی حرمت کا تقاضا کرتی ہے"۔[31]

مائے قلیل جاری کے سلسلہ میں بھی علامہ عینی کا وہی نظریہ ہے کہ اس میں استنجا کرنا حرام ہو گا اس لئے کہ مائے قلیل اگرچہ جاری ہو پیشاب اس کو گندا اور نجس بنا کر چھوڑے گا لہذا مائے قلیل جاری میں بھی پیشاب کرنے کی ممانعت ہو گی علامہ عینی کہتے ہیں:

" اگر پانی قلیل و جاری ہو تو اسے ہمارے علما کے ایک گروہ نے مکروہ کہا ہے مگر مختار قول حرام کا ہے کہ یہ اسے گندا اور نجس بنا کر چھوڑے گا"۔[32]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

" ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور پھر اس میں غسل کرنا دونوں کی ممانعت ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو شخص پاخانہ کے لیے اپنا ستر کھول کر باتیں کرتے ہوئے نہ بیٹھیں کیوں کہ اللہ تعالی اس سے ناخوش ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے اور فقط اس پانی میں غسل کرنے سے نہی مذکور ہے، اس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ دونوں ہی عمل دو باتوں سے خالی نہ ہوں گے یا تو خود ان کے

---

[29]۔ ابو الحسن علي بن خلف بن عبد الملک ابن بطال (م: 449ھ)، **شرح صحیح البخاری لابن بطال** (السعودیة- الریاض: مکتبة الرشد، 1423ھ)، 1:352۔

[30]۔ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م: 855ھ)، **عمدة القاري شرح صحیح البخاري** (بیروت: دار احیاء التراث العربي، س۔ن)، 3:169۔

[31]۔ ابو زکریا محي الدین یحی بن شرف نووي (م: 676ھ)، **المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج** (بیروت: دار احیاء التراث العربي، 1392ھ)، 3:188۔

[32]۔ عینی، نفس مصدر، 3:169۔

ذریعے پانی کے اوصاف میں تغیر آجائے گا یا یہ تغیر کا سبب بنے گا۔ وہ اس طور پر کہ لوگ کسی ایک کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ خود بھی ایسا کرنے لگیں گے۔ نتیجتاً پانی گندا اور نجس ہو جائے گا اور یہ عمل لاعنین کے مشابہ ہے (راستہ اور درخت کے سایہ میں قضائے حاجت کرنے کی طرح) الا یہ کہ پانی بہت زیادہ جاری ہو لیکن ہر حال میں پانی میں پیشاب کرنے سے بچنا ہی اولیٰ ہے"۔[33]

جنابت کی حالت میں کھڑے پانی میں غسل کرنا

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ» فَقَالَ: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: «يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا"[34]

(تم میں سے کوئی فرد بھی جنابت کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تو وہ کس طرح غسل کرے گا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس پانی کو لے کر الگ مقام پر جا کر غسل کرے گا۔)

پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینا

پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینا منع ہے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے:

"إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ" [35] (جب کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ النَّفْخِ فِي الشُّرْبِ فَقَالَ رَجُلٌ الْقَذَاةُ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ قَالَ أَهْرِقْهَا قَالَ فَإِنِّي لَا أَرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَأَبِنْ الْقَدَحَ إِذَنْ عَنْ فِيكَ۔ "[36]

33۔ شاہ ولی اللہ دھلوی، 1:311۔

34۔ مسلم بن حجاج، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الَاغْتِسَالِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ، 1:236، رقم: 97۔

35۔ بخاری، بَابُ النَّهْيِ عَنْ الِاسْتِنْجَاءِ بِاليَمِينِ، 1:42، رقم:153۔

36۔ محمد بن عیسی ترمذی (م: 279ھ)، الجامع، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ (مصر:مصطفی البابي الحلبی، 1975ء)، 4:303، رقم:1887۔

(نبی اکرم ﷺ نے پینے کی چیز میں پیتے وقت پھونکیں مارنے سے منع فرمایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا اگر برتن میں تنکا وغیرہ ہو تو۔ آپ نے فرمایا اسے گرادو۔ اس نے عرض کیا میں ایک مرتبہ سانس میں سیر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا جب تم سانس لو یا پیالہ اپنے منہ سے ہٹادو۔)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

"لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَنْفُخُ فِي طَعَامٍ، وَلَا شَرَابٍ، وَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ"[37]

(اللہ کے رسول ﷺ کھانے پینے کی اشیاء میں پھونک نہ مارتے تھے اور نہ برتن میں سانس لیتے تھے۔)

یہ ممانعت وجوبی نوعیت کی نہیں بلکہ اخلاقی نوعیت کی ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

جب تم میں سے کوئی شخص کچھ پیئے تو برتن میں سانس نہ لے منہ کو برتن سے الگ کئے بغیر سانس لینا مکروہ ہے۔ برتن سے پانی وغیرہ کو پیتے وقت تین مرتبہ سانس لینا چاہیے اور ہر مرتبہ منہ برتن سے الگ کرے۔ منہ سے جو آدمی سانس لیتا ہے اس کو تنفس کہتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ پانی میں پھونک نہیں مارنی چاہیے کیوں کہ انسان کے جسم میں جو بیماریاں ہوتی ہیں ان کے جراثیم سانس کے ذریعے پانی میں منتقل ہو جائیں گے۔[38] علامہ عینی نے بھی اسے نہیں برائے ادب قرار دیا ہے۔[39]

پانی کے برتنوں کو ڈھک کر رکھنے کا حکم

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کہ جب رات کو تاریکی چھانے لگے تو اپنے بچوں کو (گھروں) سے باہر نہ جانے دو کیوں کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں اور جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو ان کو چھوڑ دو اور اللہ کا نام لے کر اپنا دروازہ بند کرو اور اللہ کا نام لے کر اپنا چراغ گل کرو اور اللہ کا نام لے کر اپنے پانی کا برتن بند کرو اور اللہ کا نام لے کر اپنے برتن ڈھانک دو اور اگر ڈھانکنے کی کوئی چیز نہ ملے تو عرضاً کوئی چیز اس پر رکھ دو۔[40]

حضرت ابو حمید ساعدی فرماتے ہیں:

37۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی (م: 273ھ)، **السنن**، بَابُ النَّفْخِ فِي الطَّعَامِ (بیروت: دار احیا الكتب العربية، س۔ن)، 1094:2، رقم: 3288۔

38۔ غلام رسول سعیدی، **نعمة الباری** (لاہور: فرید بک سٹال اردو بازار، 2013ء)، 555:1۔

39۔ عینی، نفس مصدر، 295:2۔

40۔ بخاری، بَابُ صِفَةِ إِبْلِيسَ وَجُنُودِهِ، 123:4، رقم: 3280۔

میں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں نقیع کے مقام سے ایک (شخص) دودھ کا پیالہ لے کر آیا وہ پیالہ ڈھکا ہوا نہیں تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس پیالہ کو ڈھانکا کیوں نہیں اگرچہ لکڑی کی ایک آڑ ہی سے اس کو ڈھک دیتے حضرت ابوحمید فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے رات کو مشکیزوں کے منہ باندھنے کا اور رات کو دروازوں کو بند رکھنے کا حکم فرمایا۔[41]

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(سوتے وقت) برتن ڈھانپ دیا کرو اور مشک کا منہ بند کر دیا کرو، چراغ گل کر دیا کرو اور دروازہ بند کر دیا کرو اس لیے کہ شیطان مشک نہیں کھولتا، نہ دروازہ کھولتا ہے، نہ برتن کھولتا ہے اور تمہیں کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے نہ ملے تو اتنا ہی کر لے کہ اللہ کا نام لے کر ایک لکڑی کو برتن کے اوپر عرضا رکھ دے (اور چراغ اس لیے بھی گل کر دینا چاہیے کہ) چوہیا لوگوں کے گھر جلا ڈالتی ہے۔[42]

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (بھرا ہوا) برتن ڈھانپنے، مشکیزہ (کا منہ) باندھنے اور (خالی برتن) الٹا رکھنے کا حکم فرمایا۔[43]

بغیر دیکھے پانی پینے کی ممانعت

محمد بن مقاتل، عبد اللہ، یونس، زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ، حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں:

میں نے آپ ﷺ کو اختناث سے منع فرماتے ہوئے سنا، اختناث مشک کے منہ سے منہ لگا کر پانی پینے کو کہتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ آپ نے مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت جابر، ابن عباس، ابوہریرہ (رض) بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[44]

حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشکیزہ الٹ کر اس کے منہ سے پینے سے منع فرمایا اور جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا اس کے بعد (ایک مرتبہ) رات میں ایک مرد مشکیزہ کے پاس کھڑا ہوا اور اسے الٹ کر پانی پینے لگا تو مشکیزہ میں سے ایک سانپ نکلا۔[45]

41۔ مسلم بن حجاج، بَابٌ فِي شُرْبِ النَّبِيذِ وَتَخْمِيرِ الْإِنَاءِ، 3:1593، رقم:93(2010)۔

42۔ قزوینی، بَابُ تَخْمِيرِ الْإِنَاءِ، 2:1129، رقم:3410۔

43۔ نفس مصدر، رقم:3411۔

44۔ ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ اخْتِنَاثِ الأَسْقِيَةِ، 4:305، رقم:1890۔

علامہ یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ اپنی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینے کی جو ممانعت آئی ہے یہ بالاتفاق تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ یہ تو صرف بندے کی حفاظت کے لیے ہے کہ کہیں غفلت سے کوئی موذی چیز اس کے پیٹ میں چلی نہ جائے۔[46]

برتن میں بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنے کی ممانعت

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔ [47]

یہ نہی تنزیہی ہے لیکن یہ واضح رہے کہ نہیں تنزیہی اسی صورت میں ہوگی جب کہ ہاتھوں پر کوئی گندگی اور نجاست نہ لگی ہوئی ہو اور اگر ہاتھوں پر نجاست لگی ہوئی ہو تو نہی برائے تحریم ہوگی اور اس صورت میں پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا لازمی اور ضروری ہوگا۔ بخاری نے غالباً اسی معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کتاب الغسل میں کچھ اس طرح ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے برتن میں ڈال سکتا ہے اگر اس کے ہاتھوں پر کوئی نجاست نہ لگی ہو گرچہ وہ جنبی ہو۔ بہرحال پانی کو آلودگی سے بچانا مطلوب ہے اگرچہ ہاتھوں پر کوئی نجاست نہ لگی ہو اور آدمی اگرچہ سو کر نہ اٹھا ہو پھر بھی پہلے ہاتھوں کو دھولینا مستحب ہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

"امام شافعی نے فرمایا میں ہر نیند سے بیدار ہونے والے کے لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ ہاتھ دھونے سے پہلے وضو کے پانی میں نہ ڈالے اور اگر وہ وضو کے پانی میں ہاتھ دھونے سے پہلے ڈالے گا تو یہ مکروہ ہے اور پانی ناپاک نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کے ہاتھوں کے ساتھ نجاست نہ لگی ہو اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب کوئی رات کو بیدار ہو اور ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں ڈال دے تو اس پانی کا بہادینا بہتر ہے۔ اسحاق نے کہا کہ جب بھی بیدار ہو رات

45۔ قزوینی، بَابُ إخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ،2 :1131، رقم:3419۔

46۔ نووی، نفس مصدر، 194:13۔

47۔ مسلم بن حجاج، بَابُ كَرَاهَةِ غَمْسِ الْمُتَوَضِّئِ وَغَيْرِهِ يَدَهُ الْمَشْكُوكَ فِي نَجَاسَتِهَا فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ غَسْلِهَا ثَلَاثًا، 1: 233، رقم:87۔

ہو یا دن ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے۔ ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا مطلوب ہے گرچہ وہ سو کر اٹھا ہوں اور یہ بات بغیر کسی اختلاف کے مستحب ہے۔" [48]

ان تمام دلائل سے یہ پتہ چلا کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک پانی کو آلودگی سے بچانے کے احکامات صرف اخلاقی نوعیت کے نہیں بلکہ وجوب کے درجے میں بھی شامل ہیں اور بعض صورتوں میں ان کی حکم عدولی سخت حرام ہے۔

ندیوں اور نالوں میں کوڑا ڈالنے کا حکم

پانی کو آلودہ کرنے کی موجودہ دور میں ایک مثال گھروں کی غلاظت اور کوڑا کرکٹ وغیرہ کو ندی نالوں میں ڈالنا بھی ہے اگر پانی کا بہاؤ بہت معمولی ہو تو نجاست و گندگی کے ٹھہرنے کی وجہ سے ندّیوں کا پانی آلودہ اور خراب ہو جاتا ہے اور اسے پینے والوں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ علامہ عینی کے نزدیک یہ پیشاب کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ برا ہے کہ یہ پہلے کسی برتن میں پیشاب کرنا ہے اور پھر اسے پانی میں بہا دینا ہے۔[49]

مولانا ابرار حسین ایوبی ندوی لکھتے ہیں:

عامۃ الناس کے ضرر کو دیکھتے ہوئے گھروں کی غلاظت اور کوڑا کرکٹ وغیرہ کو ندی نالوں میں ڈالنا بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہیے۔[50]

علامہ عینی کہتے ہیں:

" احناف کے مسلک کے مطابق تو ماء راکد قلیل میں غسل جنابت، غسل حیض ونفاس یہاں تک کہ غسل جمعہ اور غسل میت بھی ممنوع ہے۔" [51]

اور اگر اسباب پر غور کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ اس کا اصل مقصد آلودگی سے بچانا ہے۔

---

[48]۔ اہل علم کے قول اس بابت مختلف ہیں بعض وجوب کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اکثر اہل علم اس کے مستحب ہونے پر متفق ہیں۔ بہر حال اختلاف سے قطع نظر یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ اس فرمان نبوی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت آلودگی کو دور کرنا بھی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: (عینی، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، 3:18-19)۔

[49]۔ عینی، نفس مصدر، 3:169۔

[50]۔ ابرار حسین، ایوبی ندوی، **آبی وسائل شریعت کی نظر میں مشمولہ آبی وسائل شرعی احکام وضوابط** (نئی دہلی: ایفا پبلی کیشنز، 2012ء)450۔

[51]۔ عینی، نفس مصدر، 3:169۔

زیر نظر تصویر میں، نہر میں کوڑا کرکٹ اور الائیشوں کو دیکھا جا سکتا ہے یہ کوئی دیہی علاقہ نہیں بلکہ ہما پیارا اور مشہور زمانہ شہر ملتان ہے۔ یہ فقط ایک مثال ہے اس طرز کی بے حسی ملک پاکستان کے ہر شہر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہمارا یہ اقدام آبی آلودگی میں از خود اضافے کا سبب بن رہا ہے۔

Image: Wastage is being dumped at the bank of a canal in Multan and it is being included in water.

کارخانوں اور فیکٹریوں کا پانی ندیوں میں بہانے کا حکم

موجودہ دور میں میں فیکٹریوں اور کارخانوں کا آلودہ پانی ندیوں اور نالوں میں بے دریغ بہا دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے دریا کا پانی صرف خراب ہی نہیں بلکہ بعض اوقات مہلک بھی ہو جاتا ہے ضرر کو دیکھتے ہوئے اسے بھی کم از کم مکروہ تحریمی کہنا چاہیے اس لیے کہ اسلام کا نقطہ نظر تو لوگوں کو ایذا اور ضرر سے بچانا ہے۔ لوگوں کو ضرر اور ایذا سے بچانے کے پیش نظر اس نے عمومی راستہ اور سائے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں وہاں قضائے حاجت سے منع کر دیا یعنی صرف پانی ہی میں نہیں بلکہ لوگوں کے راستہ میں بھی قضائے حاجت سے منع کر دیا اور مذکورہ مقامات پر قضائے حاجت کو لعنت کا موجب بتایا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے تو ندی نالوں کو آلودہ کرنا بھی جائز امر نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ، قَالُوا: وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُولَ اللهِّ؟ قَالَ: الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّهِمْ"[52]

(دو لعنت والے کاموں سے بچو۔ صحابہ نے پوچھا وہ دو کام کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی گزر گاہ میں یا سایہ دار جگہ میں پاخانہ کرنا۔)

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ: الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَالظِّلِّ"۔

(لعنت کی تین جگہوں سے بچو: پانی کی گزر گاہوں، راستہ کے درمیان اور سایہ میں بول و براز سے۔)[53]

علامہ شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں میں لکھتے ہیں:

" یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگوں کے راستہ اور سایہ میں قضائے حاجت حرام ہے اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ہے اس طور پر کہ جو بھی اس سے گزرے گا اسے گھن آئے گی۔ اور نجس بھی ہو سکتا ہے"۔[54]

حدیث اور اس کی شرح کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب استقذار (گھن آنا) اور تنجیس موجب حرمت ہیں تو ایسا پانی جو حقیقتاً لوگوں اور ان کے جانوروں کے لئے مہلک ہو، ندی اور نالوں میں ان کو بہادینا بدرجہ اولی ممنوع ہو گا اور مذکورہ صورت میں ممانعت وجوبی درجہ کی ہو گی۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" گزر گا یا سایہ دار جگہوں پر بول و براز سے ممانعت ہے کیوں کہ اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہو گی اور گزرنے والے ناپاک ہوں گے اور اس کی بدبو اور تعفن سے سب پریشان ہوں گے لہذا یہ عمل ممنوع ہے"۔[55]

---

[52]۔ ابوداؤد، بَابُ الْمَوَاضِعِ الَّتِي نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَوْلِ فِيهَا، 7:1، رقم:25۔

[53]۔ نفس مصدر، بَابُ الْمَوَاضِعِ الَّتِي نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَوْلِ فِيهَا، 7:1، رقم: 26؛ قزويني، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْخَلَاءَ عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ، 119:1، رقم:328۔

[54]۔ شمس الحق عظیم آبادی (م: 1329ھ)، **عون المعبود شرح سنن أبي داود** (بيروت: دار الكتب العلمية، س۔ن)، 31:1۔

[55]۔ نووي، 162:3۔

ظاہر سی بات ہے کہ ان صورتوں میں صرف خارجی اور شرعی پریشانیاں ہیں تو اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی اور پانی کے آلودہ ہو جانے پر تو مہلک بیماریوں کے امکانات رہتے ہیں اس سے باز رہنے کی تلقین از روئے شرع بدرجہ اولیٰ ہو گی جیسا کہ احادیث کے دلالۃ النص سے ظاہر ہے۔

دوسری حدیث کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

> "علما کہتے ہیں کہ پانی کے قریب بول وبراز کرنا مکروہ ہے تاکہ گندگی وہاں تک نہ پہنچے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ممانعت کی ہے وہ عام ہے کہ کسی بھی گھاٹ پر گزرنے والوں کو تکلیف ہو گی وہ اس کو ناپاک اور آلودہ کر دے"۔[56]

مذکورہ تفصیل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پانی کو آلودگی سے بچانے کا حکم وجوب کا درجہ کھتا ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق اسی فیصد بیماریوں کی جڑ غیر محفوظ پانی کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں ، اس لیے شریعت میں پانی کو آلودگی سے بچانے کی تعلیم دی گئی ہے اور ایسے تمام کاموں سے روکا ہے جن سے پانی آلودہ ہوتا ہو یا اس کی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہو۔

درج ذیل تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کس بے دردی سے گھروں کا گندا پانی نہر میں ڈالا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام انفرادی نوعیت کا نہیں بلکہ اجتماعی بے حسی کا پتہ دیتا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ حکومت نے خود اس کا انتظام کیا ہے۔

---

[56] ۔ نفس مصدر، 188:3۔

Image: Household wastage is being dropped into a Canal in Multan.

اس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ بد قسمتی سے ہمارے ہاں اس اہم ترین اور سنگین مسئلے کی جانب کسی کی توجہ ہی نہیں گئی۔ سیورج کے پانی کو صاف کرنے کے بعض اوقات منصوبے بنے بھی ہیں تو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے وہ التوا کا شکار ہیں۔ پاکستان میں صفائی کے ان پلانٹس کو اس جدول میں دیکھا جا سکتا ہے۔

Table: Wastewater treatment in the cities of Pakistan

Major Cities	**Population (millions)**	**Status and Condition of Facility**
Karachi	16.1	TP 1, 2 and 3 non-operational. Maripur being operated by semi-private arrangement.
Lahore	11.1	Sewage treatment plants proposed but not implemented. BOOT advertised but lack of interest resulted in schemes being shelved.
Faisalabad	7.9	One of the TPs is functioning but not satisfactorily.

Rawalpindi	5.4	No sewage TP yet. A plant is planned by ADB loan for second phase of Rawalpindi Urban Development scheme.
Islamabad	2.0	STP 1and 2 grossly overloaded while STP was 3 was never commissioned. French loan for STP 4 being utilized in 2005.
Quetta	2.3	No sewage treatment facility exists.
Hyderabad	2.2	There are two treatment plants. None of them is functioning.
Gujrawala	5.0	No sewage treatment facility exists.
Peshawar	4.3	Hayatabad STP non-functional. Other plants in Charsadah and Warask are being constructed.
Multan	4.7	No sewage treatment facility exists.
Sargodha	3.7	No sewage treatment facility exists.[57]

خلاصہ بحث

آبی آلودگی صاف پانی کو تباہ کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ آبی آلودگی کی وجہ سے تمام جانداروں کی حیات کو سنگین خطرات لاحق ہیں، مزید بر آں یہ انسانی صحت کے لیے بھی شدید مسائل پیدا کرنے کا باعث ہے۔ آبی آلودگی دور حاضر کے چند بڑے خطرات میں سے ایک ہے۔ اسلام نے آبی آلودگی کو روکنے کے لیے جدید سائنسی تعلیمات کے مقابلے میں کہیں زیادہ جامع اور اکمل ہدایات دی ہیں۔ ان ہدایات کی ترویج و اشاعت کی بدولت نہ صرف آبی آلودگی میں کمی لائی جا سکتی ہے بلکہ پانی کے بحران کے مسئلے کو بھی کم کیا جا سکتا ہے۔ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے شریعت کے بعض احکام اخلاقی نوعیت کے ہیں البتہ بعض حالات میں انہیں وجوب کا درجہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

[57] - Pakistan's Water Economy Running Dry,55-

سفارشات

1. آبی آلودگی پر قابو پانے کے لیے اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کی جائے اور ان پر عمل کا ذہن بنانے کے لیے اسلامی اسکالرز وخطبا اور علماو مشائخ فعال کردار ادا کریں۔
2. آبی آلودگی پر قابو پانے کے لیے اسلامی تعلیمات کو اسکولز، کالجز، یونیورسٹیوں اور مدارس کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
3. آبی آلودگی کے بارے میں تحقیقی مقالہ جات لکھے جائیں اور کانفرنسز وسمینارز کا انعقاد کیا جائے تاکہ اس کی بدولت آبی آلودگی کے عوارض کو واضح کیا جا سکے۔
4. ابی آلودگی سے بچنے کا اہتمام گھریلو لیول پر کیا جائے۔
5. پانی کے برتن اور ٹینک وغیرہ کو کھلا مت چھوڑیں تاکہ کوئی وبا یا زہریلا جاندار اس کو آلودہ نہ کردے۔
6. ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرکے اس کو آلودہ نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس میں گندگی اور کچرا وغیرہ بھی دالنے سے اجتناب کیا جائے۔
7. جاری پانی میں بھی پیشاب کرنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی نجاستیں اور کدورتیں اس میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔
8. نہر، تالاب یا دریا کے کناروں بلکہ ان کے کے آس پاس بھی پیشاب یا پاخانہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اسی طرح ان مقامات پر ہر قسم کی گندگی اور نجاست پھینکنے سے بھی اجتناب۔
9. سایہ دار درختوں کے نیچے گرمی میں انسان یا حیوان آرام کرتے ہیں دھوپ سے بچتے ہیں۔ مسافر بھی ستا لیتے ہیں اگر پھل دار خت ہو تو پھل زمین پر گرنے سے ناپاک ہو سکتا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر ان مقامات پر قضائے حاجت سے اجتناب کیا جائے کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور ادب وتہذیب کے بھی خلاف ہے۔
10. غسل خانے میں پیشاب کرنے سے پرہیز کیجئے بالخصوص جب غسل خانے کی زمین سخت یا پکے فرش کی ہو۔
11. سوراخ والے بل کے اندر پیشاب کرنے سے پرہیز کیجئے کیوں کہ وہ اللہ تعالی کی مخلوق کا مسکن ہے اور کسی مکین کے مکان کو آلودہ کرنے کا کسی بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے اسی لئے شریعت نے منع کیا ہے۔
12. ٹھہرے ہوئے پانی میں جنابت کی حالت میں غسل نہ کریں ورنہ پورا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

13. اگر کتا کسی پانی کے برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اس کو پھینک دیا جائے اور برتن کو سات مرتبہ دھو کر پاک کر لیا جائے پہلے مٹی سے برتن کو خوب اچھی طرح مانجھ لیا جائے۔

14. مسجدوں کے مستعمل پانی کو بھی استعمال میں لانا چاہیے نہ کہ انہیں گندے پانی میں بہا دیا جائے حکومت کو چاہیئے کہ اس طرف توجہ دے اور ضروری اقدامات کرے۔

15. اہل مساجد از خود بھی ٹینک نما سٹور بنا کر اور استعمال شدہ پانی سٹور کر کے علاقے کی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔

Bibliography

1. *Al- Qur'ān*
2. *Abu 'Abdullah Muḥammad b. Aḥmad b. abi Bakr al Qurtabī, Al-Jāmi' al-Aḥkām al-Qurān (Cairo: Dār al- Kutub al-miṣrīya, 1384 A.H.)*
3. *Abū al Barkāt 'Abdullah b. Aḥmad al-Nasfī, Madārak al-Tanzīl wa Haqāiq al-Tāvīl (Beirūt: Dār al kalam al Tayyab, 1419 A.H.)*
4. *Abū al Ḥasan 'Alī b. Khalf b. Ibn Battāl, Sharh Ṣaḥīḥ Bukhārī li ibn Battāl (Riyadh: Maktaba al-Rushd, 1423 A.H.)*
5. *Abū Dāwūd, Sulaimān b. Ash'ath. Sunan Abū Dāwūd. (Beirūt: Al-Maktaba al Asriah, N.D)*
6. *Abū Zakarīya Yaḥyā b. Sharf Nawawī, Al-Minhāj Sharh Ṣaḥiḥ Muslim (Beirūt: Dār Iḥyā al-turath al-'arbī 1392 A.H.)*
7. *Aḥmad b. Ali b. Muḥammad b. Aḥmad Ibn Ḥajr 'Asqalānī, Fatḥ al Bārī (Beirūt: Dār al Fikr, N.D.)*
8. *Al-Suyūṭī, Abdur Raḥmān Abī Bakr. Al-Durar al Manthor, (Beirūt: Dār al Fikr, N.D.)*
9. *Badar al Dīn Abū Muḥammad Maḥmūd b. Aḥmad al 'Aynī, 'Umdatul Qārī Sharh Ṣaḥīḥ Bukhārī, (Beirūt: Dār Iḥyā al-turath al-'arbī, N.D.)*
10. *Bukhārī, Muḥammad b. Ismā'īl. Ṣaḥīḥ Bukhārī, (Beirūt: Dar Tūq-al-Najāt, 1422 A.H.)*
11. *Dr. Mark Browne, Accumulations of Microplastic on shorelines worldwide: sources and sinks, Environmental Science & Technology, Vol. 45 Issue.21, 2011.*
12. *Ibn Mājah, Muḥammad b. Yazīd. Sunan Ibn Mājah. (Egypt: Dār al-Risāla al-'Ālmīa, 2009)*
13. *Islamic Fiqh Academy, Ābī Wasāil Shar'ī Aḥkām wa Masāil, (Dehli: Aifā Publications, N.D.)*
14. *John Briscoe et al., Pakistan's Water Economy Running Dry, (U.K. Oxford University Press, 2005)*
15. *Muslim b. Hujāj, Ṣaḥiḥ Muslim (Beirūt: Dār al jīl, 1334 A.H.)*
16. *N. Seshagiri, Pollution, (Delhi: National Book Trust, 2006)*
17. *Personal Footage on 08-08-2020*
18. *Qāzī Thānāullah Pānīpatī, Al-Tafsīr al-Maẓharī (Pakistan: Maktaba al Rushdīyah, 1412 A.H.)*

19. *Saeedi, Ghulām Rasool, N'emat al-Bārī, (Lahore: Fareed Book Stall Urdu Bazar, 2013)*
20. *Shah Walīullah Aḥmad b. 'Abdul Rahīm Dehlvī, Ḥujatullah al-Bāligha (Beirūt: Dār al jīl, 1426 A.H.)*
21. *Shams al Ḥaq 'Azīm Ābādī, 'Aun al M'abūd Sharh Sunan Abū Dāwūd (Beirūt: Dār al kutub al 'ilmīyah, N.D.)*
22. The New Book of Popular Science (Grolier International Inc.1987)
23. The World Book Encyclopedia" (Chicago: World Book, Inc. n.d.)
24. Tirmidhi, Muḥammad b. 'Isa. *Sunan al-Tirmidhi, (*Egypt: *Shirkat Maktaba wa Matba'tu Mustafā al Bābī al Ḥalbī*, 1395 A.H.)
25. https://www.britannica.com/science/water-pollution
26. https://www.nrdc.org/stories/water-pollution-everything-you-need-know
    https://en.wikipedia.org/wiki/Water_pollution
27. https://www.water-pollution.org.uk/types/
28. https://www.water-pollution.org.uk/types/
29. https://www.envirotech-online.com/news/water-wastewater/9/breaking-news/what-are-the-different-types-of-water-pollution/51055
30. https://eschooltoday.com/pollution/water-pollution/types-of-water-pollution.html
31. https://www.nrdc.org/stories/water-pollution-everything-you-need-know

Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(2), 194 -209

التجديد في التطور التاريخي للنقود الخلقية: دراسة تاريخية نقدية

Historical Development in Congenital Money: A Historical and Critical Study

Israr Khan*1, Rashid Masood**

*PhD Scholar, Islamic Law & Jurisprudence, International Islamic University, Islamabad.
**PhD Scholar, Department of Arabic Language, National University of Modern Languages, Islamabad.

Keywords:

Barter Money, Commodity Money, Congenital Money, *Ribā* Jurisprudence

Khan, I. and Masood, R. (2020). Historical Development in Congenital Money: A Historical and Critical Study. *Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), 194 - 209

© 2020 AUJIS. All rights reserved

Abstract: *This paper discusses the money which had been used since the inception of the humanity until the introduction of dīnārs and dirhams. Further it describes that people were using gold and silver as a currency at the time of first revelation of Islam and Islam did not change the practice in this regard. In this context, it is perceived that the jurists considered them as Islamic currency. Jurists are seemed very sensitive while dealing with these two metal currencies in fear of ribā. That is why they do not accept the impact of any change in the values of dīnārs and dirhams on the debt generated in terms of these metallic currencies. However, they do not see any problem in case of falūs. However, in this modern era, there is a huge gap between the values of gold and silver and prices are volatile that affect financial debts and obligations. Financial matters has become more complex as compare to past. Hence, it becomes necessary to explore this debate in more detail to bring out solutions. This paper highlights the fallacy of consideration of dīnārs and dirhams as Islamic currency through presenting historical development of dīnārs and dirhams. The paper explains that they were used as a currency by the public before the emergence of Islam. Therefore, they are not Islamic currencies. Finally, it concludes that removal of such misconception will enable us to move forward towards paper, plastic or digital currencies according to our need of the time. It will also helpful to provide the solutions to those jurisprudential complexities emerged in financial debts and obligations.*

KAUJIE Classification: A6, I74, Q11, Q12, Q14, Q21, Q23

JEL Classification: E41, F30

[1]Corresponding author, Email: isrrrar58@gmail.com

Content from this work is copyrighted by *Al-‘Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

لا يمكن للشخص أن يعيش وحيدا في المجتمع، وكذلك لا يمكن له أن ينتج كل ما يحتاج إليه، لذلك أن الناس قد أجادوا نظام التبادل بينهم، واستعملوا عدة أشياء فيها من بداية مرحلتها إلينقدية المعدنين (الدنانير والدراهم)، ثم عندما جاء دين الإسلام فأقرّهما على حالهما، من هناك بدأ معظم الفقهاء يشعرون أنهما نقدان من قبل الشارع حتى أنهم لم يقبلوا حدوث التغيير فيهما كما أنهم قبلوا حدوث التغير في الفلوس؛ لأنهم جعلوهما ثمنين من الشارع، الآن عندما تركنا العمل بهما فوقعت الحاجة إلى البحث عن حقيقتهما، يعني هل أن الشارع جعلهما نقدين أم لا؟

فإذا ثبت أن الشارع قد جعلهما نقدين وأنهما خُلقا للنقدية من قبل الشارع فحينئذ سيثبت أن الأحكام الثابتة بهما لا تتغيّر بتغيّرهما وكذلك لا بدّ لنا أن نرجع إلى نقديتهما في عصرنا الحاضر، ولكن إذا ثبت أن الشارع ما جعلهما نقدين ولا أنهما خلقا للنقدية فحينئذ سيمكن لنا أن نقدّم حلول المسائل التي قدّرت بهما بعد حدوث التغير فيهما، وكذلك سيثبت لنا أن نترك العمل بهما بعد حدوث المشاكل في نقديتهما في عصرنا الحاضر، أمّا هذه الورقة فهي تبحث عن حقيقتهما أي أنهما كيف صارا نقدين؟ وهل أنهما ثمنان من قبل الشارع أم من قبل العرف؟

أهمية البحث

إن الفقهاء قد جعلوا الدينار والدراهم نقدين باعتبار الخلقة؛ لأن جميع وظائف النقود كانت موجودة فيهما، ولكن بعد ذلك زعم معظم الفقهاء المعاصرين أن المراد به أنهما خلقا للنقدية من الشارع حتى وصلوا إلى أن نقديتهما لا تنتهي بعد ترك الناس التعامل بهما، لذلك وقعت الحاجة إلى البحث عن حقيقتهما في زمننا الحالي.

مشكلة البحث

كيف إختار الناس نقدية الدنانير والدراهم؟

هل أن الشارع جعلهما نقدين أم أنهما كانا نقدين من قبل أفراد المجتمع قبل بدء الشريعة؟

أهداف البحث

- معرفة حقيقة نقدية الدنانير والدراهم
- ذكر مراحل تطور نقدية الدنانير والدراهم
- الوصول إلى حقيقة نقدية الدنانير والدراهم يعني هل أنهما كانا نقدين من الشارع أم لا؟

خطة البحث: يشتمل هيكل البحث على المبحثين والخاتمة، كالتالي:

المبحث الأول: تعريف النقود لغة واصطلاحا

المبحث الثاني: مراحل تطور النقود إلى نقدية الدنانير والدراهم، وهذا يتكّون من أربعة مطالب:

المطلب الأول: المقايضة

المطلب الثاني: نقدية السلعية المعينة

المطلب الثالث: نقدية المعادن الرخيصة

المطلب الرابع: نقدية الذهب والفضة

الخاتمة: وهي تشتمل على أهم نتائج البحث والتوصيات التي توصل إليها الباحثان من خلال هذا البحث.

التمهيد

إن المشهور في نقدية الدنانير والدراهم بأنها خلقا للنقدية، ثم بعد ذلك يقع السؤال، هل أنهما نقدان من الشارع؟ للبحث عن إجابة هذا السؤال المهم، لا بد لنا أن نذكر تعريف النقود وتطورها التدريجي حتى يسهل لنا أن نصل إلى غرضنا، لذلك نبدأ به.

المبحث الأول: تعريف النقود لغة واصطلاحا

تعريف النقود لغة

النقد واحد، وجمعه النقود، وأمّا لفظ النقد فهو يذكر للحاضر المعجل، وهو مضاد المؤجل، ثم يقال: النقد والتنقاد لِتميز الدراهم والدنانير وإخراج الزيوف منها، وقد يذكر لإعطاء النقود إلى الشخص الآخر أو أخذها من الآخر. [1]

تعريف النقود اصطلاحاً

هناك العديد من التعريفات للنقود، ويمكننا تقسيم هذه التعريفات إلى ثلاثة أقوال:

القول الأول: إن النقد ينحصر في المعدنين (الذهب والفضة) عند هولاء، حتى أنهم يعدّون الذهب والفضة ثمنين إن لم يكونا مضروبين، كما أنهم بيّنوا:

"النقود وهو الذهبُ والفضة وإن لم يكونا مضروبين"[2].

يعني لا يشرط للنقود أن يكون مضروبا عندهم.

---

1. محمد بن يحيى بن زكريا الرازي، **مختار الصحاح** (بيروت:مكتبة لبنان ناشرون، 1415 ه) :668؛ ابن منظور الأفريقي المصري، **لسان العرب** (بيروت: دار صادر، 1996م)، 3: 425.
2. عبدالله بن محمد بن عبد اللطيف(الشافعي الصغير)، **نهاية المحتاج** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1004ه)، 3: 104،98، 433.

القول الثاني: بيّن هولاء أن النقد ينحصر في الذهب والفضة بشرط أن يكونا مضروبين، أما إذا لم تكن مضروبة فليست بنقد عند هولاء، كما بيّن النّووي والرّافعيّ – رحمهما الله تعالى–:

"النقود وهو الدنانير والدراهم المضروبة."[3]

يعني يشرط للنقود أن يكون مضروبا عند هولاء.

القول الثالث: ذكر هولاء أن النقد لا ينحصر في المعدنين (الذهب والفضة)، بل النقود هو ما يحصل له اتفاق عامة الناس على جعله نقدا سواء كان من ذهب أو ملح أو جلد[4]،كما أنهم ذكروا:

"Money must serve as a measure of value, as a medium of exchange, and as a store of wealth." 5

(لا بدّ للنقود أن يكون مقياسًا للقيم ووسيلة للتبادل ومخزنًا للثروة).

تبيّن من هذه الآراء أنالفريق الأول من العلماء ينحصرون النقدية في ذهب وفضة فقط حتى ولو كانا غير مضروبين، أما الفريق الثاني من العلماء فإنهم ينحصرون النقدية فيهما ولكن بشرط أن يكونا مضروبتين، أمّا الفريق الثالث من العلماء فإنهم لا ينحصرون النقدية فيهما، بل النقود عندهم هو ما يحصل له اتفاق عامة الناس على جعله نقدا سواء كان من ذهب أو ملح أو جلد.

الرأي الراجح بعد المناقشة

---

3. يحيى بن شرف النووي، **روضة الطالبين** (بيروت: المكتب الإسلامي، 1991م)، 5: 117؛مصطفى صادق بن عبد الرزاق الرافعي: **فتح العزيز** (دمشق: دار الفكر،1997 م)، 12: 5.

4. عبد الله بن سليمان بن منيع: **الورق النقدي** (https://ia902701.us.archive.org/20/items/SalehD005/AlWaraqAlNaqdy.pdf)، 1404ه)، 18.

5. Geoffery Crowther. ***An Outline of Money.*** *(Ḥydarābād: Thoms Nelson and Sons Ltd, 2006)*,35.

الآن عندما نتفكّر في هذه الآراء فيبدو لنا أن الرأي الراجح وهو رأي الفريق الثالث؛ لأننا عندما نبحث عن الدليل حول تحديد النقدية فيهما من الشارع فلم نجده، فهذا يدلّ على أن النقدية ليست منحصرة فيهما.

أما ثبوت الأحكام بهما فلا تدل على نقديّتهما من الشارع؛ لأن الأحكام قد ذكرت بالإبل والشعير وغيرهما، ولكن هذه الأشياء ماكانت أثمان، وهكذا رأي ابن حزم- رحمه الله تعالى كما أنه :

"كل شيء يجوز بيعه فهو ثمن صحيح لكل شيء يجوز بيعه، بإجماعكم مع الناس على ذلك، ولا ندري من أين وقع لمعكم الاقتصار بالتثمين على الذهب والفضة، ولا نص في ذلك، ولا قول أحد أهل الإسلام؟ وهذا خطأ في غاية الفحش."[6]

يعني كل ما يمكن بيعه هو ثمن لكل ما يمكن بيعه، حتى أنه ذكر: ولا نعلم من أين جاءكم الاقتصار على نقدية الذهب والفضة من الشارع؟.

وأيضاً بيّن ابن تيميّة – رحمه الله تعالى- :

"أمّا الدرهم والدينار فما يُعرف له حدٌّ طبعيٌّ ولا شرعيٌّ بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح"[7]يعني أنهما صارا نقدين من قبل الناس لا من قبل الشارع.

وهكذا روي عن عمر بن الخطاب–رضي الله عنه–أنه ذكر:

"أردتُ أن أجعل دراهم من جلود الجمال، فذكر له إذا لا جمل فترك-" [8]

---

[6]. على بن أحمدبن سعيد بن حزم،**المحلى** (بيروت:دار الأفاق الجديدة،2007)، 8: 477.

[7]. أحمد بن تقي الدين ابن تيمية الحراني،**مجموع الفتاوى** (الإسكندرية: دار الوفاء،2005 م)، 19: 251.

[8]. أبوالحسن أحمد بن يحيى بن جابرالبلاذري، **فتوح البلدان** (بيروت: دار الكتب العلمية، 1403ه)، 456.

فهذا أيضا يدل على عدم نقديتهما من الشارع، حتى ولو كان الدليل على نقديتهما من الشارع لما أراد.

وأيضاً صرح به الإمام مالك – رحمه الله تعالى:

"ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى تكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق"[9] يعني أن النقدية منحصرة إلى أفراد المجتمع دون الشارع.

في الجملة تبيّن من هذا البحث بأن النقد شيء يحصل له اتفاق عامة أفراد المجتمع على صنعه نقدا سواء كان من ذهب أو ملح أو جلد.

المبحث الثاني: مراحل تطور النقود إلى الذهب والفضة

كما عرفنا أن النقد لا يقتصر على الذهب والفضة، بل المراد بالنقد شيء يحصل اتفاق عامة أفراد المجتمع على صنعه نقدا سواء كان من ذهب أو ملح أو جلد، الآن ننتقل إلى تاريخ نقدية الدنانير والدراهم حتى نعرف أنهما كيف صارا نقدين؟ يعني هل أنهما دخلا في النقدية من قبل أفراد المجتمع أم من قبل الشارع؟ وهو كالتالي:

كما نجد كل الأشياء، ما هي عليه الآن في زمننا الحالي، فهي لم تكن في البداية بهذه الصورة، بل أنها تغيرت خلال تاريخها الطويل، على سبيل المثال، المستشفات، ما هي عليه الآن، لم تكن في البداية هكذا، وكذلك الطائرات والسيارات ما هي عليه الآن، لم تكن في البداية هكذا، وكذلك مرت النقود عبر تاريخها التدريجي، أولاً كان الناس ينحصرون لإشباع احتياجاتهم على جهودهم الذاتية، ثم احتاجوا البضائع التي ينتجها الآخرون.[10]

ومن هناك احتاجوا إلى وسيطة التبادل وبدأ نظامُ التبادل بينهم، يمكن لنا أن نُقّسم تاريخها التدريجي من بداية مرحلتها إلي نقدية الدراهم والدنانير إلى أربعة مطالب:

---

[9]. الإمام مالك بن أنس، **المدونة الكبرى** (بيروت: دار الكتب العلمية،2014م)، 3: 5.

[10]. د. عبد الرحمن يسرى أحمد،**النقود والفوائد والبنوك** (الإسكندرية:جامعة الإسكندرية، 2003م)، 1.

المطلب الأول: المقايضة

وهو تبادل المباشر للبضائع بين الأفراد دون استخدام النقد[11]،إنها كانت أوّل صورة التبادل بين الناس[12]، على سبيل المثال: إذا أراد أحد أن يشتري الخروف، فإنه يدفع القمح أو الشعير في مقابل هذا الخروف، وهكذا بدأ العمل بها في البداية، ولكن نفس الوقت، اطلع الناس على بعض الصعوبات التي كانت توجد فيها، وهي كالتالي:

صعوبة التوافق في رغبات المتبادلين

كما نعلم أن المقايضة لم تتم برغبة فرد واحد في الحصول على السلعة، بل أنها كانت تتم برغبة شخص آخر يمتلك السلعة ويريد استبدالها بها، وإذا كان لا يريد مبادلتها بالأخرى فلا يمكن الحصول عليها، على سبيل المثال: إذا افترضنا أن الشخص الذي لديه غنم يريدها استبدالها بشعير، فإنه لابدّ أن يكون هناك شخص آخر يمتلك شعيرا، وأيضا لابدّ أن يكون الشخص الآخر على استعداد لاستبدال الشعير بالأغنام، لذلك كانت عملية المقايضة صعبة جدا؛ لأن من كان يريد الشعير قد لا يجد شخصًا آخر يمتلك شعيرا، وقد يجده ولكن الشخص الآخر لا يريد مبادلته بالغنم، بل أنه يريد أن يأخذ الفرس أو الإبل بالشعير.[13]

---

11. ابن منظور،**لسان العرب،** 7: 224، محمد بن علي القري،**مقدمة في النقود والبنوك،** (جدة:مكتبة دار جدة، 1996م)،6.
12. د. عبد الرحمن يسري أحمد،**قضايا إسلامية معاصرة في النقود والبنوك والتمويل**(الإسكندرية:شارعزكريا غنيم، الدار الجامعة، 1905م)، 1.
13. د كمال شرف ، هاشم أبو عراج،**النقود والمصارف** (دمشق: جامعة دمشق، 1994م)، 7.

صعوبة تحديد نسبة التبادل

وكذلك ما كان يُنظَرُ إلى مالية السلع في المقايضة بل كان ينظر إلى أعيان السلع فقط، على سبيل المثال: شخص لديه جمل يريد مبادلته بالغنم، فحينئذٍ أنه يعطي جملا إليه ويأخذ منه الغنم بدون رعاية قيمتها.[14]

صعوبة تجزئة السلع

كذلك كانت هناك صعوبة في تجزئة السلع في المقايضة، على سبيل المثال: إذا افترضنا أن الشخص يمتلك سلعة الشعير ويريد استبدالها بالقمح، في هذه الحالة لا توجد أية مشكلة؛ لأن الحنطة والشعير يقبلان التجزئة، لكن المشكلة تقع إذا كانت السلعة من الأشياء التي لا تتجزأ، مثل الإبل والفرس وغيرهما[15].

صعوبة تخزين السلع

كذلك قد يبقي بعض البضائع بعد الاستفادة منها في زمن المقايضة، ولكن في تلك الأيام لم يكن تخزين هذه السلع المتبقية سهلة، بل كان يُحتاج لتخزينِ هذه البضائع إلى مكان كبير، ولهذا الأجل تخزين البضائع لم يكن سهلا.[16]

---

14. هايل عبد الحفيظ يوسف داؤد،**تغير القيمة الشرائية للنقود الورقية** (القاهرة: المعهد العالمي للفكر الإسلامي، 1418ه)، 22.

15. بشيكر عابد،**نمذجة قياسية اقتصادية لِمحددات الطلب على النقود في الجزائر**، ينظر: 01-06 2020-(*https://www.asjp.cerist.dz/en/article/25115*))، 6.

16. د. محمود عبد العزيز توني،**اقتصاديات النقود والبنوك** (جدة: مكتبة الشقري للنشر والتوزيع،2017م)، 26-29.

صعوبة إيجاد وسيلة للمدفوعات الآجلة

وكذلك كانت تحدث المشكلة في المعاملات الآجلة، لأن أسعار السلع قد كان يرتفع وقد كان ينخفض في زمن المقايضة[17].

في الجملة عندما وجد الناس هذه المشاكل في المقايضة فبدوا التفكير للتخلّص عنها.

المطلب الثاني: نقدية السلعية المعينة

كما علمنا أن نظام المقايضة ماكان خاليا من الصعوبات، للتخلّص عن هذه الصعوبات، كان الناس بدأوا التفكير إلى البحث عن أفضل طريقة للتبادل بالنسبة إلى المقايضة حتى تم توجيههم إلى السلعة المعينة وجعلوها نقدا بينهم، وصارت نقدا لبلد معينٍ، وبهذا سهل نظام التبادل بين الناس في بلد معين، لكن بعض مشاكل ظلت كما هي في المقايضة، على سبيل المثال:

- إذا أراد شخص من غير هذا البلد تبادل السلعة مع شخصٍ كان في هذا البلد، فما كان نظام التبادل سهلاً بالنسبة له؛ لأن السلعة المعينة كانت نقدا لبلد معين.
- وأيضاً كانت المشكلة في المعاملات الآجلة في نقدية السلعة المعينة.
- وكذلك نقدية السلعة المعينة لم تقبل التجزئة لِشراء بعضِ البضائع الصغيرة.
- وكذلك كانت هناك صعوبة تخزينها وحملها من مكان إلى مكان آخر[18].

في الجملة هناك ظهر بعض المشاكل للناس في نقدية السعلة المعينة حتى بدؤوا التفكير للبحث عن أفضل نظام التبادل بينهم بالنسبة إلى نقدية السلعة المعينة، وهذه فطرة الإنسان، عندما يصنع شيئا جديدا يظن أنه قد أجاد شيئا كبيرا، ثم بعد ذلك يظهر المشاكل في استخدامه

[17]. نفس المرجع،26-29.

[18]. أحمد بن يوسف الدريويش،**الوظائف الاقتصادية للدولة في الإسلام**(إسلام آباد: مجمع البحوث الإسلامية –الجامعة الإسلامية العالمية، 2015)، 1: 375،374.

يتركه أو يضعه في إطار جديد حتى يرتقي المجتمع بهذا المنهج، وكذلك حدث هناك في باب النقدية، كلما وجد المشاكل في النقدية الحالية تركها وذهب إلى الأخرى.

المطلب الثالث: نقدية المعادن الرخيصة

كما علمنا أن نقدية السلعة المعيّنة ماكانت خالية من الصعوبات، للتخلّص عن هذه الصعوبات، كان الناس بدؤوا التفكير إلى البحث عن أفضل طريقة للتبادل بالنسبة إلى نقدية السلعة المعيّنة حتى تم توجيههم إلى نقدية المعادن وجعلوها وسيلة التبادل بينهم، واستخدموا لهذا المقصد أوّلا النحاس أو الرصاص وغيرهما من المعادن الرخيصة، ولكن نفس الوقت أن هذه المعادن ماكانت خالية عن بعض الصعوبات، مثلا : انتقالها من بلد إلى بلد، وتخزينها إلى مدة طويلة، وإمكان تلفها وحرقها[19].

المطلب الرابع: نقدية الذهب والفضة

كما علمنا أن المعادن الرخيصة ماكانت خالية من الصعوبات، للتخلّص عن هذه الصعوبات، كان الناس بدؤوا التفكير إلى البحث عن أفضل طريقة للتبادل بالنسبة إلى المعادن الرخيصة حتى تم توجيههم إلى نقدية الذهب والفضة وجعلوهما وسيلة التبادل بينهم، ثم تنقسم مرحلة نقدية الذهب والفضة إلى ثلاثة مراحل:

المرحلة الأولى: كان الناس في هذه المرحلة يتعاملون بالذهب والفضة باعتبار الوزن[20]، وهكذا يُفعل في وقت النبي– صلى الله عليه وسلم–، كما يدلّ عليه حديث جابر –رضي الله تعالى عنه– :"ثمّ قال أَتبيع جملك قُلْتُ نعم فاشتراه مني بِأُوقيَّة ... فأَمر بلالاً أَن يزن له أُوقِيَّة فوَزَنَ لي بلال"[21]، أي أعطى بلال– رضي الله عنه– جابرا– رضي الله عنه– الفضة بعد الوزن، ثم بعد

---

[19]. د. على أحمد السالوس، **فقه البيع والاستيثاق والتطبيق المعاصر** (مكتبة دار القرآن، 2008م)، 1051.

[20]. الدريويش، **الوظائف الاقتصادية للدولة في الإسلام**، 1: 378.

[21]. محمد بن إسماعيل البخاري: **صحيح البخاري** (القاهرة: دار الشعب، 1987م)، 3: 81، رقم الحديث: 2097.

ذلك وجد بعض المشاكل بهذا الطريق؛ لأن اختبار جودة الذهب والفضة من الغشّ ما كان سهلاً لكل واحد.

المرحلة الثانية: كما علمنا أن اختبار جودة الذهب والفضة من الغشّ ما كان سهلاً لكل واحد، للتخلّص عن هذه الصعوبة، كان الناس بدؤوا التفكير إلى البحث عن أفضل طريقة للتبادل بالنسبة منها، حتى قامتْ الدولة بإصدار النقود المعدنية، في هذه المرحلة كان يُتعامل بهما بالعد لا بالوزن[22]، ثم بعد ذلك ظهرت المشكلة في هذه المرحلة بسبب كثرة الحوائج وقلّة النقدية.

المرحلة الثالثة: كما علمنا أن المشكلة ظهرت في هذه المرحلة بسبب كثرة الحوائج وقلّة النقدية، للتخلّص عن هذه الصعوبة بدؤوا إصدار نقدية المعدنية بطاقة القانون حتى ظهر السعر القانوني للعملة، وجعلوا القيمة الأعلى على سكّة صغيرة[23].

الرأي الراجح بعد المناقشة

بعد إمعان النظر في تطور نقدية الذهب والفضة تبيّن لنا أنهما لم يكونا نقدين من الشارع، بل بدأت نقديتهما من قبل أفراد المجتمع قبل بدء الشريعة، وعندما جاء دين الإسلام فأقرّهما على حالهما كما ذكر البلاذري:

> "كانت لِقريش أوزان في الجاهلية، فدخل الإسلام فأقرّت على ما كانت عليه كانت قريش تزن الفضة بوزن تسميه درهماً، وتزن الذهب بوزن تسميه ديناراً... فكانوا يتبايعون بالتبر على هذه الأوزان، فلما قدم النبي- صلى الله عليه وسلم- مكة أقرّهم على ذلكز"[24].

وهكذا يتبيّن من كلام الحسن- رضي الله تعالى عنه- أنهما نقدان من قبل الناس قبل الإسلام، كما أنه ذكر:

22. الدريويش، **الوظائف الاقتصادية للدولة في الإسلام**، 1: 378.
23. نفس المرجع.
24. البلاذري، **فتوح البلدان**، 456.

"كان الناس وهم أهل كفر قد عرفوا موضع هذا الدرهم من الناس فجودوه وأخلصوا فلما صار إليكم غششتموه وأفسدتموه."[25]

أنهما كان نقدين قبل بدء الشريعة الإسلامية.

وهكذا صرح ابن منيع:

"أن القول بأن الذهب والفضة خلقا للثمنية: قول يفقد مقومات اعتباره من الناحية الشرعية، ومن الناحية اللغوية، والناحية التاريخية."[26]

يعني ليس عندنا الدليل على نقديتهما من قبل الشارع في الشرعية الإسلامية ولا في اللغة ولا في التاريخ؛ لذلك لا نجعلها نقدين من قبل الشارع.

حتى ولو كان الدليل على نقديتهما من جانب الشارع لما قال عمر بن الخطاب–رضي الله عنه– أني أردت أن أجعل الدراهم من جلود الجمال، وأيضا لم يقل الإمام مالك – رحمه الله تعالى–: لو أن الناس بدؤوا التعامل بالجلود لأكره التعامل بالمعدنين، وهكذا ذكر ابن تيمية –رحمه الله تعالى–: أن الدليل على نقديتهما من جانب الشارع، وبالغ ابن حزم – رحمه الله تعالى– في عدم نقديتهما من جانب الشارع حتى أنه ذكر من ظنّ أنهما ثمنان من قبل الشارع فهو في الخطأ[27]، لأجل هذه الأدلة لا يصح لأحد أن يجعلهما نقدين من قبل الشارع.

في الجملة تبيّن من هذا البحث أن الذهب والفضة كانا ثمنين من قبل أفراد المجتمع قبل بدء الشريعة، لذلك يمكن للناس أن يتركوهما ويذهبوا إلى غيرهما إذا حدث المشاكل فيهما في أي زمن.

---

25. نفس المرجع.
26. ابن منيع، **الورق النقدي**، 21.
27. ينظر: نصوصهم في المبحث الأوّل في نفس الورقة.

نتائج البحث

توصلنا من خلال هذا البحث إلى أهم نتائج البحث وهي كالتالي:

1. إن النقد وهو الشيء الذي يلقى قبولاً عاماً من قِبل أفراد المجتمع (البنك المركزي).
2. كان الإنسان أوّلاً ينحصر لإشباع حاجته على جهوده الذاتية فقط، ثم بعد ذلك إحتاج إلى السلع التي ينتجها الآخرون، ومن هناك بدأ نظام التبادل واحتاج الإنسان إلى النقود (وسيطة التبادل).
3. إن المقايضة كانت أوّل صورة التبادل بين الناس، ثم عندما وجدت المشاكل فيها، جعل الناس السلعة المعينة نقدا لهم، ثم عندما وجدوا المشاكل في السلعة المعينة، جعلوا المعادن الرخيصة نقد، ثم عندما ظهر المشاكل في المعادن الرخيصة جعلوا الذهب والفضة نقدا، وعندما جاء الإسلام فأقرّهما على حالها، يعني أنها كانا نقدين من قبل أفراد المجتمع قبل بدء الشريعة.

التوصيات

ينبغي لنا أن نجدد النظر في أحكام الذهب والفضة في زمننا الحاضر بعد ترك الناس التعامل بهما.

ينبغي لنا أن نجدّد أحكام صرف الذهب والفضة بعد عدم بقائهما نقدين.

وكذلك ينبغي لنا أن نجدد النظر في علة الربا في الذهب والفضة.

Bibliography

1. *ʿAbdullah Bin Sulaimān Bin Munīʿ. Al-Waraq Al-Naqdī.*Accessed on 01-06-2020, (*https://ia902701.us.archive.org/20/items/SalehD005/AlWaraqAlNaqdy.pdf*), *1404A.H.*
2. *Aḥamad Bin Yūsaf Al-Darwaysh. Al-Waẓāyif Al-Iqtiṣādīah Li Al-DolahFī Al-Islām. Islāmabād: Islamic Research Institute, International Islamic University, 2015.*
3. *Al-Bilādharī. Fatūḥ Al-Buldān. Beirūt: Dār Al-Kutub Al-ʿIlmīah,1403 A.H.*
4. *Al-Nawawī. Roḍat Al-Ṭālibīn. Beirūt: Al-Maktab Al-Islamī, 1991.*
5. *Al-Rāfi. Fataḥ Al-Azīz.Damascus: Dār Al-Fikar, 1997.*
6. *Al-Rāzī. Mukhtār As-Siḥaiḥ. Beirūt: Library Of Labnān Publishers,1415A.H.*
7. *Al-Shāf,Ī Al-Saghīr. Nihāyah Al-Muḥtāj.* Beirūt*: Dār Al-Kutub Al-ʿIlamīyyha.*
8. Bashaikir ʿAbid. *Namdhjah Qiāsīah Iqtisādīah Limuḥaddāt Al-Talab ʿAlā Al-NaqūdFī Al-Jazāir. (https://www.asjp.cerist.dz/en/article/25115).*
9. *Dr Kāmāl Shārif, Hāshim Abū ʿIrāj. Al-Naqūd Wa Al-Māsarif.* Damascus*: Damascus University, 1994.*
10. *Dr. 'Ali Aḥmad Al-Sālūs. Fiqh Al-Bayi' Wa Al-Istithāq Wa Al-Taṭbīq Al-Mūāṣir. Kuwait:Dār Al-Qur'ān Library, 2008.*
11. *Dr. Maḥmūd'AbdAl-AzīzTonī. Iqtiṣādīāt Al- Naqūd Wa Al- Banūk.* Jaddah: *Al-Shakrī Library* for Publishing and *Distribution,2017 .*
12. *Dr.ʿAbd Al-Riḥmān Yousrī Aḥmmad. Al-Naqūd Wa Al-Fāwāid Wa Al-Banūk. Alexandria: Alexandria University, 2003.*
13. *Dr.ʿAbd Al-Riḥmān Yusrā Aḥmad. Qaḍāyah Islamīah MuʿAsirah Fī Al-Naqūd Wa Al-Banūok Wa Al-Tamwīl, Al-Dār Al-JāmʿIah. Alexandria: 84,Shār-E-Zakrīā Ghunyim, .1905*

14. Geoffery Crowther. *An Outline of Money. Ḥydarābād: Thoms Nelson and Sons Ltd, 2006.*

15. *Hāyil'Abd Al-Ḥafīẓ Yūsaf Daūd. Taghyīr Al-Qīmah Al-Shirāyīah Li Al-Naqūd Al-Warqīah.* Qāhirah*: Al-Mʿahad Al- ĀlʿāmīLilfikir Al-Islāmī. 1418 A.H.*

16. *Ibniḥazam. Al-Muḥalā.* Beirūt: *Dār Al-Uafāq Al-Jadīdah.*

17. *Ibni Manẓūor. Al-Afrīqī Al-Misrī, Lisān Al-ʿArab, Beirūt: Dār-E-Ṣādir, 1996.*

18. *Ibni Taymīyyah Al-ḥurānī. Majmūʿ Al-Fatāwā. Alexandria: Dār Al-Wafā, 2005.*

19. *Imām Mālik Bin Anas. Al-Mudawinah Al-Kubrā.* Beirūt: Dār Al-Kutub Al-ʿIlamī, 2014.

20. *Muḥammad Bin 'Ali Al-Qārī. Muqaddimah Fī Al-Naqūd Wa Al-Banūk. Jaddah: 'Abdullah Al-Sūlemān Street, Maktabah Dār Al-Jaddah, 1996.*

21. *Muḥammad Bin Ismāīl Al-Būkharī. Ṣaḥīḥ Al-Būkharī.* Qāhirah: Dār Al-Shāb, 1987.

Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS)

2020, 1(2), 1 -19

Riḥlat ul baḥth ‘an al-insān: **A Portrayal of Socio-Economic and Political Scenes of Nigeria**

A. O. Hashimi, (Ph.D) *[1]

* Department of Religious Studies, Olabisi Onabanjo University, Ago-Iwoye, Ogun State Nigeria

Keywords

Riḥlat, Travelogue, Arabic play, economic & socio-political scene, Nigeria

Abstract: *This study explores the role of playwrights in the spread of Islam through Arabic studies, focusing on Riḥlat ul baḥth ‘an al-insān hawaari bayna As-Sāil wa Mas’ūl. The author straddles a fine path in teaching Arabic and Islamic studies to students of non-Arabic speech community in order to expose the students of Islamic schools to socio-economic and political situation of their country; Nigeria, through the medium of Arabic language in a scripted play. The study further deals with how particular words were used. This requires examination of kinds of language resources used to communicate what was happening, and knowledge and experience utilized as a source for the expressions employed in the texts. Many of the expressions are strongly connected with Islamic terms in different professions. The paper argues that the author of Riḥlat is keen to expose his students to both Islamic and secular world by evolving student-centered pedagogies so that students not only learn through student–teacher communication, but also acquire the knowledge through Arabic play. The study concludes that many Islamic schools in Nigeria today provide a variety of student activities to develop the students’ life skills and leadership abilities so as to encourage their students to know the economic and political situation of Nigeria and internalize, and put into practice the principles and values they have learnt in infusing Islamic traditions and values into the teaching of modern secular subjects.*

Hashimi, A.O. (2020). *Riḥlat ul baḥth ‘an al-insān:* A Portrayal of Socio-Economic and Political Scenes of Nigeria. *Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies*, 1(2), *1 -19.*

© 2020 AUJIS. All rights reserved

KAUJIE Classification: H68, S7
JEL Classification: A20, I20

[1] Email: hashimiabdganiy62@gmail.com

Content from this work is copyrighted by *Al-‘Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

Introduction

In the works of contemporary African play wrights language is an important vehicle which authors express their intention in exposing and challenging post-colonial system of governance, and it is like a search light or vehicle through which social reality is beamed and shaped. Through language, a literary scholar communicates with the unknown readers and projects their thoughts and ideological dispositions. Therefore, the most significant items of any work of literature is recognized to be channelized through words which reside in the particular range of meanings and attitudes which members of any society attach to their verbal symbols, the mode of writing and features of literary text that reflect some social practices in the society of playwright. In the light of the above, this study examines the *Riḥlatul baḥth 'an 'Insān,* on the issues of the socio-economic and political situation of Nigeria. These include the expected obligations of the government towards her citizens and failure of political class to making life better and meaningful for the masses. The socio-economic and political problems, insecurity of lives and properties, unemployment, and oppression of the masses by the ruling class are collectively enshrined in the work. The linguistic choice employed in religious assembly and the contexts of the *Riḥlatul baḥth* reflect the state of nation like other playwright frowns at the unresponsive nature of the ruling class. The study concludes that the author skillfully draws from a pool of narrative experiences and artfully established the social situation of his immediate community of Nigeria.

This study intends to discuss the situation of Nigeria scene using *Riḥlat*; an Arabic work written for students of Arabic and Islamic Institute as source of information. The popular opinion of many Nigerians

before independence was self -governance administered by them. They believed that having democratic governance under their control would usher in good condition of living better than what they tasted under the colonial masters. However, the hope is shattered after independence. Nigerian leaders are corrupt, the ruling class is oppressive and the masses wallow in miserable poverty. The rate of unemployment is very high; the youths are sneaking out of the country to abroad seeking for green pastures, while the criminal activities by armed hoodlums are quite alarming. The Nigerian situation therefore prompts the literary figures, articulate scholars and playwrights those who have inherent of social crusades to use the power of their pen to portray Nigerian society, exposing and checkmating the activities of the leaders in literary genre. Nigerian literary writers are worried about the state of economic and human resources mismanaged in the country.

The study therefore intends to study the attitude of the ruling class and the reaction of the less privileged people to the rulers. It is pervasive that a blessed country like Nigeria can throw up some claws who called themselves ruling class and whose behavior only bring untold hardship and embarrassment to image of Nigeria. Their behavior therefore reflects the bad leadership experienced by the people. Nigeria's leaders are reckless in leadership, corrupt in administration and arrogant before the law, wanting in accountability and become object of disgrace after their tenure in office.

This study adopted analytical research method and relevant-related literature was reviewed. Contemporary playwrights in Nigeria criticize exploitation, oppression, child abuse, and bad governance. The situation of things has become the major thematic pre-occupation of

playwrights. Thus, the literary activities in most time in Nigeria is dominated by the users of English language being a national language, but in some occasions users of other languages like Yoruba, Igbo, Hausa ,Arabic, and French have also contributed in same domain.

Literature Review

A sizeable number of researched works have been conducted on Arabic plays in the Muslim world, but question of the Nigeria's Arabic play has received a lot of academic attention.

- Glimpses from Arabic literature, reveals that in the pre-Islamic Arabian society poet was an oracle, guide, orator and spokesman of his community. He was both molder and agent of public opinion, indeed, poetry is the public register (*diwān* of Arabians).[1] Nicholson in his work says further that the idea of poetry as an art was developed afterwards and the pagan poet is the oracle of his tribe, their guide in peace and their champion in war.[2] In the light of this, the literary scholars in Nigeria serve as oracles and spokesmen of their societies through the

1- Hitti, P.K. *History of Arabs from the earliest period* to the present (London: The Macmillan press Limited. Tenth edition, 1981), 95.

2- Nicholson, R.A. *A Literary History of the Arabs* (London: Cambridge University Press, 1985), 75

3- Abdullah Yusuf. Ali, *The Holy Qur'an: Test, Translation and Commentary* (Brentwood: Amana Corporation, 1983), Al-Qur'an 26: 223.

4- Julie Scott, Misaim and Paul Starkey, ds. *Encyclopedia of Arabic Literature* (London and New York: TJ International Ltd, Pad stow, Cornwall, 1998), 355.

5- Ibid, 769.

6- Ibid.

vehicle of English language. In this line of argument, the antiquity of Arabic narratives is attested to by the holy Qur'an, both in its condemnation and modification to construct moralizing narratives.[3]This is followed by numerous genres of narratives in the medieval period which were catalogued in *al-Fihrist* by *Ibn al- Nadīm' s*ins tenth Century, who records the manners which foreign tales were introduced to Arabic literature.[4]*Abu Wuhay b.Buhlul b. Amir al Sayrafī* is regarded as the most prominent and early Arabic dramatist. He lived in Kufa up to the time of *Hārūnar Rashīd*.[5]Glimpses from *Ibn Jawzī's* work; *kitāb al-qiṣaṣ*,makes us to understand the importance attached to narrative literature. His work illuminates the roles played by the narrative genres in the history of Arabic literature.[6]

Al-Thalabī the eleventh-Century Arabic scholar in his work *Qiṣaṣ-ul-anbiyā,* draws on oral legendary traditions surrounding Qur'anic figures. He quotes verses from the holy Qur'an but then weaves around each an entire vividly executed narratives. The narrative techniques of quoting Qur'anic verses and then building a prose narrative around these sentences, while dramatizing the narrative with as much as visual detail as possible so as to hold the audience's attention is a common practice in Arabic literature. Arabic narrative literature also became a favoured type in Islamic community. Some of the most popular classics of medieval Arabic literature are *'Antār* and *Alf Laylah walaylah. (*Arabian Nights) *Sīrat 'Antar* images have found a ready market in modern folk art. Other works of Arabic narrative literature are *Kalīla- wa- Dhimnah* (Animal fables) and

Maqamāt. The authors of *Maqamāt* built their works on series of riddles. The work of *Abu al-'Alā- al-Ma'arrī* which is riddled with riddles.[7]

Nevertheless, the contact of the Arabs with the West through French occupation of Egypt in 1798 C.E marked the beginning of modern Arabic theatrical tradition.[8]Hence, the origins of the modern Arabic drama/plays were popularly ascribed to Lebanese figure *Marun al-Naqqāsh*.[9] He wrote three high-quality plays, mainly literary Arabic. The first Arabic play was*al-Bakhīl***,** it was performed at the end of 1847 C.E., on a stage in his country home Beirut.[10] His other two plays are*Abual-Hassan al-Mughaffall* and*Harūn- ar-Rashīd*, written in verse rather than prose in musical formand *al-Hasud as-salit*.[11]After the death of*Marun al-Naqqāsh* in 1855 C.E., his nephew *Salīm al-Khalīl al-Naqqāsh* developed on *Marūn's* efforts and later formed his own troupe. In Damascus, *Ahmed al-Qabbānī* staged a number of productions of Arabic drama/plays.[12]

The next significant steps in Arabic plays and theatre took place in Egypt. The first known Arabic play productions in Egypt were taken by Egyptian Jew *Ya'qub Sanū'*, who staged a number of plays in Egyptian colloquial between 1870

7- Julie Scott & Paul Starkey Encyclopedia *of Arabic Literature (*1998), 2.

8- Ahmad Iskandariya**.***Al-Mufassālfītarīkh al-'arabīa* (Cairo;*Wizārat-ul-maa'ruf al-'umūmiyyah*, 1987), 123.

9- Badawi, M.M, Cachia, P, Lyons, M.C, Mattock, J.J "Naqqash and the Rise of theNative Arab Theatre in Syria" In *Journal of Arabic Literature* (1970), 3: 108.

10- Najm, *al*-masrahiyya*fī al- Adab al–'Arabī al-Ḥadīth* (Beirut, *DārulKutab al-'Ilmiyah*, 1967), 33-35.

11. Landau, J.M, *Studies in the Arab Theater and Drama (*Philadelphia: RUPHN, 1958), 57-58.

12. Badawi, M.M, etc. 3: 108.

and 1872 C. E.[13]the next theatricalperformances in Egypt were staged by Syrian emigrants. In 1876, C.E., *Salīm al-Khalīl al-Naqqāsh* established himself in Alexandria and the Syrian theatrical activities continued during the 1880s and 1890s, with the arrival in Egypt of *al-Qabbānī Iskandar Farah*, *JurīAbyad* and others.[14]

Research Methodology

The study adopts the analytical research method; it involves literary and sociological aspects. The literary aspect deals with the use of language in religious assembly and the employment of rhetorical devices in communication. The *Riḥlatul baḥth*were studied within the premise of linguistic, grammatical and anecdotal contexts. On the other hand, the sociological, economic and political dimension focuses on human relations between the political class, the public office holders and the echelons of the Nigerian society. It is worthy of note that relevant accessible materials; published and unpublished Arabic books, documents, manuscripts, monographs, journals, periodicals, etc. were consulted and used in this study.

Arabic Play in Nigeria

Although, there are numerous scholarly works on Arabic literature in Nigeria, but there is paucity of writing in Arabic play or Drama by Nigerian Arabic scholars. In comparison with Arab countries, the writing of Arabic play in Nigeria is slow to develop in both development and originality. According to *Oseni al-AmidAl-Mubajjal*is the only published Arabic play in Nigeria up to

13. Mossa, M., Ya’qubSanu’ and the Rise of Arab Drama in Egypt’ in the *international Journal of Middle East Studies*, (1954), 5:401-433.

14. Julie Scott and Paul Starkey,*Encyclopedia of Arabic Literature* 2(New York: TJ. International Ltd, 1998), 769.

year 2002.[15] This was followed by*TajirSāhib al-mut'am and UstazRagimAnfāh*by *Mosuudi'Abdal-Ghaniy,QadīGharātal'najum* by '*AbdGhaniy Adebayo*[16] and *Bāqū Muqadar***,** by *Bārī.*[17]There is no much work on novelistic literature in Nigeria that deals with Arabic plays/dramas. Therefore, in the recent past, the new literary work on Arabic play in Nigeria in general and south west in particular is *Riḥlatulbaḥth 'an 'Insān.*[18]

Discussion

The Authorship of *Riḥlah*

Theauthor of *Riḥlatulbaḥth 'an 'Insān*, Professor K.A. Balogun, was born on January 3rd, 1951 in the historical town of Abeokuta, into a family that has a long history in the promotion of the teachings of Islam. His primary education was in 1962, at *ItaIyalode, Owu Abeokuta*, and the present capital of *Ogun State*, Nigeria. He studiedthe Qur'an and works of Islamic sciences under the care of late *Alhaji Shaykh'Abdl Azeez Olorungbo* in his home town, *Abeokuta*. He attended *al-Azhar* Institute of Arabic and Islamic Studies, *Ilorin, Kwara* State Nigeria between 1965 and 1970. He later went on scholarship to Egypt and studied

15. Oseni, Zakariyah.I, *Al- 'Amid al-Mubajjal***.** (Nigeria:Auchi, *Daruu-Nur* press, 1994), 56.

16. Oseni, Zakariyah.I, 'Prose and Drama in Nigerian Literature in Arabic: The Journey So far", in *53rd Inaugural Lecture* of the University of Ilorin (Nigeria: University of Ilorin Press, 2005), 15.

17. AdetunjiBarri, *Baqaumuqadar* (Nigeria: Abeokuta,At-Tayyibun Islamic outlook, 2005), 7.

18. *KamālulDīnBalughun,Riḥlat li baḥth 'an insaanihawaaribayna As-SāilwaMas'ūl*, (Nigeria: *Al-Waran*, 2009).The book,s name is originally in Arabic:

"رحلة البحث عن الانسان حوار بين السائل والمسئول دار توفيق الله"

languages and literature at Al-Azhar University, Cairo and graduated in 1979. He obtained an M.A Degree in 1982 and PhD in 1990 at University of Ibadan.[19]He was appointed as an Assistant Lecturer in 1982, at Olabisi Onabanjo University, and rose to the rank of professor in 2003. Within the University, he holds many administrative positions and served in various committees with different capacities such as Head of Department, Sub Dean, Faculty of Arts, and Director of Sandwich programmes, members of disciplinary committee, chairman ethics committee, and Chairman Post Graduate programmes of Faculty of Arts. Apart from his home base, professor Balogun serves in other Universities in Nigeria. Dean Students' Affairs, Fountain University Oshogbo, External examiner Universities of Ibadan, and Lagos State University and visiting professor at al-Hikmah University, Ilorin, Kwara State Nigeria. He has to his credit many scholarly works in the published academic journals in Nigeria and abroad. He supervises many M.A. and Ph.D. Theses.

Professor Balogun's scholarly contributions, both with his research and his support of different scholarly institutions in Nigeria and abroad, are very numerous.As a teacher, supervisor and mentor,Professor Balogun has sired many academic offspring, some of whom have become professors, and many more on the way to attaining this enviable status. He is a professor of high standing whose epistemic consciousness is rooted in Islamic studies but welcoming to literary saloon. He is a man of town and gown, Professor Balogun is the Chief Imam of OlabisiOnabanjo University, Ago-Iwoye, the *Mufti* of Egbaland, and the Chief Imam of Gbagurain Abeokuta. He has Arabic institute at Ago-Iwoye named *Dar 'liBayan* where the play of his *Rihlat 'l-Bahth 'aninsani* was staged in his college in 2011.

---

19. Balogun A Kamaldeen., Islam and World Peace. 41St Inaugural Lecture *Olabisi Onabanjo* University, Ago- Iwoye. (Nigeria: OlabisiOnabanjo University Press, 2006).

Title of the Novel

The title of the Novel is *Riḥlat li baḥth 'an in saani hawaari bayna As-Sāilwa Mas'ūl (A Travellogue).*Itis a literary work of Arabic play/drama (*masrihiyāh*). It is a quest journey of discovery for a man of impeccable characters embarked upon by the chief characters of the Novel who bear the epithets;*As-Sāil*and *al-Mas'ūl.* It is a realistic comic playwright with a penchant for social criticism irony where Nigerian society is portrayed as a corrupt mélange of liars and cheaters.The Novel consists of ten scenes, introduction and prognosis. The exhausting quest for man of impeccable character forms abasis and provides the foundational ideas of the novel.

The Themes of Novel

The novel has various themes in its component, but the central themes deal with socio-political and economic situation of the community or nation which the novel represents. The novel is a pale picture and a faith echo of the contemporary community of the author. The existing quest for man of implacable character forms the basis and provides foundational ideas of the novel, with a powerful evocative conceits, the author describes each stage of the journey.

Prognosis (نقطة إنطلاق)

It is significant to make a brief survey of the drama. The play begins with the chief characters of the novel, *As-Sāil*and *al-Mas'ūl,*getting up one morning and leaving their home carrying their lantern with them, looking for a man of impeccable characters.

Scene I: In the Court (في المحكمة)

After long searching and hesitation, they halted at the court of law. The scene manifests a pale picture and a faith echo of judiciary in Nigeria, which its spectacle does not prick our conscience. This is a situation where a murderer is set free and a stealer of a yam is jailed. The court slammed jailed term on the poor man, while the lawmaker was acquitted. The acquittal of the lawmaker in the novel is indictment of the judiciary to avail Nigerians of justice. The acquittal in the novel is a shame that followed a pattern that had never punished high net-worth offenders either against the state or their compatriots, but never considered the weighty evidence that has been brought against the people of high profile.

Scene II: In the Motor Park (في الموقف)

The scene shows many penetrating insight into aspects of moral decadence in the contemporary Nigerian society this is noted by flaw expression, hard heartedness and insecurity of properties, demonstrated by the unruling conduct, cheeky and fraudulent manner of rascals in motor parks. It is noticeable that verbal slangs of rascality are ubiquitous in many motor-parks in Nigeria. This shows that Nigerian society is full of rascals. And a society full of rascals and thugs can only have elderly rascals and thugs as citizens

Scene III: In the Hospital (في المستشفى)

There is a report of motor accident on the road and the eye-witnesses made spirited efforts to rush the victim to hospital. At the hospital, the uncared attitude of doctors and nurses are not responsive. Hence there are many people passing on because of poor medical attention received in time of need. The blame

is partly on the government and partly on the doctors and hospital staff. A patient who is at danger point needs to be given urgent attention; at least first aid treatment must be given.

Scene IV: In the Residential House (في البيت)

The central focus of the scene is on insecurity of lives. This is occasioned by armed robbers who send many innocent people into graves. Also important in the scene is obnoxious increment on the house rent which makes many tenants suffer untold hardship from the hands of landlords. As the chief characters relaxed in their slumber when subsequent development followed that intercepted their sleep, this was arrival of men of armed hoodlums in the neighboring house, demanding from the dwellers their possessions that possessed none but, three Naira. The head of the house was shot on account of his abject poverty. After the hustle and bustle that followed, the wife seeing her husband in pool of blood becomes ululating with bitter tear collocated in her eyes.

Scene V: In the Village or Rural Area (في الرّيف)

Eventually, after much heart searching and hesitation by the major characters, their hearts are filled with the thought of the rural area. The chief characters never recovered from their imaginative thought when a noisy siren vibrates, symbolizes the arrival of uniformed police men who came for criminal investigation on the ritual killing. But to their dismay or chagrin, the scale of atrocities in the village is truly shocking. There is no difference between urban life and rural life. The chief character queried the remote causes of crime in the village, which erroneously perceived to be better than the town in terms of

security of lives and properties. In this case, vanity with its extravagance, leads people to engage in money-making rituals-even in the village as seen in the poem.

Scene VI: In the Pension's Office (في مكتب المتقاعدين)

The scene reveals the experience of the nation's workers of what they pass through after long years of dictated service to their fatherland. Their gratitude and pension allowances are not paid to them on record time. They are subjected to bad experience, pain, agony and unnecessary queue at pension's office and given unrealistic appointments. Many of them died in the process of collecting their dues. Thus Nigerian society ignores its cultural shift from conventional morality to unbridled hedonism.

Scene VII: In the Airport (في المطار الدولي)

The scene discusses the attitude and love of the youths to travel abroad, because they believe it is profitable to do so. Through interrogation, it is discovered that many people who travel abroad engage in dirty jobs which have no good image for human dignity. But, the home government should be blamed for not providing jobs for her citizens.

Scene VIII: In the House of Legislators (في البرلمان)

The scene discloses the attitude and self-centeredness of the political office holders; they are only interested in their own political proceeds. This is realized from the increment on various items such as furniture allowance, visitor entertainment allowance, cooking allowance etc. They involved in budget padding, filibustering, legislative rascality, sabotage of national interest, among

other criminalities. This attitude of the political office holders prompts chief character of the Novel**,** *al-Mas'ūl*to poor scorn on the certain aspects of behaviors of legislators and makes a vituperative and blistering attack on the law makers. They were blamed for not imitating their political predecessors like *Awolowo, Tafa Balewa* and *Sardauna*of *sokoto*in governance.

Scene IX: In the Market (في السّوق)

The scene discusses the socio-economic situation of the community of the author; the prices of commodities are not stable, while the measure used for commodities is of different kind. Furthermore, there are different measures for the same item. In nutshell, market activity is marked by dubious and flaw characters. Police is largely blamed for inflation because of undue bribery collected from merchandise and motorists on Nigerian roads.

Scene X: In the University Campus (في حرم الجامعة)

The scene is a pale picture of campus life, which is ravaged by disease of shamelessness. There is evidence of the negative impact of erosion of shared moral values and standards in University. The central square in the scene rooted on two things. The mode of dressing of most students is mediated by foreign culture and civilization, occasioned by short sighted mentality that views western civilization as a source of individual freedom and liberation. It is also realized that lecturers are not passionate enough to discharge their professional responsibility. In summary, the import of the scene is a biting condemnation of the campus life.

Conclusions

Riḥlatulbaḥth ‘an ’Insān like every work of literature is the most representative of the recent development in Nigeria. The novel operates on multiple levels of meaning and can be approached from various angles. For instance, the impact of civilization, modernism, western ideas and culture on our community pervades the novel, and a discussion of this theme would be particularly pertinent in the light of the fact that, on several occasions, the characters seem to imply a causal relationships with their people and economic, cultural and psychological violence perpetrated by the ruling class and people of high profile.

1. In the overall structure and meaning of the novel, the themes play only supportive part; much more central is the psychological significance with which the characters and events are invested. Thus, the novel has a uniqueness of its own and a hidden beauty.
2. The primary feature of this novel is the loving attention which the author devoted to the description of his country. The author places his reader right in the midst of a Nigerian society, and proceeds to elaborate on socio-economic and political situation of Nigeria which has been always dramatic and full of intrigues.
3. *Riḥlatulbaḥth* reveals an original and accomplished artistry, the novel is one of the most interesting works of novelistic tradition written in our contemporary Nigerian society. Its themes, the dilemma of the intellectual from a traditional background, the problems facing the orphans and abandoned children, the conflict between the emerging middle class and aristocracy, disorderliness of campus life, the pejorative nick names and cynosure versus epithets, lack of medical attention to the patients at public

hospitals, preponderance of bestial qualities in university students, the lust for wealth etc. All these added topical value to the Novel *(Riḥlat)*.

4. However, despite the beauty of the novel, the novel has its shortcomings on the part of the author, these include grammatical flaw, weak translation of local parlance into Arabic, indirect quotations, unnecessary exclamation etc.

5. It is indeed a tribute to the author of *Riḥlat***,** for his great power of imagination, his inventiveness and skill in writing what represents the society he skirts.

6. The novel discloses the social situation of Nigerian society, such as child abuse, insecurity of lives and properties, provocative and indecent utterances of the rascals at motor parks, uncared attitude of the public office holders as noted in the hospital and demonstrated by doctors. The bad experience, pain and agony experienced by retirees at the pension's office, the ritual killings in the village etc.

7. The novel reflects the damage that western civilization and modernism has had on the youths as seen in the campus.

8. We now conclude in this paper that *Riḥlat ul baḥth* is a recent Arabic play that presents a true picture of the Nigerian society. While the themes of the novel echo the voice of Nigerian people. In conclusion, the novel is in class of its own and the author is a literary figure to be reckoned with,his work *Riḥlat ul baḥth* is an eye-opener to Nigerian society.

Recommendations

In the light of this discourse the following recommendations are made for future research works. These are listed below:

1. It is recommended that other pedagogical literary works for teaching of Arabic and Islamic studies should be studied.
2. This present study may serve as a precursory approach to other works written by Arabic and Islamic scholars for students of Arabic and Islamic colleges in Nigeria.
3. In keeping with the social reality of Nigeria, Arabic students are exposed to the situation through Arabic medium, therefore the *Riḥlat ul baḥth* is recommended to students of Arabic colleges and allied disciplines.
4. In the field of Language, Arabic vocabularies are abounding in the work of *Riḥlat,* hence students will benefit a lot from it.
5. As Arabic is relevant to law, politics, economics, and commercial advertisement in radio stations, television houses and print media, Muslim students of these various disciplines who have background in Arabic will benefit a lot from the work.
6. To give Muslim students effective training and ability in Arabic works, Arabic playwrights are urged to more in the area of socio-political and economic aspects of Nigeria.

Bibliography

1 Abdullah Yusuf. Ali, The Holy Qur'ān, Translation and Commentary, Brentwood: Amana Corporation, 1983.

2 Abu Qasimb.Muhammad. Sharihmaqamah'l-HaririLebanon:*Dar'l-Fikr*,

3 Adetunji Barri, Baqaumuqadar (Nigeria, Abeokuta:At-Tayyibun Islamic outlook, 2005.

4 Ahmad Iskandariya**,***Al-Mufassal fi Tārikh 'l-araby* Cairo;.*Wizaarat 'li-maa'ruf li-'umumiyyay*

5 Ahmad Iskandany and Mustapha 'Amin *Al*-Wasitfi'l-*Adaba-l-arabiywaTarikhi*, Misra: Dar al-ma 'aruf,

6 Badawi M.M,Cachia,P, Lyons,M.C,Mattock,J.J 'Naqqash and the Rise of theNative Arab Theatre in Syria" In Journal of Arabic Literature, 1970.

7 Badawi,M.M, Early Arabic Drama Cambridge:Cambridge press, 1988.

8 BalogunA Kamaldeen, (Rihlat 'l-bahth 'an insani) *Saudi-Arabiyyah:Madinah*. 2009.

9 Balogun A Kamaldeen., Islam and World Peace. 41St Inaugural Lecture Olabisi Onabanjo University, Ago- Iwoye., Nigeria: Olabisi Onabanjo University Press, 2006.

10 Hitti K Philip, History of Arabs from the earliest periodto thepresent London: The Macmillan press Limited.Tenthedition, 1981.

11 Julie Scott & Paul Starkey *Encyclopedia of Arabic Literature* 2; London and New York: TJ International Ltd, Padstow, Cornwall, 1998.

12 Landau J.M Studies *in the Arab Theater and Drama* Philadelphia, 1958.

13 Mossa, M.,'Ya'qubSanu' and the Rise of Arab Drama in Egypt'in the international Journal of Middle East Studies5; (1954):401-433.

14 Najm,*al*-masrahiyya *fi al- Adab al –Arabi al-Hadith*, Lebanon:Beirut, 1967.

15 Nicholson, R.A. A Literary History of the Arabs London: Cambridge University Press.

16 1985.

17 OseniI Zakariyyah,*Al- 'Amid al-Mubajjal***,** Nigeria : Auchi, *Daruu-Nur* press,2005.

18 Oseni I Zakariyyah ,'Prose and Drama in Nigerian Literature in Arabic:The Journey Sofar"

19 *53rdInaugural Lecture* of the University of Ilorin, Nigeria: University of Ilorin Press, 2005.

20 *Kamālul Dīn Balughun, Riḥlat li baḥth 'an al insaani hawaarun bayna As-Sāil wal Mas'ūl*, (Nigeria: *Al-Waran*, 2009).

21 كمال الدّين بالوغن، رحلة البحث عن الانسان حوار بين السائل والمسئول (نيجيريا: الورن ، 2009)

Biannual

Al-'Ulūm

Journal of Islamic Studies (AUJIS)

Volume: 1 **Issue: 2**

July-Dec: 2020

ISSN: 2709- 3492(Online)
2709- 3484(Print)

Al-Karam International Institute
Anjuman Taleem-ul-Muslimeen Ghousia,
Bhera, Sargodha, Pakistan

Price: Domestic PKR 1000/=Foreign $ 70/=

Ph: +92-48-6690569/333-4441957

E-mail: editor@alulum.net, Website: www.alulum.net

Patron in-Chief:	**Pir Muhammad Amin ul Hasanat Shah** Chairman Anjuman Taleem ul Muslimeen, Bhera, Sargodha, Pakistan	
Chief Editor:	**Dr. Abu ul Hasan Muhammad Shah Al-Azhari** Chairman Dep. Islamic Studies, Al-Karam International Institute, Bhera,	
Managing Editor	**Dr. Muhammad Ajmal Farooq**	
Editor :	**Dr. Syed Muhammad Abdul Rehman Shah** Member, Board of Studies, Al-Karam International Institute, Bhera,	
Co Editors:	**Dr. Najmuddin Kokab Hashmi**	(Urdu)
	Muhammad Naeemuddin Al-Azhari	(Arabic)
	Muhammad Umar Rabbani	(English)
	M. Abubakar Siddique	(Technical)
	Sajjad Husain	(Technical)

Advisory Board

International

Prof. Dr. Ibrahim Muhammad Ibrahim	(Egypt)
Prof. Dr. Nabil Foli	(Turkey)
Dr. Musharraf Hussain Al Azhari,	(UK)
Dr. Khoshtar Noorani	(USA)
Dr. Muhammad Modassir Ali	(Qatar)
Dr. Bassir Abdelmughite	(Morocco)
Prof. Syed Lakht Hasnain Shah	(UK)
Dr. Muhammad Dawood Sofi	(India)

National

Prof. Dr. Muhammad Zia-ul-Haq	Prof. Dr. Azkia Hashmi
Prof. Dr. Abdul Quddus Suhaib	Prof. Dr. Muhammad Ejaz
Dr. Ghulam Shams ur Rahman	Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Dr. Atif Aslam Rao	Dr.Hafiz Hifazatullah

Introduction to the Journal

- ***Al-'Ulūm*** is an interdisciplinary peer-reviewed research journal on diversified aspects of society from perspective of Islam as a complete code of life.

- ***Al-'Ulūm*** fulfils the research requirements of Higher Education Commission (HEC) Pakistan. It includes Qur'anic and Hadīth Sciences, Biography of Holy Prophet, Islamic Theology, Islamic Jurisprudence, Comparative religions, Islamic Civilization, Interfaith Harmony, Islamic Economics & Business Ethics, Contemporary Issues in Islamic and Western Thoughts, and other topics which cover contents of Islamic studies in trilingual; **Urdu, English, and Arabic**.
- ***Al-'Ulūm*** shall be published twice a year (in June & December)
- ***Al-'Ulūm*** adopts double blind peer review process which means that both reviewers' and authors' identities are concealed from each other. Research articles submitted for publication in the journal are first screened by the editorial board which may reject manuscripts without further review if they do not meet the minimum criteria of the journal. At the next stage the manuscripts are subjected to double blind peer review by at least two experts of the field.
- ***Al-'Ulūm*** strictly follows thecriteria/guidelines devised by HEC for publication process and review**.**
- ***Al-'Ulūm*** adopts the decision of the Editorial Board regarding acceptance or rejection of the article that would be considered as final.
- ***Al-'Ulūm*** Editorial Committee reserves the right to recommend necessary amendments with minor/major changes or cancellation of the articles. Editor shall inform the writers with the opinion of the evaluators to incorporate the necessary changes if any.
- ***Al-'Ulūm*** declares that expression of the view-points of the respective author is his right. So every article is the sole responsibility of the writer, whilst Editorial Committee has no responsibility in this regard.

Guideline for Authors & Publication Policy

Research articles published in this journal are generally of 5,000-7,000 words (including foot-notes) and subject to initial editorial screening, double blind peer review by at least two experts of the field and further editorial review. It also occasionally publishes special issues dedicated exclusively to a particular theme.
The submission file is in Microsoft Word format. Submission should include an English abstract of approximately 250 words along with five key words.

• **Font Size and Style:** Single Space, Book Antiqua Roman, Normal text-12, Headings-14, Sub-Headings-12 in Bold, Foot notes-10.
Submissions must be in accordance with prescribed format of ***Al-'Ulūm*** that follows the Chicago manual of style for references, footnotes and citations.
In particular, please observe the following conventions for footnotes:
• **Reference from the Qur'an:** Source of Urdu or English translation of the Qur'anic verses must also be cited – Al-Qur'an, 3: 212
• **Reference from Classical *Hadīth* Compilations**
Muhammad b. Isma'īl al-Bukharī, ***al-Jāmi'al-Sahīh***, *Kitāb al-Zaba'ih wa al-Sayd*, *Bāb Aklu Kull Dhī Nab min al-Sibā'*(Riyadh: *Dar-us-Salam,* 1417 H), *Hadīth*: 5530.
• Books –Book with Single Author or Editor:
– Author(s) name(s), Book name (Place of Publication: Publisher, Year of Publication), xx.
For Example:

Dr. Khalid Manzoor Butt, Child Labour in Human Rights Perspective (Child Scavengers of Lahore) (Lahore: Sang-e-Meel Publications), 255.
Jerel A. Rosati, the Politics of United States Foreign Policy (Belmont: Wadsworth, 2004), 17.
{Note: no punctuation after the book title}

• **Edited Books:** A book with an editor in place of an author includes the abbreviation ed. (editor; for more than one editor, use Eds.).
K. P. Misra, ed., Afghanistan Crisis (New Delhi: Vikas, 1981), 42. Shortened Form: Misra, Afghanistan Crisis, 54.
Entry in a Bibliography: Misra, K. P., ed. Afghanistan Crisis. New Delhi: Vikas, 1981.
• **Books with two authors**: For a book with two authors, note that only the first-listed name is inverted in the bibliography entry.

Geoffrey C. Ward and Ken Burns, The War: An Intimate History, 1941-1945 (New York: Knopf, 2007), 52. Entry in a Bibliography: Ward, Geoffrey C., and Ken Burns. The War: An Intimate History, 1941-1945. New York: Knopf, 2007.

• **Books with Three Authors:** Sue-Ellen Jacobs, Wesley Thomas, and Sabine Lang, eds., Two-Spirit People: Native American Gender Identity, Sexuality, and Spirituality (Urbana University of Illinois Press, 1997), 32. Shortened Form: Jacobs, Thomas, and Lang, Two-Spirit People, 65-71. Entry in a Bibliography:
Jacobs, Sue-Ellen, Wesley Thomas, and Sabine Lang, eds. Two-Spirit People: Native American Gender Identity, Sexuality, and Spirituality. Urbana:
University of Illinois Press, 1997.

• **Books with more than Three Author**s**:** Jeri A. Sechzer et al., eds., Women and Mental Health (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1996), 243.

Shortened Form: Sechzer et al., Women and Mental Health, 276. Entry in a Bibliography: For works by or edited by more than three persons, all names are usually given in the bibliography. Word order and punctuation are the same as for two or three authors

• **Books in more than one Volume:** Muriel St. Clare Byrne, ed., The Lisle Letters (Chicago: University of Chicago Press, 1981), 4:243.

• **Books in more than one Volume in Bibliography:** Pelikan, Jaroslav. The Christian Tradition: A History of the Development of Doctrine. Vol. 1, The Emergence of the Catholic Tradition (100-600). Chicago: University of Chicago Press, 1971.

• **Chapter in a Book:** Author(s) name(s), “Title of the Chapter,” in Book name, ed. Editor(s) name(s) (Place of Publication: Publisher, Year of Publication), xx. Muhammad Usman Amin Siddiqi, “Examining Women Empowerment through Representation in Pakistan: Who Gets to Represent Whom?” in Exploring the Engagement and Empowerment of Women: Multidisciplinary Perspectives, ed. U. P. Sinha (New Delhi: Concept Publishing Company, 2015), 35–58.

M. Raziullah Azmi, “Pakistan-United States Relations: An Appraisal,” in Readings in Pakistan Foreign Policy, 1971-1998, ed. Mehrunnisa Ali (Karachi: Oxford University Press, 2003), 227.

• Articles – Use author and article title as they appear on the first page of the article (if not in full there, then use Table of Contents version). If a full date is given on the journal, include it in this form: Author, “Title,” name of Journal, city of publication, 25 (March, 2002): 74-76; if only a year is given, include the journal volume and number in this form: Author, “Title” Journal, city of publication, vol. 22, no. 3 (2002): 74-76.

• **Online Journals** Gueorgi Kossinets and Duncan J. Watts, "Origins of Homophily in an Evolving Social Network," American Journal of Sociology 115 (2009): 411, accessed February 28, 2010, doi: 10.1086/599247.

• **Websites** "McDonald's Happy Meal Toy Safety Facts," McDonald's Corporation, accessed July 19, 2008, http://www.mcdonalds.com/corp/about/factsheets.html.

• **Encyclopedia** CH. Pellat, "Hayawan," in The Encyclopedia of Islam, ed. B. Lewis, V. L. Menage, CH. Pellat and J. Schacht (Leiden: E. J. Brill, 1986), 3: 307.

Parts of the Article of *Al-'Ulūm*

Article should contain the following parts

1. **Abstract**
   It should contain summary regarding research. Abstract must be written in English language. (Approximately 250 words) including five key words.
2. **Introduction**
   Introduction must include objective, methodology, distinctive characteristics of the research work and conclusion.
3. **Discussion**
   In this part of the article, author would present his views and research in detail.
4. **Conclusion**
   Conclusion should be presented in a logical sequence.
5. **References**
   References should be made according to the above mentioned guidelines
6. **Bibliography**
   Bibliography should be compiled at end of the article in Chicago Manual Style 16. If the article is in other than English language, the Bibliography should be in Roman English with font style "Book Antiqua" by using transliteration table.

Copyright Policy

It is a condition of publication in this journal that authors assign copyright or license publication rights of their articles to the Anjuman Taleem-ul-Muslimeen, Bhera (ATMB). This enables ATMB to ensure full copyright protection and to disseminate the article, and of course the journal, to the widest possible readership in print and electronic formats as appropriate. Furthermore, the authors are required to secure permission if they want to reproduce any figure, table, or extract from the text of another source. This applies to direct reproduction as well as "derivative

reproduction" (where you have created a new figure or table which derives substantially from a copyrighted source).

Submission of the Article

Submit your manuscript by the email: editoralulum@gmail.com for details about the journal please visit http://alulum.net/

TRANSLITERATION TABLE

Urdu				Arabic				Urdu Digraphs	
ا	a	ص	ṣ	ا	A	ف	F	بھ	bh
ب	b	ض	Ż	ب	B	ق	Q	پھ	Ph
پ	p	ط	ṭ	ت	T	ك	K	تھ	Th
ت	t	ظ	ẓ	ث	Th	ل	L	ٹھ	Th
ٹ	t̲	ع	‘	ج	J	م	M	جھ	Jh
ث	th	غ	Gh	ح	ḥ	ن	N	چھ	Ch
ج	J	ف	F	خ	Kh	و	W	دھ	Dh
چ	ch	ق	Q	د	D	ه	H	ڈھ	Dh
ح	ḥ	ک	K	ذ	Dh	ء	’	ڑھ	Rh
خ	kh	گ	G	ر	R	ي	Y	کھ	Kh
د	d	ل	L	ز	Z			گھ	Gh
ڈ	d̲	م	M	س	S				
ذ	dh	ن	N	ش	Sh				
ر	r	ں	N̲	ص	ṣ				
ڑ	r̲	و	V	ض	ḍ				
ز	z	ہ	H	ط	ṭ				
ژ	z̲	ء	’	ظ	ẓ				
س	S	ی	Y	ع	‘				
ش	sh	ے	Y	غ	Gh				

Short Vowels (AR-UR)		Long Vowels (AR-UR)		Diphthongs			
				Arabic		Urdu	
ـَ	A	ـَی / ی	Á	ـَوْ	Aw	ـَو	au
ـِ	I	ـَا / آ	Ā	ـَيْ	Ay	ـَئ / ـَے	ai
ـُ	U	ـِی	Ī	ـَيّ	Ayy		
		ـُو	Ū	ـِيّ	Iyy		
		ـَوْ	ō(ur)	ـُوّ	Uww		
		ـَے	ē(ur)				

- Letter (ء) is not transliterated when at the beginning.
- Article (ال) is transliterated as (al-), and as (’l) in construct form, whether followed by a moon or a sun letter.
- (ـة) is transliterated as (ah)in pause form and as (at) in construct form.
- (و) is an Urdu conjunction is transliterated as (o).

CONTRIBUTORS

Ahmad Raza (Ph.D.)
Assistant Prof,Department of Islamic History and Culture, AIOU, Islamabad
Syed Attaullah Bukhari (Ph.D)
Lecturer Cadet College Ghotki, Sindh
Hafiz Muhammad Sani (Ph.D)
Professor, Department of Islamic Studies, Federal Urdu University, Karachi
Muhammad Ahmad Naeemi (Ph.D)
Assistant Prof. Department of Islamic Studies, Hamdard University, New Delhi, India
Majid Nawaz
PhD Scholar, University of Karachi, Karachi
Muhammad Aslam (Ph.D)
Assistant Prof. (Visiting) International Islamic University, Islamabad.
Mazhar Husain Bhadro PhD Scholar,
Department of Arabic and Islamic Studies, GC University, Lahore
Muhammad Abid Nadeem (Ph.D)
Associate Prof. Department of Arabic and Islamic Studies, GC University, Lahore
Muhammad Mudassar Shafique,
Ph.D. Scholar, Islamic studies & Arabic Department, GCU, Lahore
M. Sarfraz Khalid (Ph.D)
Associate Professor, Islamic studies & Arabic Department Garrison University,Lahore
Rehana Kanwal
M. Phil Scholar, National College of Business Administration and Economics Lahore
Irshadullah
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University D.I. Khan
Allah Ditta
Lecturer, Federal Government Degree College for Women Multan Cantt,
Muhammad Amjad (Ph.D)
Assistant Prof. Department of Islamic Studies, BZU, Multan
Israr Khan,
PhD Scholar, Islamic Law & Jurisprudence, International Islamic University, Islamabad
Rashid Masood,
PhD Scholar, Department of Arabic Language, NUML, Islamabad.
O. Hashimi, (Ph.D).
Department of Religious Studies, Olabisi Onabanjo University, Ago-Iwoye, Ogun State

EDITORIAL

In the new millennium, Muslim communities are moving to the revival after facing the social, political, and economic crisis of European colonialism over the past century and a half. A variety of contemporary issues is being presented by discussing the place of Islamic law in modern society, Islamic concept of vicegerent and human freedom, the connection of religion and public government, the nexus of religion and individual’s economic behavior, social status of women and Islamic family law, the nature of international relations and Islamic concept of state, inter-communal and inter-faith relations and Islamic view point, as well as the rising trends of extremism among different sectors of Muslim society. Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies (AUJIS) intends to examine diverse scholars’ views on each of abovementioned issues in order to understand both commonalities and diversity in modern Islam.

In the name of modernity, Muslims need not have any extreme aversion to Islamic tradition because Islam was never a cause of any darkness or ignorance chapters in Muslim history as propagated blindly. As matter of fact, there were no dark ages in Islamic civilization, rather as you move back you will find the best time of Holy Prophet (PBUH). On the contrary, Islam was the root-cause of all goodness, love, kindness, and compassion that originated in Islamic civilization and from which not only Muslims, but also non-Muslims, benefitted over the ages. In a few dark pages of history, the problems thus were never Islam's, but rather Muslims' misconceptions and misperceptions. In present days, the same reality stands true for the latest conundrum from the perspective of the notions of Islamic traditions and modernity at all. Especially, Muslim philosophers should lead intellectual awareness drives in such a quality way that while adopting modernity people can understand how far to go, what to adopt, what to reject, where to stop, and what to contribute, and what not. This is possible modernization of Islamic traditions where manifestation will change but Islamic divine principles will retain as manageable proposition.

Editorial board of AUJIS selects the manuscripts after a strict review process to refine the divine wisdom through the analysis of current trends and Muslim heritage in the field that exists in this Issue .

Chief Editor

ISSN
Online: 2709-3492
Print: 2709-3484
www.alulum.net

Bi-annual

AL-'ULŪM

JOURNAL OF ISLAMIC STUDIES (AUJIS)

Volume 1, Issue 2 (July-December 2020)

Al-Karam International Institute
Anjuman Taleem ul Muslimeen Ghausia
Bhera, District Sargodha, Pakistan